إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تو اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں (اِس طرح) صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔

(پارہ ۲۸ - سورہ ۶۱، الصف - آیت ۴)

ضربِ حیدری

سیّد مُراد علی جعفری

اِدارۂ تحقیق دانشِ مشرق

۳۲-سی، رضویہ سوسائٹی، کراچی

اے پروردگار!

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ فَاظْهِرِ اللّٰهُمَّ لَنَا وَلِیَّكَ وَابْنَ بِنْتِ نَبِیِّكَ الْمُسَمّٰی بِاِسْمِ رَسُوْلِكَ حَتّٰی لَا یَظْفَرَ بِشَیْءٍ مِّنَ الْبَاطِلِ اِلَّا مَزَّقَهٗ وَیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُحَقِّقَهٗ وَاجْعَلْهُ اَللّٰهُمَّ مَفْزَعًا لِّمَظْلُوْمِ عِبَادِكَ وَنَاصِرًا لِّمَنْ لَّا یَجِدُ لَهٗ نَاصِرًا غَیْرَكَ وَمُجَدِّدًا لِّمَا عُطِّلَ مِنْ اَحْكَامِ كِتَابِكَ وَمُشَیِّدًا لِّمَا وَرَدَ مِنْ اَعْلَامِ دِیْنِكَ وَسُنَنِ نَبِیِّكَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ

برّ و بحر میں فساد رونما ہوگیا ہے اور خود لوگوں ہی کے ہاتھوں اے اللہ! اپنے ولی (صاحب العصرؑ) کو جو تیرے نبیؐ کی بیٹیؑ کا فرزند ہے اور تیرے رسولؐ ہی کا ہم نام ہے، ظاہر فرما دے کہ کوئی باطل ایسا نہ ملے جس کا پردہ چاک نہ کر دے، اور حق کو حق ثابت کر کے رہے۔ اے اللہ! اُن کو اپنے مظلوم بندوں کا پشت پناہ، اور جس بے کس کا تیرے سوا کوئی نہ ہو، اُس کا مددگار بنا دے، اُن کو جلد لے آ، کہ تیری کتاب کے جو احکام معطّل ہو رہے ہیں، اُنھیں وہ پھر سے جاری وساری کر دیں، اور تیرے دین کی نشانیوں، اور تیرے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سنّتوں کو مستحکم کر دیں۔

انتظارِ ظہور امر الٰہ ❖ حاصلِ لا الٰہ الا اللہ

حقوق غیر محفوظ

کتاب کی شناخت ____ ضربِ حیدری

کاوش ____ سیّد مراد علی جعفری

کتابت ____ عبد القیوم گوندل

تصحیح ____ مولوی اشفاق حسین

ناشر ____ ادارہ تحقیق دانش مشرق

مطبع ____ ایس ایم پرنٹرز

طبع ____ بار اوّل رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

تعداد ____ ایک ہزار

تعاون ____ سیّد کاظم حسن زیدی

شرطِ حصول ____ ایک سو پچاس روپے صرف

مراکز حصول!

۱: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ۔ ۲۷۹، بریٹو روڈ۔ کراچی

فون نمبر: ۷۲۲۳۲۳۵۴

۲: افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ لاہور۔ فون: ۷۲۲۳۶۸۶

۳: محفوظ بک ایجنسی۔ مارٹن روڈ کراچی فون: ۴۲۴۲۸۶

۴: عبّاسی کتب خانہ۔ جونا مارکیٹ کراچی۔

فون نمبر: ۷۰۲۶۴۵۶

۵: رحمت اللہ بک ایجنسی۔ کھارادر کراچی۔ فون نمبر: ۲۴۳۱۵۷۷

۶: علمدار جعفری بک ڈپو

امام بارگاہ شہداء کربلا۔ انچولی۔ کراچی فون: ۶۶۲۴۰۹

نمبر شمار	ترتیب	صفحہ نمبر
۱	اے پروردگار	۱
۲	ضربِ حیدریؑ	۳
۳	ضربتِ علیؑ	۶
۴	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	۷
۵	ضرباتِ حیدریؑ	۸
۶	تقریظ محترم سید غلام نقی رضوی دام مجدکم	۹
۷	فتکلموا لعرفوا	۴۰
۸	لافتیٰ الا علی	۴۱
۹	حضرت علیؑ کا سوانحی خاکہ	۴۲
۱۰	مولائے کائنات کا نسب نامہ	۴۴
۱۱	حضرت علیؑ کی شخصیت کے چند پہلو	۵۵
۱۲	عہد نبوی کے غزوات	۵۸
۱۳	امیر المومنین کا دوسرا دَور	۵۹
۱۴	غزوۂ بدر	۶۰
۱۵	غزوۂ اُحد	۹۱
۱۶	غزوۂ بنی نضیر	۱۲۲
۱۷	غزوۂ احزاب	۱۲۷
۱۸	غزوۂ قریظہ	۱۵۰

ترتیب

ضَرَبَتُ علیؑ
یَوُمَ الخَنُدَقِ
اَفُضَلُ
مِنُ عِبَادَةِ الثَّقَلَیْنِ

(ارشادِ رسول اللہؐ)

غزوۂ خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت
ثقلین کی عبادت سے افضل ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضرباتِ حیدری

ولادت باسعادت حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ

وہ نورِ خدا جس سے رسالتمآب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلق ہوئے، اُس کا ایک حصّہ نسلاً بعد نسلٍ اصلاب وارحامِ پاکیزہ میں منتقل ہوتا ہوا صلبِ ابوطالبؑ اور رحمِ پاکیزہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد ابنِ ہاشم ابنِ مناف میں پہنچ کر اس دارِ فانی میں بروز جمعہ بتاریخ ۱۳ رجب المرجب ۳۰ عام الفیل (۵۹۸ء) جوفِ کعبۃ اللہ "مکّہ معظمہ" میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔

حضرت رسولِ خداؐ بیحد مسرور ہوئے اور تربیتِ مولود یعنی حضرت علیؑ کی ذمّہ داری خود سنبھالی۔ بوقت بعثتِ رسولِ خداؐ آپؑ کی عمر ۱۲ سال تھی۔ اُس وقت آیت "وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ" (الشعراء آیت ۲۱۴) نازل ہوئی۔ تو آپؐ ہی نے بحکمِ رسولِ خداؐ چالیس افرادِ خاندان کو جمع کیا۔

امیر المومنینؑ کا پہلا دور (قبل از ہجرت) دعوتِ ذوالعشیرہ کا انتظام حضرت علیؑ کے ذمّہ تھا۔ آنحضرتؐ نے سردارانِ قریش کے سامنے فرمایا کہ:

"آج جو میری نبوّت کی تصدیق کرے گا وہ میرا بھائی، وزیر، وصی اور خلیفہ ہوگا"۔

حضرت علیؑ نے تصدیق فرمائی اور اُسی وقت سے آپؑ آنحضرتؐ کے جانشین اور خلیفہ قرار پائے۔

ضرباتِ حیدری

تقریظ : عالی جناب الحاج سیّد غلام نقی رضوی دام مجدہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی

مُحَمَّدٍ وَّاَھۡلِ بَیۡتِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاھِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ ٭

اَمَّا بَعۡدُ !

ارشادِ ربِّ جلیل و خالقِ جبریلؑ ہے کہ:

" اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ "

(سورۃ ۳ آلِ عمران آیت ۱۹)

" بیشک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے ۔"

اسلام کامل ہے ۔ اس کی افضلیّت اور تکمیل کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے ۔ یہ وہ کامل دین ہے جو تمام قانونی مراحل میں عدالت کے تقاضوں کا لحاظ رکھتا ہے' اور قانون کی پابندی کرنے والوں کو خوشگوار زندگی کی ضمانت دیتا ہے ۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا :

" مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَھُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ

حیٰوۃً طیّبۃً ۚ ولنجزینّھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون ○ (پارہ ۱۴، سورۃ النحل آیت ۹۷)

یعنی: "جو شخص مرد ہو یا عورت عملِ صالح بجائے لیکن وہ مومن ہو پس ہم بالضرور اُس کو ایک پاکیزہ زندگی (حیاتِ طیّبہ) عطا کریں گے اور ہم اُن کو ضرور ضرور اُس عمل کے اجر میں جو وہ بجالائے، بہترین اجر عطا کریں گے۔"

اس آفاقی دین کے احکام ہر دَور میں پیدا ہونے والے گوناگوں مسائل کو تسلی بخش طور پر حل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

خداوندِ عالم عادل ہے، اُس کا اپنے بندوں سے جزا اور سزا کا وعدہ اس امر کی محکم دلیل ہے کہ وہ (بندے) اپنے بعض اعمال میں مختار ہیں، مجبور نہیں۔ انہی انسانی افعال کے پیشِ نظر خدائے بزرگ و برتر نے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں اور بندوں کو اچھے اچھے کاموں کے بجالانے کا حکم دیا، اور بُرے کاموں سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ اگر انسان کو قطعی طور پر بے اختیار مان لیا جائے تو انبیاء کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل فرمانا عبث قرار پائے گا۔ اور بندوں پر خدا کا عقاب قبیح ہوگا۔ عقل کا فیصلہ ہے کہ جو بات کسی کے اختیار سے باہر ہو اُسے اُس پر سزا دینا قبیح ہوگا۔ ایسی سزا ظلم کی بدترین قسم ہے، اور ظلم و قبح سے خداوندِ عالم کی ذات بہت بلند و پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اُن کے امکان اور طاقت و وسعت کے مطابق انھیں ایسے اُمور کا پابند کیا ہے جن میں اُن کی بہتری ہو، اور ایسے کاموں

سے روکا ہے جن میں خود اُن کا نقصان ہو۔ اِن پابندیوں کو شرعی اصطلاح میں "تکلیف" کہتے ہیں اور جس شخص پر اِن پابندیوں کا اطلاق ہو اُس کو "مکلّف" کہا جاتا ہے۔ "تکلیف" واجب ہے اور اُس کی بنیاد فلاح اور مصلحت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بغیر دینی اور دنیاوی فوائد کا حصول ممکن نہیں۔

جس طرح لوگوں کی صلاح وفلاح کا اہتمام کرنے اور فساد کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک نبی کا مبعوث ہونا ضروری ہے، بالکل اسی طرح نبی کے بعد اُن احکام کو لوگوں تک پہنچانے، اسلامی حدود قائم کرنے، دینِ اسلام کی حفاظت کرنے، لوگوں میں عدل برقرار رکھنے، اُن کے درمیان حق وانصاف کے مطابق فیصلے کرنے اور اُنھیں عبادات، معاملات اور سیاسیات کے احکام بتانے کے لیے "امام" کا ہونا بھی ضروری ہے۔

فرقۂ ناجیہ (اثناء عشریہ) کی اصطلاح میں "امام" اُس شخصیت کو کہتے ہیں جو خدا کی جانب سے نیابت وخلافتِ رسولؐ کے لیے مقرّر کیا گیا ہو۔ اُن کے اعتقاد کے مطابق نائبِ رسولؐ (امامؑ) کی تعیین خدا پر واجب ہے۔ خلافت ونیابتِ رسولؐ درحقیقت زمین پر نیابتِ خدا ہے لہٰذا جو بجائے پیغمبرؐ اُس کی جگہ پر آئے وہ بھی اُسی کے حکم سے آنا چاہیے۔ فرق

صرف اس قدر ہے کہ نبی یا رسول کو براہِ راست خدا مقرّر فرماتا ہے لیکن نبی یا رسول کے نائب کو خدا کے حکم سے نبی یا رسول ہی مقرّر کرتا ہے۔ نائب کے لیے اُن تمام تر خصوصیات کا موصوف ہونا ضروری ہے جو نبی یا رسول میں ہوں۔

ورنہ وہ حقِ نیابت ہرگز ادا نہیں کر سکتا۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ "نبی" ہے

اور یہ "امامؑ" جس طرح نبیؐ یا رسولؐ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ "معصومؑ" ہو
یعنی ہر گناہِ ظاہری و باطنی سے پاک و مبرا ہو۔ اسی طرح بعدِ رحلتِ نبیؐ (کیونکہ
ابھی ضروریاتِ دین باقی ہیں اس کے لیے) نائب کا ہونا اور اُس کا معصوم ہونا بھی
ضروری ہے، تاکہ احکامِ خداوندی کو بخلوص اور بے کم و کاست بندوں تک
ارشاداتِ الٰہی کے مطابق پہونچا سکے اور بعدِ پیغمبرؐ تحفّظِ شریعت کا صحیح اہل ہو۔

سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴ " لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ " یعنی:
یہ میرا عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا" سے بھی ثابت ہے کہ امامت کے لیے عصمت
شرط ہے۔ یہ امر بھی بدیہی ہے کہ ابوالائمہ حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ علیہ السلام
اور آپؑ کی اولاد طاہرینؑ کے سوا کسی نے عصمت کا دعویٰ نہیں کیا۔ لہٰذا اُن حضرات
کی عصمت ثابت ہے، اور جن کی عصمت ثابت ہے اُن کی امامت بھی ثابت ہے

چونکہ ائمہ اثناء عشر کے علاوہ کوئی معصوم نہیں لہٰذا اُن کے سوا،
کوئی امام بھی نہیں ہو سکتا۔

ائمہ اثناء عشر کا منصوص من اللہ ہونا کئی احادیث نبویؐ سے
بھی ثابت ہے مثلاً حضرت رسولِ کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

(۱) " اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ
بَیْتِیْ وَاِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ
فَلَا تُقَدِّمُوْھُمَا فَتَھْلِکُوْا وَتَفَرَّقُوْا عَنْھُمَا
فَتَھْلِکُوْا وَلَا تُعَلِّمُوْھُمْ فَاِنَّھُمْ اَعْلَمُ مِنْکُمْ "

یعنی: "بلاشبہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اللہ کی

کتاب اور میری عترت جو میرے اہلِ بیت ہیں، اور یہ دونوں (ایک دوسرے
سے) ہرگز جُدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔ پس
تم لوگ اُن پر سبقت نہ کرنا، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے، اور اگر تم ان دونوں سے
علیحدگی اختیار کرو گے پھر بھی تم لوگ ہلاک ہو جاؤ گے، کیونکہ وہ تم لوگوں سے
زیادہ جاننے والے ہیں اور تم اُن کو (زیادہ) نہیں جانتے (کہ وہ کتنے بڑے عالم ہیں)

(۲) حضرت رسولِ خدا ص نے حضرت امام حسینؑ کے متعلق ارشاد فرمایا:

"میرا یہ بیٹا امام ہے، اور امام کا فرزند ہے، امام کا بھائی ہے،
اور نو اماموں کا باپ ہے۔"

(۳) تخلیقِ جن و انس کا مقصد اور معرفتِ خدا کا وسیلہ ذاتِ ختمی المرتبت ص

سورۃ ۵۱ الذریات آیت ۵۶ میں ارشادِ الٰہی ہوا:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝"

یعنی: "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا ہے
تاکہ میری عبادت کریں۔"

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں آسمان اور زمین کے درمیان
جو کچھ بھی ہے، سب اُس کی عبادت میں مصروف ہیں، جو کبھی اپنی فطرت
کو بدل کر عبادت سے گریز نہیں کرتے کیونکہ وہ سب قہری نظام کے تحت خلق
کیے گئے ہیں ماسوا جنوں اور انسانوں کے۔ اِن دونوں کو تشریعی نظام کے
تحت اختیار دیا گیا ہے اور اِن دونوں کا مقصدِ خلقت، جیسا کہ اوپر آیت میں

بیان کیا گیا ہے، صرف اللہ کی عبادت ہے۔ اور طریقۂ عبادت سکھانے اور حصولِ معرفتِ خداوندی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جناب رسولِ خدا حضرت محمد مصطفےؐ کو حتمی طور پر مبعوث فرمایا۔ چنانچہ اب قیامت تک نہ کوئی دوسرا رسول آئے گا، نہ شریعت منسوخ ہوگی، اور نہ طریقۂ عبادت بدلے گا۔

(۴) حضرت محمد مصطفےؐ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہیں

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے، اور دعا مانگتے جاتے تھے کہ: "اے ہمارے پالنے والے مالک! ہماری یہ خدمت قبول فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا اور نیّت کا جاننے والا ہے اور اے ہمارے پالنے والے مالک! تو ہمیں اپنا فرماں بردار بنائے رکھ اور ہماری ذرّیّت میں سے ایک گروہ پیدا کر جو تیرا (کامل) فرماں بردار ہو، اور ہمیں ہمارے مناسکِ (حج) مقامات دکھلا دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔"

پھر آپؑ نے یہ دعا مانگی: (سورۂ بقرۃ آیت ۱۲۹)

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝"

یعنی: "اے ہمارے پالنے والے مالک! (مکّہ والوں میں) اُن ہی میں سے ایک رسولؐ کو مبعوث و ظاہر فرما جو اُن کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور اُنھیں (تیری)

کتاب اور حکمت (دانائی) کی باتیں تعلیم کرے اور اُن کے نفوس کو پاک کرے

بیشک تو ہی غالب اور صاحبِ تدبیر و حکمت ہے۔"

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور اُن ہی کی ذرّیت و نسل سے نورِ حضرت محمدؐ (جسے اللہ تعالیٰ نے بروایتے حضرت آدمؑ کی خلقت سے ۹ لاکھ برس قبل اپنے نور سے پیدا کیا تھا) کو صلبِ حضرت آدمؑ میں منتقل فرمایا، اور پھر نورِ محمدؐ نسلاً بعد نسلٍ اصلابِ ارحامِ پاکیزہ میں منتقل ہوتا ہوا صلبِ حضرت عبداللہؑ بن عبدالمطلبؑ اور پھر رحمِ پاکیزہ حضرت آمنہؑ بنتِ وہبؑ میں پہنچ کر اس دنیا میں مکہ معظّمہ میں سنہ ۱ عام الفیل مطابق ۵۷۰ء شعبِ ابوطالبؑ میں منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔

چنانچہ آنحضرتؐ کے کارِ رسالت کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

"كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ ۲ البقرۃ آیت ۱۵۱)

یعنی: "جیسے ہم نے تم ہی میں سے ایک رسولؐ مبعوث کیا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور تمہارے (نفسوں کو) پاکیزہ کرے اور تمہیں کتاب (قرآن) اور عقل کی (حکیمانہ) باتیں سکھائے اور تم کو اُن باتوں کی تعلیم دے جس کی تمہیں (پہلے سے) خبر بھی نہیں تھی۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جن الفاظ میں دعا مانگی

بعینہ وہی الفاظ اللہ تعالیٰ نے بروقتِ بعثتِ رسولؐ نقل فرمائے ہیں۔

(۶) ولادتِ حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ

حضرت رسول اللہؐ کی مشہور حدیث ہے کہ:

"اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ": "میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں"۔

چنانچہ وہ نور جس سے حضرتؐ کی خلقت ہوئی، اُس کا دوسرا حصہ نسلاً بعد نسلٍ اصلاب اور ارحامِ پاکیزہ میں منتقل ہوتا ہوا صلبِ ابوطالبؑ میں اور پھر رحمِ پاکیزہ حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد ابنِ ہاشم ابنِ عبدِمناف میں پہنچ کر اس دنیا میں مکہ معظمہ میں بروز جمعہ بتاریخ ۱۳ رجب المرجب ۳۰ عام الفیل ۵۹۸ء جوفِ کعبۃ اللہ میں جلوہ فشاں ہوا۔

یہ شرف نہ آپؑ سے پہلے، اور نہ آپؑ کے بعد کسی دوسرے کو حاصل ہوا۔ "کتاب" بشارتِ مصطفےٰؐ" میں تحریر ہے کہ:

"یزید ابنِ قعنب بیان کرتے ہیں کہ عباسؓ ابنِ عبدالمطلبؑ اور چند قریشی کعبہ میں بیٹھے تھے کہ فاطمہؑ بنتِ اسد آئیں اور طوافِ کعبہ میں مشغول ہوگئیں، اسی دوران وضعِ حمل کے آثار اُن پر ظاہر ہوئے، اُنھوں نے دعا کی کہ اے صاحبِ خانہ اے معبودِ یگانہ! میں تجھ پر اور تیرے انبیاءؑ و مرسلینؑ پر ایمان رکھتی ہوں، اور اپنے جدِّ بزرگوار حضرت ابراہیمؑ کی پیرو ہوں، تجھے واسطہ اِس گھر کا اور اِس گھر کے بنانے والے کا، اور اِس فرزند کا جو میرے شکم میں امانت ہے کہ تو اس ولادت کو میرے واسطے آسان بنادے"۔

اِدھر دعاءِ فاطمہؑ ختم ہوئی، اُدھر دیوارِ کعبہ شق ہوئی۔ فاطمہؑ اندر داخل ہوئیں اور دیوارِ کعبہ پھر اِس طرح مل گئی کہ شگاف کا اثر و نشان تک باقی نہ رہا۔ دروازۂ کعبہ کسی کے کھولنے سے نہ کھلا۔ چوتھے روز فاطمہؑ بچّے کو لیے ہوئے خانۂ کعبہ سے یہ کہتی ہوئی برآمد ہوئیں کہ "میں دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہوں، مجھے خدا نے اپنے گھر میں جگہ دی، اور روزانہ طعامِ جنّت سے نوازا۔"

یزید ابنِ قعنب راوی ہیں کہ: رسولِ خداؐ ولادتِ علیؑ سے بہت زیادہ مسرور ہوئے، اُن کا گہوارہ اپنی خوابگاہ میں رکھتے اور ہلا ہلا کر لوریاں دیتے تھے۔ شیر و شربت خود پلاتے تھے، خود تربیّت فرماتے، اپنے سینے اور کندھوں پر بٹھاتے اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کرتے کہ " یہ میرا برادر و ولی اور میرا ناصر ہے میرا وصی، خلیفہ اور میری کریمہ کا شوہر بھی ہے" اپنے دوشِ مبارک پر بٹھا کر مکّہ کی گلیوں اور کوچوں میں گھماتے تھے۔"

غرض حضرت علیؑ دوشِ رسالت پناہ اور سایۂ عاطفت میں تربیّت کے منازل طے کرتے ہوئے علم و حلم، زُہد و تقویٰ، شجاعت و سخاوت، فصاحت و بلاغت، عبادت و ریاضت، کرم و رحم، شفقت و محبّت، عدالت و انصاف میں اُس مقامِ اعلیٰ پر فائز ہو گئے کہ رسولِ خداؐ کے برحق جانشین قرار پائے۔

بعثتِ نبوّتِ آنحضرتؐ (سُورۃ ۹۶ العلق آیت ۱تا۵ میں ارشاد ہوا:)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؀

" اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ ''

ترجمہ: '' (اے رسولؐ!) پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر، جس نے پیدا کیا (ہر شے کو) اُس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمھارا پروردگار بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ اُس نے انسان کو وہ باتیں بتائیں جن کو وہ (بالکل) نہ جانتا تھا۔ ''

تفسیر:۔ یہ سورۃ اپنے اوصاف کے اعتبار سے بیحد مفید ہے۔

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص بحری سفر میں اس کو پڑھے، غرق ہونے سے محفوظ رہے گا۔۔۔ کسی خزانے کی جگہ پڑھے تو خزانہ محفوظ رہے گا۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: '' شب و روز میں اگر اس سورۃ کو پڑھے اور اُسی شب میں یا دن میں انتقال ہوجائے تو شہید مرتا ہے اور اس کا ثواب آنحضرتؐ کے ہمراہ جہاد کرنے والوں کے برابر ہوتا ہے۔

(تفسیر مجمع البیان)

---

* یوں تو حضرت محمد مصطفٰےؐ کی نبوّت بمطابق حدیثِ نبویؐ:

'' کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ '' یعنی: ''میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ آب و گِل کے درمیان تھے۔''

اور اسی حدیث کی رو سے آپؐ اُس وقت بھی نبی تھے جب آپؐ کا ظہورِ ذی نور اس عالم میں جلوہ گر ہوا لیکن لوگوں کی ہدایت اور تبلیغ کے اُمور بعثت (اعلانِ نبوّت) کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ بروایت ''حیات القلوب'' آپؐ

چالیس سال کی عمر سے پہلے اپنی نبوّت پر خود ہی عمل کرتے تھے۔ جب آپؐ کی بعثت عام لوگوں کے لیے ہوئی تو آپؐ نے تبلیغی اُمور کا سلسلہ شروع کیا۔

★ تفسیر قُمّی کی روایت ہے کہ آپؐ پر جبریلؑ کا نزول بعمر ۳۷ سال پہلی مرتبہ ہوا لیکن جبریلؑ ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ صرف اُن کی آواز اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ آپؐ کو سنائی دی۔ چالیسؑ سال کی عمر میں ۲۷ رجب کو آپؐ کی بعثتِ عامّہ ہوئی اور آپؐ پر سورۃ العلق" نازل ہوئی۔

★ " تفسیر انوار النجف " میں ہے کہ جبرئیلؑ ایک حسین ترین شکل میں پیش ہوئے اور اُنھوں نے آپؐ کو سلام خداوندی کا پیغام سنایا اور یہ کہا کہ آپؐ جنّ و انس کی طرف رسولؐ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا اُن کو دینِ حق کی تبلیغ فرمائیں اور عقیدۂ توحید، نبوّت اور ولایت کی اُن کو دعوت دیں۔

اِس کے بعد جبریلؑ نے زمین پر اپنا پر مارا جس سے شیریں پانی کا ایک چشمہ نمودار ہوا۔ آپؐ نے اُس سے کچھ پانی پیا اور وضو فرمایا۔ پھر جبریلؑ نے " سورۃ العلق " کی آیات آپؐ پر پڑھیں اور واپس چلے گئے۔

★ " المسعودی " میں ہے کہ مندرجہ بالا و مذکورہ آیات مَالَمْ یَعْلَمْ تک " کوہِ حرا " میں نازل ہوئیں۔ یہاں آپؐ تھوڑے عرصے سے معتکف تھے اور وہیں شب و روز عبادت کرتے تھے۔

★ بروایت " ابنِ شہر آشوب راوندی " و " طبرسی " وہ وہاں فرشتوں کی آوازیں سنتے تھے اور سچّے خواب دیکھتے تھے، اور ان حالات کی اطّلاع حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السّلام اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے علاوہ کسی کو نہ تھی۔

★ بروایت "حیات القلوب" آپؐ جب کوہِ حرا سے اپنے گھر کی طرف تشریف لا رہے تھے تو ہر وہ چیز جو راستے میں آئی چاہے وہ درخت ہوں یا گل بوٹے، سب نے آپؐ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ کہہ کر سلام کیا۔ جب آپؐ گھر میں داخل ہوئے تو آپؐ کو انوارِ باری گھیرے ہوئے تھے۔

جناب خدیجہؑ نے پوچھا کہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: جبرئیلؑ آئے تھے اور انھوں نے کارِ رسالت انجام دینے کی طرف متوجّہ کیا ہے اور "سورۂ اقرا" کی تلاوت کی ہے۔

یہ سن کر جناب خدیجہؑ کی باچھیں کھل گئیں، کہا: میں اس کے آثار آپؐ میں پہلے سے دیکھ رہی تھی۔

پھر فوراً کلمہ پڑھا۔ اس کے فوراً بعد حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ نے تصدیقِ رسالت کی۔ جس کے وہ پہلے ہی سے منتظر تھے، پھر نمازِ جماعت قائم ہوئی۔ ایک امامؐ تھا اور دو ماموم۔ اُس وقت اسلام ظاہری طور پر انہی میں محدود تھا۔

حضرت علی علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ: "میں اور خدیجہؑ دو ہی تھے جو پیغمبریؐ کی مہک سونگھتے اور رسالت کا نور دیکھتے تھے"۔ وہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے شیطان کو فریاد کرتے سنا۔"

استفسار پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: "شیطان اپنی مایوسی پر گریہ کر رہا ہے اے علیؑ! جو میں دیکھتا ہوں، وہ تم بھی دیکھتے ہو، جو میں سنتا ہوں، وہ تم سنتے ہو، فرق یہ ہے کہ میں نبیؐ ہوں اور تم میرے وصی ہو۔"

سلسلۂ وحی کے بعد آپؐ تین سال تک خاموشی کے ساتھ تبلیغ کرتے

رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی :

"وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" (سورۃ الشعراء آیت ۲۱۴)

(اور تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ)

اس کے بعد آپؐ نے اپنے خاندان کے چالیس افراد کو حضرت علیؑ کے ذریعے سے جمع کیا (جن میں ابن ابی قحافہ، ابنِ خطاب، ابنِ عفان اقربائے رسولؐ میں نہ ہونے کی وجہ سے نہیں گئے تھے) جب اہلِ خاندان جمع ہو گئے اور آپؐ نے خطاب کرنا چاہا تو اہلِ قریش کی سرکشی کی وجہ سے خطبہ نہ دے سکے۔

دوسرے دن پھر بلایا، تو حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ سینہ سپر ہو کر ان کے سامنے آئے، اور رسولِ کریمؐ نے اجتماع سے پُر زور خطاب فرمایا اور کوئی دم نہ مار سکا۔ تبلیغ کی اس اہم منزلِ اوّل میں رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کو سینے سے لگا کر وصایت و خلافت کی بشارت دی"۔

(ملاحظہ فرمائیں : تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۱۷، تاریخ الکامل جلد ۲ ص ۲۲، تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۱۶، تفسیر لباب التاویل جلد ۳ ص ۳۷۱، تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ ص ۱۰۵، تفسیر طبری پ ۱۹ ص ۶۹، تفسیر درِ منثور جلد ۵ ص ۹۷، کنز العمال جلد ۶ ص ۴۰۱، ینابیع المودہ ص ۱۰۵، تفسیر ثعلبی، مسند ابنِ حنبل، حبیب السیر جلد ۱ ص ۱۶، چودہ ستارے ص ۱۲۰، ارجح المطالب ص ۱۵، ڈیول پورٹ ص ۵، تاریخ کلمن ص ۸۳

بحوالہ "الفرقان المجید" ترجمہ حافظ فرمان علی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ)

زیرِ نظر تصنیف میں فاضل مصنف نے اخی و وصیِ رسول اللہؐ، ابوالائمہ حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی صفتِ شجاعت، جس کا مظاہرہ آنحضرتؑ نے غزوات و مہمات و خدمات کے سلسلہ میں جو رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰؐ نے آنحضرتؑ کے سپرد فرمائی تھیں، نہ صرف تفصیلاً اُن کا ذکر کیا ہے، بلکہ اُن محرکات اور معرکوں کے علل و علائل اور اُن سے حاصل کردہ نتائج کا استنباط بھی عالمانہ، عاقلانہ اور فلسفیانہ انداز سے کیا ہے، جس سے اُن کی علمی صلاحیت، تحقیقاتی حقائق اور نفسِ مضمون پر اُن کی دسترس کا اندازہ ہوتا ہے۔

قبل اِس کے کہ نفسِ مضمون پر کچھ گفتگو کی جائے "صفتِ شجاعت" پر سرِ راہے روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ قارئینِ کرام کو یہ اندازہ ہو سکے کہ:

مولائے کائناتؑ کس دلیری، جانفشانی اور تندہی سے اپنے محب، مربی اور محسن و مشفق، پالنہار اور اخیِ معظم رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فروغ و تکمیلِ دین کے سلسلہ میں ہمرکاب رہے، اور بقائے دین نیز خوشنودی و رضائے خدائے متعال و رسولِ ربِّ ذوالجلال کی خاطر اپنی جان تک نثار کرنے سے گریز نہیں کیا۔

محققینِ جدید و قدیم نے انسان میں تین فطری و پیدائشی طور پر پائی جانے والی قوتوں (۱) شہوانی (۲) غضبی اور (۳) نطق و ادراک پر مکارمِ اخلاق کی بنیاد ڈالی ہے، اور انہی مکارمِ اخلاق کے مالک ہو جانے کو سبب و معیارِ کمالِ انسانیت قرار دیا ہے۔

مکارمِ اخلاق کا انحصار ان چار فضائل پر ہے:

(۱) حکمت (۲) شجاعت (۳) عِفّت (۴) عدالت۔

(۱) "حکمت" یہ صفت قوّتِ نفسِ ناطقہ وادراک کے اعتدال سے حاصل ہوتی ہے۔ اور حکمت کے ساتھ "علم" کی صفت ضروری ہے۔

(۲) "شجاعت" یہ صفت قوّتِ غضبی کے اعتدال سے حاصل ہوتی ہے، جو (۱) کِبر (۲) نجدت (۳) علوِّ ہمّت (۴) ثبات، (۵) حلم (۶) سکون (۷) شہامت (۸) تحمّل (۹) تواضع، (۱۰) حمیّت اور (۱۱) رقّت کی صفات پر مشتمل ہے۔

(۳) "عفّت" یہ صفت قوّتِ شہوانی کو اعتدال میں رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

(۴) "عدالت" یہ صفت، مندرجہ بالا ہر سہ صفات کے فضائل کے اجتماع سے (فضیلتِ عدالت) حاصل ہوتی ہے

مندرجہ بالا تمام اوصاف وفضائل امیر المومنین حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ میں بدرجۂ اتم موجود تھے، آپؑ کی سیرت ان تمام اوصاف کی آئینہ دار ہے۔

★ اللہ تعالیٰ خاتم الانبیاؐ، سیّد الرُسل حضرت محمد مصطفےٰؐ کے اخلاق کے بارے میں سورۃ القلم کی آیت ۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

" وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ "

یعنی: " اور بے شک آپؐ خُلقِ عظیم کے مرتبے پر فائز ہیں۔"

یہ ہے سندِ آنحضرتؐ کے خلقِ عظیم پر فائز ہونے کی اللہ کی عطا کردہ۔

اور جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ: نائبِ رسولؐ کے لیے اُن تمام خصوصیات کا موصوف ہونا ضروری ہے، جو نبی یا رسول میں ہوتی ہیں، ورنہ وہ حقِ نیابت کما حقّہٗ ادا نہیں کر سکے گا۔

اور ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ حضرت رسولِ خداؐ ولادتِ حضرت علیؑ سے بہت مسرور ہوئے، اور آپؐ نے خود بنفسِ نفیس اُن کی تربیّت فرمائی تھی، اُنھیں اپنے سینے پر سُلایا اور اپنے کندھوں پر بٹھایا کرتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کرتے کہ: "یہ میرا برادر، میرا ولی و ناصر، میرا وصی و خلیفہ اور میری لختِ جگر کا شوہر ہے۔

غرضکہ حضرت علیؑ دوشِ رسالت اور سایۂ عاطفت میں تربیّت کے منازل طے کرتے ہوئے علم و حلم، زُہد و تقویٰ، شجاعت و دلیری فصاحت و بلاغت، عفّت و پاکدامنی وغیرہ میں اُس مقام پر پہنچ گئے کہ جس کی خود رسولِ خداؐ کو ضرورت تھی تاکہ خلیفۂ برحق کے مرتبہ پر فائز ہوں۔

اس مجسّم خلقِ عظیم کی صفت شجاعت کے بارے میں ہم آپؑ کے ایک قول کا ترجمہ کتاب "اخلاقِ ناصری" ص۱۵۵ سے نقل کرتے ہیں:

حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"اے لوگو! اگر تم قتل نہ کیے جاؤ گے تو خود (اپنی موت سے) مرو گے، اور قسم ہے اُس کی جس کے قبضۂ قدرت میں علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی جان ہے کہ سر پر ہزار تلواروں کے زخم کھانا زیادہ سہل اور آسان ہے، اُس سے کہ فرش پر دم نکلے۔"

مولائے کائناتؑ اور
خدماتِ رسولِ اکرمؐ

(نفسِ مضمون کا خلاصہ)

(۱) "دعوتِ ذوالعشیرہ" کے موقع پر اشرافِ قریشِ مکّہ کی موجودگی میں ۱۳سال کی عمر میں پیغمبرِ اسلامؐ کی تصدیقِ رسالت، اور آنحضرتؐ کی مدد و نصرت کا وعدۂ صمیم۔

(۲) بعد بعثتِ رسولؐ حضرت علیؑ نے تصدیقِ توحید و رسالت کی اور مدد و نصرت کے وعدے کو نباہا۔

(۳) ایامِ مقاطعہ میں (تین سال تک شعبِ ابوطالبؑ میں پیغمبر اکرمؐ اور بنی ہاشم کے مقیّد رہنے میں) مددِ رسولؐ۔

حضرت علیؑ شعبِ ابوطالبؑ سے نکل کر مکّہ کی نواحی بستیوں میں دور دور تک جاتے اور وہاں سے محنت و مشقّت کے ذریعہ جو کچھ میسّر آتا اپنی پشت پر لاد کر لاتے اور قیدیوں تک پہنچاتے۔

(۴) شبِ ہجرت رسولِ اکرمؐ پر جاں نثاری:

بحکمِ رسولِ کریمؐ چادرِ رسولؐ اوڑھ کر باطمینان بسترِ رسولؐ پر اس طرح محوِ خواب ہو گئے کہ اس سے قبل کبھی نہ سوئے

تھے، اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی رضا کی خاطر فدیۂ ذاتِ اقدس پیغمبرؐ اکرم کر دیا۔ اس جاں نثاری کو دیکھ کر اللہ علیٰ اعلیٰ نے آیتِ کریمہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللهِ" نازل فرمائی یعنی: "لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو رضائے خدا کے حصول کی خاطر اپنے نفس کو اللہ کے بدست فروخت کر دیتے ہیں۔"

(۵) سفرِ ہجرت کے دوران مددِ پیغمبرِ اسلامؐ:

(الف) آنحضرتؐ نے جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں، اُن کو واپس کرنا،

(ب) پیغمبر اکرمؐ اور حضرت ابوبکر کے غار میں قیام کے دوران اُن کے طعام کا بندوبست کرنا۔

(ج) بحرین جانے کے لیے اونٹوں کی خریداری، اور رہبر کو کرایہ پر اجیر کرنا۔

(۶) غزوۂ بدر ۲ ہجری: (۱) علمبرداریِ سپاہِ اسلام کا شرف (۲) مبارزانِ اسلام نے اس غزوہ میں تقریباً ستّر کفّار کو قتل کیا جن میں سے قریب قریب نصف تعداد کو حضرت علیؑ نے تہ تیغ کیا۔ لشکرِ اسلام کی شاندار فتح۔

(۷) غزوۂ سویق اور (۸) غزوۂ بنی قینقاع بھی ۲ھ میں واقع ہوئیں جن میں حضرت علیؑ نے سردارِ لشکرِ اسلام کے فرائض انجام دیے اور مشرکین پر فتح و نصرت حاصل کر کے مرکزِ اسلام مدینہ منوّرہ کو اُن سے پاک کیا۔

(۹) غزوۂ اُحد ۳ سنہ ہجری: (۱) مہاجرین کا عَلم جو پیغمبرِ اسلامؐ
کے لیے مخصوص تھا، وہ آپؐ نے حضرت علیؑ کو عطا فرمایا۔

(۲) طلحہ ابنِ طلحہ، ابطات اور شریع۔ کفّار کے ان تینوں سرداروں
کو یکے بعد دیگرے حضرت علیؑ نے قتل کیا۔ اب فتح کا رُخ
لشکرِ اسلام کے حق میں تھا کہ چند ناعاقبت اندیش مجاہدینِ لشکرِ
اسلام نے مالِ غنیمت حاصل کرنے کی خاطر حفاظتی درّہ کو خالی
چھوڑ دیا۔ جنگ کا نقشہ بدل گیا، جس کے نتیجے میں حضرت
رسولِ خداؐ سخت زخمی ہوئے، زیادہ تر اصحاب نے راہِ فرار
اختیار کی مگر حضرت علیؑ اور چند ساتھی ثابت قدمی اور پامردی سے
آنحضرتؐ کا دفاع کرتے رہے۔ اس موقع پر حضرت علیؑ شدید
زخمی ہوئے، معالج آپؑ کے علاج سے ہی نااُمید ہو گیا زخم پر
زخم لگے ہوئے تھے، بالآخر حضورِ اکرمؐ نے اپنا دستِ شفا ان کے
جسم پر پھیرا تو معجزانہ انداز میں حضرتؑ کو شفا نصیب ہوئی۔
اور وعدۂ مدد و نصرتِ پیغمبرِ اکرمؐ جاری و ساری رہا۔

(۱۰) غزوۂ حمراء الاسد ۳ سنہ ھ: اس موقع پر بھی آنحضرتؐ نے حضرت
علیؑ کو سپہ سالارِ لشکر بنا کر کفّار کی سرکوبی کے لیے بھیجا، اور
ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل، اور ان کے لشکریوں پر اسلام کا
رُعب اس قدر چھا گیا کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۱۱) قلعۂ بنی نضیر کا محاصرہ: ۴ سنہ ہجری میں فوجِ اسلام نے

قلعۂ بنی نضیر کا محاصرہ کیا۔ بالآخر حضرت علیؑ نے "نحرور" جس نے خیمۂ رسولؐ پر تیر سے حملہ کرکے اس کو شگافتہ کیا اور فرار ہوگیا تھا، کو گرفتار کرکے اُس کا سر قلم کیا اور حاضرِ خدمتِ رسولِ خداؐ کیا۔ بعد ازاں قلعہ پر قابض ہوکر نحرور کے دوسرے ساتھیوں کے سر قلم کرکے قلعہ پر آویزاں کردیے۔

(۱۲) (واقعۂ اِفک) نصرتِ رسولؐ ۵ھ: زوجۂ رسولِ اکرمؐ حضرت عائشہ پر منافقین نے تہمت تراشی کی۔ جس سے رسولِ خداؐ سخت غمگین ہوئے۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے رنج و غم کی وجہ دریافت کی، آپؐ نے واقعہ بیان فرمایا۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ بات صرف منافقین کا جھوٹ اور بہتان ہے اگر ایسا واقعہ رونما ہوتا تو خدائے قدیر آپؐ کو اُس سے ضرور آگاہ فرما دیتا جس طرح کہ اُس نے جبرئیلؑ کے ذریعے آپؐ کو اُس جوتے کے بارے میں مطلع فرمایا تھا جو آپؐ نے دورانِ نماز اپنی نعلین مبارک کو اپنے پائے اقدس سے اُتار دیا تھا۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ مطمئن و مسرور ہوئے اور حضرت عائشہ سے ایک ماہ کے بعد پھر رُجوع فرمالیا۔

(۱۳) نصرتِ رسولؐ بواقعۂ جنگِ خندق ۵ ہجری:

اس جنگ میں حملہ آور فوجِ کفار کی تعداد چوبیس ہزار تھی

چنانچہ رسول اللہ ص نے دفاعی حربے کے طور پر اطراف میں خندق کھودنے کا حکم دیا تھا، جب عمرو بن عبدود عرب کا مشہور ترین جنگجو اس خندق کو اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر پار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو فوجِ اسلام کو للکارنے لگا۔ آنحضرت ص نے حضرت علیؑ کو اُس کے مقابلہ پر بھیجا، اور آپؑ نے اُس کا سر کاٹ کر آنحضرت ص کے پائے اقدس میں ڈال دیا۔ اُس موقع پر رسولِ اکرم ص نے حضرت علیؑ کی شان میں فرمایا: "جنگِ خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔"

(۱۴) نصرتِ رسول ص غزوۂ بنی قریظہ ۵ھ کے موقع پر:

۲۴ ذی قعد ۵ھ مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد رسولِ اکرم ص نے حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کو لشکرِ اسلام کا علمدار بنا کر بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کیا، اور بالآخر قلعہ پر حضرت علیؑ نے علمِ اسلام کو نصب کر دیا۔

(۱۵) نصرتِ رسول ص بموقعہ مہم بنی سعد ۶ھ:

بنی سعد کی سرکوبی کا سہرا بھی حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کے سر رہا۔ آپؑ کے اچانک حملے سے وہ لوگ بھاگ نکلے اور کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا، جو آپؑ نے خمس ادا کرنے کے بعد مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔

(۱۶) نصرتِ اسلام بموقعہ صلح حدیبیہ و تحریرِ عہدنامہ:

پیغمبرِ اسلام عمرۂ خانۂ کعبہ کے لیے تشریف لے گئے

مشرکینِ مکہ مانع ہوئے۔ آخر نوبت صلح نامہ تک پہنچی۔ پیغمبر اسلام ؐ نے اپنا عہدنامہ حضرت علیؑ سے لکھوایا۔ مشرکین نے عہدنامہ میں "رسول اللہؐ" کا لفظ لکھا ہوا دیکھا تو اعتراض کیا کہ ہم آپؐ کو "رسول اللہؐ" مانتے ہی نہیں، اِس لفظ کو مٹا کر صرف اپنا نام لکھیں۔ جب حضرت علیؑ سے مٹانے کے لیے کہا گیا تو آپؑ نے یہ کہہ کر معذرت کی، کہ حضور! میں تو آپؐ کو رسول اللہؐ مانتا ہوں، پھر بھلا میں کیونکر مٹا سکتا ہوں۔ یہ معذرت حضور اکرمؐ نے قبول فرمالی اور قلم لیکر خود حذف کر دیا۔

(۱۷) نصرتِ اسلام جنگِ خیبر ۷ھ ہجری میں:

اِس جنگ میں اصحابِ رسولؐ یکے بعد دیگرے خیبر کے قلعہ قموص کو فتح کرنے کے لیے لشکرِ اسلام کو لے کر جاتے اور ناکام لوٹ آتے۔ بالآخر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو طلب کیا، جو اُس وقت آشوبِ چشم میں مبتلاء تھے۔ رسول اللہؐ نے لعابِ دہن آنکھوں میں لگایا تو یہ تکلیف دور ہوگئی، تو حضورِ اکرمؐ نے علمِ اسلام آپؑ کے حوالے کیا۔ حضرت علیؑ روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے مرحب جیسے جانباز جنگجو سے مقابلہ ہوا، اُس کو آپؑ نے بڑی جابکدستی سے ایک ہی ضربت میں قتل کیا، پھر آپؑ قلعہ قموص کے دروازے پر پہونچے اور ایک ہی جھٹکے میں بابِ خیبر کی چولیں جدا کر دیں، قلعہ کے اندر داخل ہوئے تو عنتر جیسے نامی گرامی پہلوان سے مقابلہ ہوا، اس مقابلے کو یہودیوں اور اُن کی فوج نے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ حضرت علیؑ نے اُس کو بھی دو حصّوں میں برابر تقسیم کر دیا، پھر مزید پانچ پہلوانوں کو قتل کیا، اور قلعہ قموص فتح ہوگیا۔

خدمتِ رسولِ خداؐ میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے آگے بڑھ کر آپؑ کا استقبال کیا

اور گلے لگایا، دونوں آنکھوں کا بوسہ لیا اور فرمایا: "یقیناً اے علیؑ! اللہ بھی تم سے راضی ہے اور میں بھی راضی و مسرور ہوں۔"

(۱۸) نصرتِ اسلام، واقعۂ فدک ۷ھ کے موقع پر:

جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو خیبر کی نواحی بستیوں میں مصالحت کے لیے بھیجا اور یہ مصالحت اُن کے ہاتھوں طے پائی اِس طرح کہ نہ جنگ ہوئی، نہ کوئی قتل ہوا۔ یہودیوں نے فدک کو اُن کے حوالے کیا، جو پیغمبرِ اسلامؐ کا خاص حق و ملکیت قرار پایا۔ اِسی فدک کو رسولِ خداؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ کے نام ہبہ کردیا، اور آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے چھین لیا۔

(۱۹) نصرتِ اسلام واقعۂ غزوہ وادی القریٰ ۷ھ ہجری:

بعدِ فتحِ خیبر رسولِ خداؐ نے وادی القریٰ کا رُخ کیا۔ لڑنا مقصود نہ تھا۔ مگر یہودی جنگ کے لیے تیّار تھے۔ اُنھوں نے تیراندازی شروع کردی۔ ہر دو جانب سے صفوفِ جنگ آراستہ ہوگئیں۔ حضرت علیؑ نے اِس جنگ میں بھی اسلام کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اور بہت سوں کو تہ تیغ کر کے فتح حاصل کرلی۔

(۲۰) نصرتِ اسلام بموقعۂ ذات السلاسل ۸ھ ہجری:

بحکمِ پیغمبرِ اسلامؐ اس سریّہ میں دشمنانِ اسلام کو دفع کے لیے حضرت علیؑ مامور کیے گئے، اور کامیاب واپس آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "خدا نے علیؑ کے ذریعہ میری نصرت فرمائی۔"

(۲۱) نصرتِ اسلام۔ فتح مکّہ ۸ ؁ہجری :

پیغمبرِ اسلامؐ جب فتحِ مکّہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے تین علم سجائے۔ اُن میں سے ایک حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا۔ بوقت داخلۂ مکّہ دوسرا علم جو قیس بن سعد کے پاس تھا وہ بھی حضرت علیؑ کو دے دیا گیا کیونکہ قیس سے یہ خوف پیدا ہوگیا کہ وہ جنگ نہ شروع کر دے۔ حضرت علیؑ کی بُردباری کی وجہ سے مکّہ میں داخلہ بغیر کسی خون خرابے کے ہوگیا۔ فتحِ مکّہ کے بعد کعبہ میں نصب بُتوں کو رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ نے توڑا۔ اِس موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے شانوں پر سوار کیا تو پوچھا: "اے علیؑ! اب تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو"۔ آپؑ نے عرض کیا کہ: میں اِس وقت پردہ ہائے غیبت کو برطرف دیکھتا ہوں، اور ساقِ عرش تک پہنچ چکا ہوں، اِس وقت ہر شے میری دستگاہ میں ہے۔

(۲۲) غزوۂ حُنَین ۸ ؁ہجری :

دشمنوں کا لشکر تیس ہزار اور لشکرِ اسلام سولہ ہزار، اسلام کی علمبرداری علیؑ کے ہاتھ میں۔ ابتدا میں مشرکین کے اچانک حملے سے لشکرِ اسلام بوکھلا گئے اور بہت سے سورما جنگ سے فرار ہو گئے۔ لیکن حضرت علیؑ جناب رسولِ خداؐ کے شانہ بہ شانہ دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے اور موقع پا کر آپؑ نے قوم ہوازن کے علمدار کے اونٹ کی پچھلی ٹانگیں کاٹ دیں اور تہ تیغ کر دیا۔ لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہوگئی۔

(۲۳) واقعۂ طائف ۸ھ ہجری :

غزوۂ طائف میں حضرت علیؑ علمدارِ لشکر تھے، محاصرہ تقریباً چالیس روز رہا۔ مگر بے سود۔ دریں اثنا پیغمبرِ اسلامؐ نے حضرت علیؑ کو مامور کیا کہ اطرافِ طائف کے بتخانوں اور بتوں کو توڑ ڈالیں۔ چنانچہ آپؑ نے ایسا ہی کیا، قبیلۂ بنی غشم سے جنگ کی اور سردارِ قبیلہ کو قتل کر دیا۔ جب حضرت علیؑ واپس آئے تو آنحضرتؐ منتظر تھے۔ تخلیہ میں طولانی گفتگو کی، جو اصحاب کو ناگوار گذری رسولؐ سے فریاد کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ علیؑ سے گفتگو میں کوئی راز کی باتیں نہیں کر رہا تھا، بلکہ اللہ خود علیؑ سے راز کہہ رہا تھا۔

غزوۂ طائف رسولِ خداؐ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا کہ اس کے بعد تبوک میں جنگ کی نوبت نہ آئی۔ ابتدائے حیات دعوتِ ذوالعشیرہ اور اختتامِ حیاتِ نبوت غزوۂ طائف تھا۔ اسی لیے رسولِ خداؐ نے اپنی طویل گفتگو میں حضرت علیؑ کو تخلیہ میں انعاماتِ خداوندی اسرارِ الٰہی، احکاماتِ ربانی، علومِ سبحانی اور وہ کل علوم و اسرار جو لوازمِ نبوت ہیں حضرت علیؑ کو سپرد کر دیے اور حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔

(۲۴) نصرتِ اسلام، سورۂ برأت :

(۱) ۹ھ ہجری میں پیغمبرِ اسلامؐ نے حضرت ابوبکر کو امیرِ حجاج بنا کر بھیجا، اور سورۂ برأت کی تبلیغ کا حکم دیا۔

(۲) پیغمبر اکرمؐ پر وحی آئی کہ تبلیغِ رسالت تم کرسکتے ہو یا وہ شخص جو تم سے ہو۔
(۳) بموجب حکمِ خداوندی حضرت علیؑ کو اِس کارِ خداوندی کے لیے روانہ کیا گیا، اُنھوں نے حضرت ابوبکر سے لے کر حاضرینِ واجتماعِ مکّہ پر سورۂ برأت کی تبلیغ کی اور فرمایا کہ کوئی شخص حکمِ خدا و رسولؐ کی نافرمانی نہ کرسکے گا۔

(۲۵) نصرتِ اِسلام تبلیغِ اسلام در یمن :

یمن میں ہمدان سب سے بڑا و کثیر التّعداد اور با اثر خاندان تھا۔ رسولِ خداؐ نے تبلیغ کے لیے خالد بن ولید کو مامور کیا۔ ۶ ماہ تک وہ دعوتِ اسلام دیتے رہے لیکن کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ بالآخر آنحضرتؐ نے اُنھیں بلا بھیجا اور اُن کی جگہ حضرت علیؑ کو روانہ کیا، آپؑ نے معجزانہ انداز سے تبلیغ فرمائی نتیجتاً سارا قبیلۂ ہمدانی یمنی مسلمان ہوگیا، اُن کے ساتھ دوسرے اہلِ یمن بھی مسلمان اور پکّے موحّد ہوگئے۔

(۲۶) نصرتِ اسلام، سریّہ وادیُ الرَّمل :

جب اسلام کی مخالفت پر مشرکین کا لشکر وادی الرّمل میں جمع ہونا شروع ہوا اور رسولِ اکرمؐ کو خبر ہوئی۔ آپؐ نے صحابہ کو بھیجا لیکن وہ ناکام واپس ہوئے پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کو روانہ کیا، آپؑ نے وہاں پہنچ سخت جنگ کر کے دشمنانِ دینِ خدا کا صفایا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ عادلِ محض ہے، وہ اپنی صفتِ عدالت،

کرم گستری، مہربانی، عطا و بخشش اور بے حد فرماں برداریٔ بندگان کی وجہ سے کسی کا قرض اپنے اوپر باقی نہیں رہنے دیتا۔

خدا و رسولِ خداؐ کے بیحد فرماں بردار، اطاعت گذار بندے حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السلام کی مندرجہ بالا و مذکورہ خدماتِ دینِ خدا اور فروغِ اسلام کے پیشِ نظر ۱۰ھ ہجری میں جب جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج سے واپس ہوئے تو مقامِ غدیرِ خم پر وارد ہوئے۔ مسلمانوں کا جمِّ غفیر آنحضرتؐ کے ہمراہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر سورۃ مائدہ پارہ ۶ کی آیت ۶۷: "یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ ..... الخ نازل فرمائی:

یعنی: "اے رسولؐ! پہنچا دو (میرے اُس حکم کو میرے بندوں تک) جو تم پر تمھارے پالنے والے مالک کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا حقِ رسالت کا کوئی کام انجام ہی نہیں دیا۔ اور اللہ لوگوں کے شر سے تمھاری حفاظت کرے گا۔"

چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے فوراً اس حکمِ الٰہی کی تعمیل کی۔ تمام منتشر لوگوں کو یکجا جمع ہوجانے کا حکم دیا، پھر ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے بعد اعلان کیا: "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ" یعنی: جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کا علیؑ بھی مولیٰ ہے۔"

اِس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ذریعے حضرت علیؑ کو جانشین و خلیفۂ رسولؐ کا منصب عطا فرما دیا۔ اس کے بعد وحی فرمائی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ۳)

یعنی : " آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمّل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا ، اور تمھارے لیے دینِ اسلام اپنا پسندیدہ دین قرار دے دیا "

حضرت علیؑ کی آنحضرتؐ کے سایۂ رحمت سے محرومی :

کتاب " مودّۃ القربیٰ " میں ہے کہ :

" حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ۲۸ صفر ۱۱ ہجری کو انتقال فرمایا ۔ حضرت علیؑ آپؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے ۔ حضرت عمر حضرت ابوبکر کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے ، جہاں اجماع کیا ، اور حضرت ابوبکر کو خلیفہ منتخب کیا گیا ۔ (جبکہ جناب رسولِ خداؐ نے اپنا خلیفہ حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کو بحکمِ خدا ۱۸ ذی الحجہ حجۃ الوداع ، مقامِ غدیرِ خم پر مقرّر فرما دیا تھا ۔ قرآن شاہد ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر قبلِ خاتم الانبیاءؐ ایسا انتخاب کسی نبیؑ کی اُمت نے نہیں کیا جیسا کہ آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کی اُمت نے کیا ۔)

(غیاث اللغات)

حضرت علیؑ اِس (انتخاب) کے دوران آنحضرتؐ کی تدفین سے فارغ ہو چکے تھے ۔ حضرت علیؑ (خلیفہ برحق) سے حضرت ابوبکر کی خلافت (خود ساختہ) پر بیعت کا مطالبہ کیا گیا جو آپؑ نے مسترد کر دیا اور فرمایا کہ حضرت رسولِ خداؐ مقامِ غدیر پر تمھاری موجودگی میں مجھ کو اپنا خلیفہ مقرّر فرما چکے تھے تو کس اصول کے تحت آنحضرتؐ کی مخالفت میں تم نے یہ کام انجام دیا ہے ، لیکن

حبِ دنیا اور جاہِ دنیا نے اُن کو مجبور کر دیا تھا، اپنی اس مجبوری کے تحت حضرت علیؑ سے بیعتِ ابوبکر کے لیے، اُمیدوار خلیفہ حضرت عمر نے پُر زور مطالبہ کیا، بیعت سے انکارِ مسلسل کے بعد "کھسیانی بلّی کھمبا نوچے" مقولہ کے پیشِ نظر حضرت عمر نے اپنے غلام اور چند ساتھیوں کی مدد سے بنتِ رسولؐ فاطمۃ الزہراؑ کے دروازے کو آگ لگادی، دروازہ توڑ ڈالا، جس سے فاطمۃ الزہراؑ شدید زخمی ہوگئیں، شکمِ مبارک میں اسقاطِ جنین ہوا، اور آپؑ ان زخموں کی تاب ضبط نہ کر سکیں، اور اسی صدمہ میں، انتقالِ رسولؐ کے ۷۵ دن کے اندر ہی آپؑ اپنے بابا جان کی خدمت میں جا پہنچیں۔

"اس طرح حضرت ابوبکر کے بعد کے اُمیدوار خلیفۃ المسلمین حضرت عمر نے اولادِ رسولِ اکرمؐ کا حقِ مودّۃ (جس کو اللہ نے اجرِ رسالت قرار دیا تھا) ادا کر دیا۔"

حضرت ابوبکر کی خلافت کا آغاز ہوا، تو پہلا مطالبہ اور حکمِ خلیفہ یہ ہوا کہ رسولِ خداؐ کی بیٹی کو باغِ فدک سے محروم کر دیا جائے، چنانچہ باغِ فدک بحقِ سرکار ضبط کر لیا گیا۔ حالانکہ رسولِ خداؐ نے باغِ فدک اپنی بیٹی کو خود ہبہ کر دیا تھا، لیکن حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ کے فیصلے کو یکسر مسترد کر دیا۔ گویا رسولِ خداؐ نے (معاذاللہ) اُمت کا حق اپنی بیٹی کو ہبہ کیا جو غلط تھا۔

ان ناگفتہ بہ حالات کے پیشِ نظر حضرت علیؑ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی لیکن وقتِ ضرورت، اُمت کی فلاح و بہبودی کے لیے خلفاء کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، یہاں تک کہ خلافت کے تین دور اسلام کی تقدیر کے چکر بن کر گذر گئے۔

اور ۳۵ ہجری میں تیسرے خلیفہ سے تختِ خلافت خالی ہو گیا۔

بالآخر اصحاب وغیرھم اس نتیجے پر پہنچے کہ عہدۂ خلافت حضرت علیؑ کو بلا شرط سونپ دیا جائے۔ حضرت علیؑ نے حجت تمام کرنے کے لیے اُن کی اِس درخواست کو قبول فرمالیا، لیکن افسوس کہ آپؑ کے پاس اختیاراتِ خلافت اُس وقت پہونچے جب لوگوں کی نیتیں فاسد اور انتظاماتِ ملکی اور اصولی حکومت کے متعلق اہلِ کار اور ماتحتوں کے دلوں میں حرص و طمعِ دنیا پیدا ہو کر راسخ ہو چکی تھی۔ اُنھوں نے اپنی حکومت جمانے کے لیے لوگوں کو دھوکہ وفریب دے کر اور مسلمانوں کا مال بے دریغ لُٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کر لیا تھا۔

(تاریخ التمدن الاسلام ص ۳۷ طبع مصر)

حضرت علیؑ نے صورتِ حال سے نمٹنے کی حد درجہ کوشش کی، عمالِ حکومت کو تبدیل کیا۔ عامل ہٹتے گئے اور اُن میں سے کچھ تو معاویہ کے پاس شام میں اور کچھ اُمّ المومنین حضرت عائشہ کے پاس مکہ میں جمع ہونے لگے۔ طلحہ اور زبیر مکہ جا کر ام المومنین سے جا ملے اور انتقامِ خونِ عثمان کی تحریک چلائی نتیجتاً جنگِ صفین، جنگِ جمل، جنگِ نہروان واقع ہوئیں، اور صفین کے سازشی فیصلے کے بعد حضرت علیؑ نے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کر لی۔

لیکن ایک خارجی عبدالرحمٰن ابنِ ملجم نے مسجدِ کوفہ میں نمازِ صبح کے دوران ۱۹ ماہ رمضان کو آپؑ کے سرِ اقدس پر زہر آلود شمشیر سے ایک ایسی ضرب لگائی کہ آپؑ ۲۱ ماہِ رمضان المبارک کو اِس دارِ فانی سے یہ کہتے ہوئے کوچ کر گئے کہ "فُزْتُ بِرَبِّ کَعْبَۃ"۔

ابن ملجم نے حضرت علیؑ کا کام تمام نہیں کیا بلکہ پوری ملتِ مسلمہ کو قتل کر ڈالا جس سے ملّتِ مسلمہ کا دھارا قیامِ قائمِ آلِ محمدؐ کے ظہور تک بدل گیا۔ "وما علینا الا البلاغ"۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ دعا بلند کرتے ہیں کہ اس کتاب کے فاضل مصنّف سیّد مراد علی جعفری صاحب کی اس سعی و کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے، اور موصوف کی تحریری صلاحیت میں اضافہ فرمائے، تاکہ آئندہ اس سے عظیم تر نگارشات قوم و ملّت کے سامنے پیش کر سکیں، اور ہمارے نوجوانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ ان نگارشات کا مطالعہ کر کے سیرتِ امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام اور دیگر ائمۂ اہلِ بیت معصومین علیہم السّلام کی سیرت پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو مولائے کائنات کا حقیقی شیعہ اور محب ثابت کرنے کے لیے ایسی سعی و کوشش کریں کہ جیسی سعی و کوشش کرنے کا حق ہے۔ جیسا کہ خود ربّ العزّت کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝"

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۹)

یعنی: "اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہو اور وہ اُس کے لیے ایسی سعی کرے جو کوشش و سعی کرنے کا حق ہے (پوری پوری سعی کرے لیکن وہ (سعی کرنے والا) مومن ہو، پس ایسے ہی لوگوں کی سعی قابلِ قدر (یا قابلِ شکر گذاری) ہے۔"

* احقر العباد *

سیّد غلام نقی رضوی : ۶ شعبان المعظّم سنہ ۱۴۱۹ھ ۲۶ نومبر سنہ ۱۹۹۸ء

مینیجنگ ٹرسٹی پاک محرّم ایجوکیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ) صدر پاک محرّم ایسوسی ایشن (رجسٹرڈ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولائے کائنات نے فرمایا !

تکلّموا تعرفوا

کلام کرو تاکہ پہچانے جاؤ

ادارۂ تحقیق دانش مشرق

بسم اللہ الرحمن الرحیم
علی
علیہ السلام
ادارۂ تحقیق دانش مشرق

حضرت علیؑ کا سوانحی خاکہ

اسمِ گرامی : حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

والد ماجد : ابو طالب علیہ السلام

والدۂ ماجدہ: جناب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا

مقامِ ولادت: جوفِ کعبۃ اللہ

تاریخ ولادت: ۳۰ء عام الفیل ۵۹۸ء یا ۶۰۰ء ۱۳ رجب جمعہ

القابات : امیر المومنین، امام المتقین، ولی المتقین، سید الصادقین، صدیق اکبر، فاروق الاعظم۔

کنیت : ابوالحسن، ابوالحسین، ابو محمد، ابوالریحانتین ابو تراب، ابوالسبطین۔

نسب مبارک: حضرت اسمٰعیلؑ کے فرزند قیدار کی نسل میں فہر تیسری صدی عیسوی میں مشہور گزرا فہر کا لقب قریش تھا۔ فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں قصی پیدا ہوئے قصی کے فرزند عبد مناف اور ان کے فرزند ہاشم۔ ہاشم کے بیٹے عبد المطلب کے ایک فرزند عبد اللہ کے صاحب زادہ حضرت محمدؐ مصطفٰے اور دوسرے بیٹے ابو طالبؑ کے فرزند علیؑ تھے۔

تعداد ازواج : سات ۷

تعداد اولاد : اکتیس ۳۱

ظاہری عہد خلافت: ۳۵ سنہ ہجری تا ۴۰ سنہ ہجری

جنگوں کی تعداد جسمیں آپ نے شرکت فرمائی: بتیس ۳۲

تاریخ شہادت:

۲۱ رمضان سنہ ۴۰ ہجری تریسٹھ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آفتاب امامت جو خانہ کعبہ سے طلوع ہوا تھا افقِ نجف میں غروب ہوگیا۔

مولائے کائنات
کا
نسب نامہ
مبارک

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ہجرت سے تقریباً ۲۷۹۳ (دو ہزار سات سو ترانوے) سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بحکم خدائے لم یزل ولا یزال سرزمین مکہ پر چھوڑ گئے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی مادر گرامی حضرت ہاجرہ کے ساتھ اسی زمین پر سکونت پذیر ہوئے پانی کی وجہ سے قبیلہ جرہم یہیں آکر آباد ہو گیا اور حضرت اسماعیلؑ نے اسی قبیلہ کی ایک خاتون کے ساتھ شادی کر لی۔ آپ کے بارہ فرزند پیدا ہوئے اور انہیں کی اولاد مکہ میں بڑھی، حضرت اسماعیلؑ کے فرزند قیدار کی نسل میں ایک شخص فہر نامی تیسری صدی عیسوی میں بہت مشہور گذرا ہے۔ فہر کا لقب قریش تھا اور مکہ میں انہیں کی اولاد قریش کہلائی۔ فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں قصی پیدا ہوئے۔ قصی کے بیٹے عبد مناف اور عبد مناف کے بیٹے ہاشم تھے۔ جناب ہاشم کے بیٹے عبد المطلب کے ایک فرزند

حضرت عبداللہ کے صاحبزادے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دوسرے بیٹے حضرت ابوطالب کے فرزند حضرت علی علیہ السلام تھے۔ جناب ہاشم کے دوسرے بیٹے کا نام اسد تھا۔ جن کی صاحبزادی جناب فاطمہ بنت اسد کی شادی حضرت ابوطالب سے ہوئی اور انہیں خاتون سے حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت علی علیہ السلام کے پدر بزرگوار حضرت ابوطالب بھی ہاشمی تھے اور آپ کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت اسد بھی ہاشمیہ تھیں۔ جناب ہاشم حضرت علی علیہ السلام کے پردادا بھی تھے اور پرنانا بھی تھے۔

ولادت باسعادت!

۳۰ عام الفیل ۵۹۸ء یا ۶۰۰ء میں جب کہ حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیس ۳۰ سال کے ہو چکے تھے۔ ۱۳ رجب بروز جمعہ خانہ کعبہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔

نام، کنیت اور القاب!

آپ کی والدہ گرامی نے آپ کا نام حیدر اور اسد رکھا۔ حضرت ابوطالب نے زید اور خداوند تعالیٰ نے علیؑ رکھا۔ آپ کی

مشہور کنیتیں ابوالحسن، ابوالسبطین، ابوالریحانتین اور ابوتراب ہیں۔ اور القابات صدیق اکبر، فاروق اعظم، امیرالمومنین، اسداللہ، المرتضیٰ، صفدر، حیدر کرار وغیرہ ہیں۔

شکل وصورت!

حضرت علی علیہ السلام کا رنگ گورا اور آنکھیں بڑی اور کشادہ تھیں، میانہ قد کے نہایت حسین وخوبصورت تھے۔

(اسد الغابہ)

زمانۂ طفلی!

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا کے حکم سے آپ کا نام علیؑ رکھا اور ابتدا ہی سے آپ کی تربیت کرتے رہے اور بہت دنوں تک اپنے لعابِ دہن سے غذا پہنچاتے رہے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام خود فرمایا کرتے تھے کہ

• شروع ہی سے رسولِ کریم نے میری تربیت اس طرح کی ہے اور مجھے علوم اس طرح بھرائے جس طرح کوئی طائر اپنے بچہ کو دانا بھراتا ہے۔

تصدیقِ اسلام!

حضرت علی علیہ السلام بچپنے ہی سے آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ رہے اور مزاجِ رسول اللہؐ سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے آپ نے تصدیق کی۔ اسی لئے آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ صدیق تین ہیں!

۱۔ مومن آلِ یاسین

۲۔ مومن آلِ فرعون — اور

۳۔ علیؑ ابن ابی طالب

اور ان میں سب سے افضل علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام خود بھی فرمایا کرتے تھے۔!

میں ہی صدیقِ اکبر ہوں

حضرت علیؑ کی خدمات!

حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے ساتھ رہ کر تین سال تک پوشیدہ طور سے اسلام اور رسولِ اسلام کی خدمت کرتے رہے اور رسولِ کریمؐ کے ساتھ ساتھ احکاماتِ الٰہی کی تعمیل کرتے رہے چنانچہ مورخ طبری جلد اوّل حصہ سوم میں لکھتے ہیں۔

" عفیف سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک مرتبہ مکہ آیا اور عباس عبدالمطلب کے یہاں مہمان ٹھہرا۔ جب آفتاب طلوع ہو کر آسمان پر پھیل گیا میں کعبہ کی طرف دیکھ رہا تھا، ایک جوان شخص وہاں آیا، اس نے آسمان کو دیکھا پھر کعبہ کی طرف بڑھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، فوراً ہی ایک لڑکا اس کے داہنی سمت آکر اسی طرح کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ہی ایک عورت آکر ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ اس جوان نے رکوع کیا، اس کے ساتھ لڑکے اور عورت نے بھی رکوع کیا۔ جوان نے سر اُٹھایا، ان دونوں نے بھی سر اُٹھایا، پھر وہ سجدہ میں گیا، وہ دونوں بھی سجدہ میں گئے۔ میں نے عباس سے کہا کہ یہ تو بڑی اہم بات ہے کہ ایسا ہو رہا ہے انہوں نے کہا بے شک جانتے ہو یہ کون ہیں؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے کہا یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب میرا بھتیجا ہے جانتے ہو اس کے ساتھ کون ہے؟ میں نے کہا نہیں جانتا انہوں نے کہا یہ علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب میرا بھتیجا ہے۔ اور اس عورت کو جانتے ہو جو دونوں کے پیچھے کھڑی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا یہ خدیجہ بنت خویلد میرے بھتیجے کی بیوی ہے۔ اور اس نے مجھ سے یہ کہا کہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمان کا رب ہے۔ اور اس بات کا جس کو کرتے ہوئے تم ان کو دیکھ رہے ہو ان کو اسی نے حکم دیا ہے اور خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ تمام روئے زمین پر اس مسلک پر ان تینوں کے علاوہ اور بھی کوئی ہے۔" (تاریخ طبری)

دعوت عشیرہ کا انتظام آپ ہی کے ذمہ تھا اور جب آنحضرتؐ نے سردارانِ قریش کے سامنے فرمایا کہ آج میری نبوت کی تصدیق کرے گا وہ میرا بھائی، وزیر، وصی اور خلیفہ ہوگا تو آپ ہی نے تصدیق فرمائی اور اسی وقت سے آنحضرتؐ کے جانشین اور خلیفہ قرار پائے۔ جب قریش نے حضرت ابُوطالب اور تمام بنی ہاشم سے تعلقات ترک کر دیئے اور حضرت ابُوطالب کو مجبوراً شعب ابوطالبؑ (پہاڑی) میں پناہ لینی پڑی اس وقت بھی حضرت علی علیہ السلام شمع رسالت کے پروانے بنے رہے طائف کے سفر میں بھی آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ رہے اور آنحضرتؐ کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ بعثت کا تیرھواں سال آگیا اور آخر بحکمِ خدا اور رسُولِ خدا شب ہجرت آنحضرتؐ کے بستر پر دشمنوں کے نرغہ میں رہ کر نہایت اطمینان سے سوئے اور رسُولِ کریم کے ساتھ جاں نثاری کا وہ ثبوت دیا جس کی نظیر ساری دُنیا میں نہیں مل سکتی۔ رسُولِ کریم کے پاس جو امانتیں تھیں ان کو قریش تک پہنچا کر پھر رسُولؐ اللہ کی خدمت میں مدینہ تشریف لائے اور یہاں سے آپ کی زندگی کا ایک دُوسرا دَور شروع ہُوا۔

سلہ ہجری

آنحضرتؐ جب کبھی بھی مہاجرین اور انصار اور مہاجرین کو ایک دُوسرے کا بھائی بنایا تو حضرت علیؑ ہی کو اپنا بھائی بنایا۔ چنانچہ سلہ میں

جب مواخاۃ قائم کی تو حضرت علیؑ ہی کو اپنا بھائی بنایا۔

سنہ ۲ ہجری

سنہ ۲ھ میں رسولؐ اللہ نے خدا کے حکم سے اپنی چہیتی اور اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی شادی حضرت علیؑ سے کر دی۔

جنگِ بدر

اسی سال جنگِ بدر ہوئی جس میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ اس جنگ میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قید کیے گئے۔ چھتیس کافر صرف حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس جنگ کا سہرا آپ ہی کے سر رہا۔

مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں لکھتے ہیں۔

"جنگِ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے"

جنگِ بدر سنہ ۲ ہجری میں ختم ہوئی لیکن اس کا تار و پود تاریخ میں سنہ ۶۰ ہجری تک نظر آتا ہے۔ یزید بن معاویہ بن ابو سفیان اپنے کفر و شرک کا اعلان سنہ ۶۰ھ میں اس طرح کرتا ہے !

حسین یوم عاشورہ یوم بدر کا بدلہ ہے۔ (یزید)

مختصر سی تفصیل پیشِ خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیے !

غزوۂ بدر مشرکوں اور کافروں سے مسلمانوں کی جنگ تھی جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ جنگِ بدر میں بنی اُمیہ شجر ملعونہ ابو سفیان

ابو السبطین
مالک روز جزاء
سید فی الدنیا والآخرۃ
قائد الغر المحجلین
یعسوب المومنین
صدیق اکبر
فاروق اعظم
خاتم الوصیین
امام البررہ
ولی اللہ
صفوۃ اللہ
صاحب اللواء

کی بیوی معاویہ بن ابوسفیان کی ماں اور یزید بن معاویہ کی دادی جگر خوارہ ہندہ کے کافر باپ "عتبہ" کافر بھائی "ولید" کافر چچا "شیبہ" اور کافر بیٹے "حنظلہ" کو حسینؑ کے باپ ابوطالبؑ کے بیٹے علیؑ نے قتل کر کے واصل بہ جہنم کیا تھا۔ لہٰذا ان مشرکوں اور کافروں کے قتل کا بدلہ فرزند رسولؐ، حسینؑ سے یزید نے سنہ ۶۰ ہجری میں حسین کو قتل کر کے، حسینؑ کے اٹھارہ سالہ فرزند علی اکبرؑ اور چھ ماہ کے معصوم بچے علی اصغرؑ کو قتل کر کے یوم عاشورہ لیا لیکن تاریخ نے پوری دیانت داری سے ان طلقاء بنی اُمیہ کے منحوس اور مکروہ چہرے سے نقاب اُلٹ دی ہے۔

جنگ اُحد

سنہ ۳ھ میں اُحد کے مقام پر مسلمانوں اور کفار قریش میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں ۲۲ یا ۳۰ کافر مارے گئے۔ جن میں ۱۲ کو صرف حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا۔ مسلمان حکم رسول اللہ کے خلاف مالِ غنیمت لوٹنے میں اس طرح مشغول ہو گئے کہ جب خالد بن ولید نے پلٹ کر حملہ کیا تو مسلمان حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور رسولِ کریمؐ کے پکارنے کے باوجود کوئی تو میدان کی طرف بھاگا کوئی پہاڑ کے غار میں پناہ ڈھونڈنے لگا۔ اور کوئی ایسا بھاگا کہ تین روز کے بعد مدینہ میں

آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن حضرت علیؑ حمایت اور حفاظت رسول اللہ میں جمے رہے اور جب آنحضرتؐ نے پوچھا کہ

" یا علی تم کیوں نہ بھاگے " ؟

تو آپ نے جواب دیا کہ

" خدا کے رسولؐ ! آپ پہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا "

اس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کی تلوار ٹوٹ گئی تو آنحضرتؐ نے آپ کو ذوالفقار عطا فرمائی ، پھر آپ اس طرح کفارِ قریش سے لڑے کہ ہاتفِ غیبی نے آواز دی !

" لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار "

یعنی ! علیؑ جیسا کوئی بہادر نہیں اور ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں ۔

سنہ ۴ ہجری

جنگِ اُحد کے بعد ابوسفیان بن حرب نے ایک شخص کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ کفارِ قریش کے ساز و سامانِ جنگ سے مسلمانوں کو ڈرائے ۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مقامِ بدر تک گئے مگر کفارِ قریش نہیں آئے ۔ اس لشکر کے بھی علمبردار حضرت علی علیہ السلام ہی تھے ۔

سنہ ۵ ھجری

غزوہ بنو مصطلق

عرب کے ایک مشہور قبیلہ بنی مصطلق نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تو ۲ر شعبان سنہ ۵ ھ کو آنحضرتؐ مسلمانوں کا ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ اس غزوہ میں بھی حسب سابق اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت علی علیہ السلام ہی تھے۔

غزوہ خندق

اسی سال جنگ خندق ہوئی اور تمام قبائل عرب نے ایک ساتھ ہو کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ آنحضرتؐ نے مدینہ کے کنارہ خندق کھدوا کر مسلمانوں کی حفاظت فرمائی۔ لیکن عرب کا ایک مشہور بہادر پہلوان عمرو بن عبدود خندق پار کر کے مسلمانوں کے قریب آگیا اور للکار کر آنحضرتؐ کو پکارا۔ اصحاب رسولؐ میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس بہادر کا مقابلہ کرتا۔ آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں جانے کی دعوت دی، مگر بجز حضرت علی علیہ السلام کوئی تیار نہ ہوا۔ آخر حضرت علیؑ روانہ ہوئے۔

اس وقت خدا کے رسولؐ نے فرمایا!

" برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ "

یعنی !

کُل ایمان کُل کفر کے مقابلہ میں جاتا ہے۔

حضرت علیؑ نے عمرو عبدود اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور باقی تمام کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔
حضرت علی علیہ السلام جب کفر و ایمان کا معرکہ سر کر کے پیغمبر اسلام کی خدمت میں باریاب ہوئے تو آنحضرتؐ نے انہیں سینے سے لگایا اور ان کی عظیم خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا !

" ضربۃ علیؑ یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین "

(مستدرک حاکم جلد ۳ ص۳۲)

یعنی !
خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت جن و انس کی عبادت پر بھاری ہے۔

حضرت علی علیہ السلام
کی
شخصیت کے چند پہلو

= آپؑ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ شرف ہے جو کہ آدمؑ سے لے کر آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہو گا۔

= حضرت علیؑ کی دُنیا میں سب سے پہلی غذا لعابِ رسول ہے۔ جو رسولِ اکرمؐ کی زبان چُوس کر حاصل کیا۔

= حضرت علیؑ کی تربیت پیغمبر آخر الزماں کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔

= دعوت ذوالعشیرہ کا اہتمام رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ کے سپرد کیا۔

= شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ پہ حضرت علیؑ سوئے۔

وقتِ ہجرت رسولِ خدا نے اہلِ مکہ کی امانتوں کا امین حضرت علیؑ کو بنایا۔

= مسجد قبا کا سنگِ بنیاد حضرت علیؑ نے رکھا۔

= جنگِ اُحد میں ہاتف نے مژدہ سُنایا؛

"لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار"

= جنگِ خندق میں رسولِ اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو کلِ ایمان کہا۔

= حضرت علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے بہتر قرار پائی۔

= حضرت علیؑ تمام صحابہ سے زیادہ عالم تھے۔

= حضرت علیؑ خطیبِ منبرِ سلونی تھے۔ رسولؐ علم کا شہر اور آپ اس کے دروازے تھے۔

= رسولِ اکرمؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؑ کے شوہر تھے۔

= بوقتِ مباہلہ آپؑ نفسِ رسول قرار پائے۔

= حضرت علیؑ دس ہزار سے زیادہ مشرکوں کو قتل کیا۔

= رسولِ خداؐ کی نبوت کے عینی گواہ حضرت علیؑ تھے۔

= حضرت علیؑ کئی علوم کے موجد تھے۔

= حضرت علیؑ فرشتوں کی آواز سنتے تھے۔

= جنگِ خیبر میں حضرت علیؑ کو کرارِ غیر فرار کے معزز لقب سے ہمارے رسولؐ نے نوازا۔

= حضرت علیؑ کو رسولِ خداؐ نے کبھی کسی لشکر کا ماتحت نہیں بنایا۔

= شبِ معراج خدا نے اپنے رسولؐ سے علیؑ کے لہجہ میں کلام کیا۔

= حضرت علیؑ سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی سخی نہیں ہوا۔

- حضرت علیؑ جتنا فصیح و بلیغ دُنیا میں پیدا نہیں ہُوا۔
- حضرت علیؑ تمام مسلمانوں سے سات برس پہلے رسُولؐ کے ساتھ نماز پڑھنے والے تھے۔
- آپؑ رسُولِ خدا کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے۔
- آپؑ سب سے بہتر فیصلے کرنے والے تھے۔
- آپؑ نے کبھی کسی بُت کی پرستش نہیں کی، اسی لئے مسلمان آپؑ کو کرم اللہ وجہہٗ کہتے ہیں۔
- آپؑ نے کبھی کسی جنگ میں شکست نہیں کھائی۔
- جنگِ بدر کی فتح آپ کی شخصیت کا نتیجہ تھی۔
- جنگِ اُحد میں سب مسلمان آپؑ کو چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن حضرت تنہا جنگ کرتے رہے۔
- جنگِ خیبر میں سب شکست کھا کر بھاگ گئے تو رسُولِ خدا نے فرمایا کل ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرّار و غیر فرار ہے۔ خدا اور رسُولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسُولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو علم ملا۔
- صُلح حدیبیہ میں ایمانِ کامل کے ساتھ آپ نے صُلح نامہ لکھا۔

عہدِ نبویؐ کے غزواتؑ

اور

مولائے کائنات

امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ

امیر المومنین کا پہلا دور (قبل از ہجرت رسولؐ)

دعوت عشیرہ کا انتظام حضرت علی علیہ السّلام کے ذمہ تھا آنحضرتؐ نے سردارانِ قریش کے سامنے فرمایا کہ!

آج جو میری نبوت کی تصدیق کرے گا

وہ میرا بھائی، وزیر، وصی اور خلیفہ ہوگا

تو حضرت علی علیہ السّلام نے تصدیق فرمائی اور اسی وقت سے آپؑ، آنحضرتؐ کے جانشین اور خلیفہ قرار پائے۔

جب قریش نے حضرت ابوطالب اور تمام بنی ہاشم سے تعلقات ترک کر دیئے اور حضرت ابو طالبؑ کو مجبوراً شعب ابو طالب (پہاڑی گھاٹی) میں پناہ لینی پڑی اس وقت بھی مولائے کائنات شمع رسالت کے پروانے بنے رہے۔

طائف کے سفر میں بھی آنحضرت کے ساتھ ساتھ رہے اور رسولؐ اللہ کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ بعثت کا تیرھواں سال آگیا اور آخر بحکم خالق دو جہاں اور رسولؐ اللہ شب ہجرت آنحضرتؐ کے بستر پر دشمنوں کے نرغہ میں رہ کر نہایت اطمینان سے سوئے اور رسولؐ اکرم کے ساتھ جاں نثاری کا فقید المثال کارنامہ انجام دیا۔

رسولؐ اللہ کے پاس جو امانتیں تھیں اُن کو قریش تک پہنچا کر حضرت رسولؐ اکرم کی خدمت میں مدینہ تشریف لائے۔

یہاں سے مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا دوسرا مرحلہ (دور) شروع ہوا۔

امیر المومنینؑ کا دوسرا دور!

سنہ ۱ ہجری!

آنحضرتؐ نے جب کبھی بھی مہاجرینؓ یا انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تو حضرت علیؑ ہی کو اپنا بھائی بنایا۔ چنانچہ سنہ ۱ ہجری میں جب مواخاۃ کی تو حضرت علیؑ ابن طالبؑ ہی کو اپنا بھائی بنایا۔

سنہ ۲ ہجری!

۲ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم سے اپنی پارہ جگر اور اکلوتی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا ؑ کی شادی حضرت علی ؑ کے ساتھ کر دی!

اب عہد رسالت کے چند مشہور غزوات کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ ایک طرف جنگوں کا دفاعی پہلو اجاگر کیا جا سکے اور دوسری طرف ان غزوات کے فاتح و علمبردار حضرت علی ؑ کی مثالی خدمات اور فقید المثال شجاعت و ولولہ سے شریک ہونے پر روشنی پڑ سکے۔

مولائے کائنات غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں پورے جوش اور عدیم النظیر شجاعت و ولولہ سے شریک جہاد رہے اور اپنی خداداد قوت سے دشمنوں کے پرے الٹے مگر تاریخ کے اوراق پر یہ ثبت کر دیا کہ کسی مرحلہ پر نہ اخلاقی قیود کو توڑا اور نہ اسلامی حدود سے تجاوز فرمایا۔ چنانچہ نہ کسی عورت اور بچے پر ہاتھ ڈالا اور نہ ہی کسی بھاگنے والے کا پیچھا کیا نہ کسی زخمی پر ہاتھ ڈالا۔ اور نہ ہی کسی کی پردہ دری کی۔ اور تاریخ آدم و عالم کے اوراق پر ایسی مثالیں چھوڑ گئے۔ جنہیں ہمیشہ دین خدا اسلام کی اصول پرستی، صلح پسندی اور امن دوستی کے ثبوت میں فخریہ پیش کیا جاتا رہے گا۔

غزوہ بدر

سنہ ۲ ہجری ہی میں!

قریش مسلمانان مکہ کے درپے ایذا تو تھے ہی۔ ہجرت کے بعد انصار مدینہ بھی ان کے عتاب کی زد میں آگئے۔ انہوں نے انصار

مدینہ پر یہ فردِ جرم عائد کی کہ انہوں نے رسولؐ اسلام کو اپنے شہر میں پناہ دے کر نہ صرف ان کی حمایت و حفاظت کا ذمّہ لیا ہے بلکہ دین اسلام کی روز افزوں ترقی کا بھی سامان فراہم کر دیا ہے۔ قریش جس دین کو اپنے ہاں پھیلتا پھولتا نہ دیکھ سکے تھے وہ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ اسے کہیں اور ترقی، عروج اور فروغ حاصل ہو۔ اور مسلمان ان کی قاہرانہ گرفت سے نکل کر آزادانہ سانس لیں۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے معاشرتی و روایتی آداب و رسوم کے تحفظ کے لئے اس نئے دین کو پروان چڑھنے نہ دیں گے۔ اور مسلمانوں کیخلاف اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک انہیں صفحہ ہستی سے مٹا نہ دیں یا دین اسلام سے دستبردار ہونے پر مجبور نہ کر دیں۔ چنانچہ قرآن مجید ان کے عزائم کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے!

"ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا"

یعنی!

یہ کفار ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔

یہود مدینہ نے اگرچہ رسولؐ اللہ کی آمد پر ان سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو وہ دشمن کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ مگر پیغمبر اکرمؐ کی بڑھتی ہوئی طاقت اور قوّت کو دیکھ کر انہیں خود اپنا اقتدار خطرہ میں نظر آیا تو انہوں نے قریش سے رابطہ کر لیا اور قریش نے بھی ان سے گٹھ جوڑ کر کے ایک مشترکہ محاذ بنا لیا اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں چنانچہ فتنہ اور باہم آویزی

کو ہوا دینے کے لئے کرز ابن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہوں پر حملہ کر دیا اور اہل مدینہ کے مویشی ہنکار کر اپنے ساتھ لے گیا آنحضرت نے وادئ سفوان تک اس کا پیچھا کیا مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ ان لوگوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جائے تاکہ بروقت ان فتنہ انگیزیوں کا تدارک کیا جاسکے اس دیکھ بھال کے لئے آنحضرتؐ نے عبداللہ ابن جحش کو چند آدمیوں کے ہمراہ نخلہ کی جانب روانہ کیا جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مشہور جگہ تھی جب یہ لوگ نخلہ میں وارد ہوئے تو قریش کا ایک قافلہ جو طائف سے مال تجارت لے کر آرہا تھا قیام پذیر ہوا۔ عبداللہ ابن جحش کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص واقد ابن عبداللہ تمیمی نے عمرو ابن الحضرمی کو تیر مار کر ہلاک کر دیا اور عثمان ابن عبداللہ اور حکم ابن کیسان کو گرفتار کر لیا گیا۔ عبداللہ ابن جحش ان دونوں اسیروں اور قافلہ کے مال و متاع کو سمیٹ کر مدینہ چلے آئے یہ واقعہ چونکہ ماہ رجب کی آخری تاریخ میں ہوا تھا جس میں جنگ و قتال ممنوع ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے عبداللہ ابن جحش کو سرزنش کی اور دونوں اسیروں کو آزاد اور قافلہ کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اگرچہ یہ ایک انفرادی فعل تھا جو پیغمبرؐ کی اجازت کے بغیر سرزد ہوا مگر اس سے قریش کو جنگ چھیڑنے کا بہانہ مل گیا اور انہوں نے ابن الحضرمی کے قصاص کا ڈھنڈورا پیٹ کر جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ طے کیا کہ ابوسفیان کی واپسی پر مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے۔ ابوسفیان تجارتی قافلہ لے کر شام گیا ہوا تھا۔ اور اسے واپسی پر مدینہ کی طرف سے گزرنا تھا کیونکہ

مدینہ قریش کے قافلوں کی گذر گاہ تھا۔ ادھر اہل مکہ اس کی واپسی کے منتظر تھے کہ اس نے شام سے پلٹتے ہوئے اہل مکہ کو ضمضم ابن عمرو غفاری کے ذریعے یہ غلط اور شر انگیز پیغام بھیجا کہ مسلمان دھاوا بول کر مال تجارت لوٹنا چاہتے ہیں لہذا تم جنگی ہتھیاروں کے ساتھ نکل کھڑے ہو۔ قریش پہلے ہی سے جنگ کے لئے آمادہ تھے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ادھر ابو سفیان نے عام راستہ چھوڑ کر ساحل سمندر کا راستہ اختیار کیا اور پانچ دن میں جدہ اور جدہ سے تین دن میں مکہ پہنچ گیا جب قریش کا لشکر بدر کے قریب پہنچا تو اسے قافلہ کے صحیح و سالم پہنچنے کی اطلاع ملی۔ بنی زہرہ کے چند آدمیوں نے کہا کہ قافلہ تو آچکا ہے اب جنگ کی کیا ضرورت ہے ہمیں واپس پلٹ جانا چاہیئے مگر ابوجہل جنگ سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔

ابوجہل کی ضد اور ہٹ دھرمی سے صاف ظاہر ہے کہ قریش کے پیش نظر قافلہ کا بچاؤ نہ تھا بلکہ وہ ہر حالت میں جنگ چھیڑنا اور اہل مدینہ کو تاخت و تاراج کرنا چاہتے تھے چنانچہ قریش کی اس روش کو دیکھ کر بنی زہرہ واپس چلے آئے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

مدینہ میں یہ خبر تو عام ہو چکی تھی کہ ابو سفیان کا قافلہ بار بردار اونٹوں پر سامان تجارت لاد کر ادھر سے گزرے گا مگر اس کے ساتھ یہ خبریں بھی پہنچ رہی تھیں کہ لشکر قریش پورے جنگی ساز و سامان کیساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہا ہے۔ مسلمان کم اور پھر بے سرو سامانی کے عالم میں تھے اور قریش کے مسلح و منظم فوج سے دو بدو ہو کر لڑنے سے بچنا چاہتے تھے اور رہ رہ کر ان کی نظریں رہگزر کیطرف

اٹھتی تھیں کہ ابوسفیان سے مڈبھیڑ ہو جائے تو بہتر ہے ایک تو گنتی کے چند آدمیوں کا مقابلہ دشوار نہ ہوگا اور دوسرے مال فراواں آسانی سے ہاتھ لگے گا قرآن اس کی شہادت دیتے ہوئے کہتا ہے۔

قرآن!

«واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انہا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم»

یعنی! جب اللہ نے تمہیں اطلاع دی کہ کفار کے دو گروہوں میں سے ایک سے تمہارا سامنا ہوگا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ جو قوت و طاقت نہیں رکھتے وہ تمہارے حصہ میں آئے۔

"عام طور پر مورخین نے بنی امیہ کے ہواخواہوں کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے یہ تحریر کر ڈالا ہے کہ رسولؐ اسلام ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے ارادہ سے نکلے تھے مگر کاروان تجارت کے بجائے اچانک لشکر قریش کا سامنا ہوگیا اور جنگ چھڑ گئی۔ بے شک بعض لوگوں کی نظریں مال پر تھیں اور وہ قافلہ لوٹنا چاہتے تھے مگر تاریخ نگاروں کی یہ ستم ظریفی ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرم کو بھی اس میں شریک کر لیا اور صرف کارروان کو لوٹنا ہی اس مہم کا مقصد قرار دے دیا۔

چنانچہ محمد ابن اسمٰعیل بخاری تک نے یہ روایت لکھ دی کہ

«انما خرج رسولؐ اللہ یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینہم و بین عدوہم علی غیر میعاد»

(صحیح بخاری جلد ۳ ص ۳)

یعنی! رسول اللہ تو قریش کے تجارتی قافلہ کے ارادے سے نکلے

تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ناگہانی طور پر ان کا اور ان کے دشمنوں کا سامنا کر دیا۔"

یہ نظریہ قرآنی تصریحات کے خلاف ہے قرآن کریم میں واقعات بدر کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے۔

"کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکارھون یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون"

یعنی! جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں حق کے ساتھ گھر سے باہر بھیجا اس حالت میں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ سے ناگواری محسوس کر رہا تھا اور حق کے ظاہر ہونے کے بعد حق کے بارے میں تم سے جھگڑ رہا تھا گویا ان کی آنکھوں کے سامنے انہیں موت کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔"

اگر رسولؐ اسلام کا یہ اقدام کارواں کو لوٹنے کی غرض سے ہوتا تو یہ مسلمانوں کی خواہش کے عین مطابق تھا لہٰذا کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ قافلہ سے دوچار ہونے سے گھبراتے، لڑنے بھڑنے سے پہلوتہی کرتے اور یہ سمجھتے کہ وہ موت کے منہ میں دھکیلے جارہے ہیں جب کہ ابوسفیان کے قافلہ میں چالیس سے زیادہ افراد نہ تھے اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے اوپر تھی یہ خوف و ہراس اور احساس ناگواری ہو سکتا ہے تو قریش کے لشکر سے جن کے دفاع کی سکت اپنے اندر نہ پاتے تھے قرآن حکیم کے اس بیان کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ آنحضرتؐ کارواں کے تعاقب میں نہیں نکلے تھے بلکہ قریش کی پیش قدمی کی خبر سن کر صف آرا

ہوئے تھے۔ چنانچہ مولائے کائنات، امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ!

"وکان النبیّ یتخبر عن بدر فلما بلغنا ان المشرکین قد اقبلوا اسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بدر وبدر بئر فسبقنا المشرکین الیها۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صد ۱۳۳)

یعنی! پیغمبرؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے جب ہمیں معلوم ہوا کہ مشرکین آگے بڑھ آئے ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بدر کی جانب روانہ ہوئے بدر ایک کنوئیں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین (قریش) سے پہلے پہنچ گئے یہ کفر و اسلام کے درمیان پہلا معرکہ رونما ہونے والا تھا۔ مسلمان اسلحہ جنگ کے لحاظ سے کمزور اور کفار کی متوقع تعداد کے مقابلہ میں کم تھے اس لئے پیغمبرؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضروری خیال کیا کہ انصار و مہاجرین کا عندیہ معلوم کریں کہ وہ کہاں تک عزم و ثبات کے ساتھ دشمن کا دفاع کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے استفسار پر لوگوں نے مختلف جوابات دیئے ان میں کچھ ہمّت شکن تھے اور کچھ ہمت افزاء، صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے جواب پر آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ مقداد ابن اسود نے پیغمبرؐ کے چہرے پر تکدر کے آثار دیکھے تو کہا یا رسولؐ اللہ ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا۔

"اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون"

یعنی! تم جاؤ اور تمہارا خدا اور تم ہی دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں اس ذات گرامی کی قسم جس نے آپ کو خلعت رسالت پہنایا ہے ہم آپ

کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہو کر لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو فتح و نصرت عطا فرمائے اس جواب سے پیغمبرؐ کا تکدر جاتا رہا اور آپؐ نے مقداد کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر انصار کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ سعد ابن معاذ انصاری نے بڑی گرم جوشی سے کہا کہ یا رسول اللہ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں اور اطاعت کا عہد و پیمان کیا لہذا ہم آپؐ کے ساتھ ہیں اگر آپؐ سمندر میں کودیں گے تو ہم آپؐ کے ساتھ کودیں گے اور کوئی چیز ہماری راہ میں حائل نہ ہوگی آپؐ اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوں ہم میں سے کوئی ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔
پیغمبر اسلام اس جواب پر انتہائی خوش ہوئے۔

اور فرمایا!

"واللہ لکانی انظر الی مصارع القوم"

(تاریخ طبری جلد ۲ صد ۱۴۰)

یعنی! خدا کی قسم اب میں دشمن کے گرکر مرنے کی جگہوں کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

پیغمبرؐ اسلام تین سو تیرہ آدمیوں کی ایک مختصر جمعیت کے ساتھ جن میں ۷۷ مہاجر اور باقی انصار تھے مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور چاہ بدر سے کچھ فاصلہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ اندیشہ تو تھا ہی کہ کہیں دشمن اچانک حملہ نہ کر دے یا رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر شب خون نہ مارے آپؐ نے پیش بندی کرتے ہوئے حضرت علیؑ، سعد ابن ابی وقاص اور زبیر ابن عوام کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر دشمن کا ٹھوڈ ٹھکانا معلوم کریں اور دیکھیں کہ وہ یہاں سے کتنے فاصلہ پر ہیں یہ تینوں حضرات دیکھتے

بھاگتے ہوئے چاہ بدر تک پہنچ گئے وہاں چند آدمیوں کو دیکھا جو انہیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت علیؑ نے تعاقب کر کے ان میں سے دو غلاموں کو پکڑ لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ صحابہ کرام ان کو دیکھتے ہی ان کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھا تم کون ہو؟ کہا کہ ہم قریش کے سقّے ہیں انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا ہے۔ صحابہ کرام نے قریش کا نام سنا تو ان کے تیور بگڑ گئے اور مار پیٹ کر ان سے یہ کہلوانا چاہا کہ وہ قریش کے غلام نہیں ہیں بلکہ ابوسفیان کے آدمی ہیں انہوں نے ڈر کے مارے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نماز میں مشغول تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ وہ سچ بولتے ہیں تو تم انہیں مارتے ہو اور جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ یہ قریش ہی کے بھیجے ہوئے ہیں پھر آنحضرت نے ان سے پوچھ گچھ کی تو انہوں نے ابوسفیان کے قافلہ سے لاعلمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ قریش کا لشکر یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر ہے آنحضرتؐ نے پوچھا کہ لشکر کی تعداد کیا ہے؟ کہا کہ ہمیں تعداد کا صحیح علم نہیں ہے البتہ کبھی نو اور کبھی دس اونٹ نحر کئے جاتے ہیں فرمایا کہ پھر ان کی تعداد نو سو سے لے کر ایک ہزار تک ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے نمایاں و سرکردہ افراد کون کون ہیں؟

انہوں نے چند سرداران قریش کے نام لئے آنحضرتؐ نے فرمایا!

یعنی! مکّہ نے تو اپنے جگر پاروں کو میدان میں لا انڈیلا ہے۔

قریش کی آمد کی خبر سن کر لشکر اسلام نے حرکت کی اور چاہ بدر کی جانب روانہ ہو گیا۔ لشکر قریش وادی بدر کے آخری کنارے پر ریت

کے ایک ٹیلے کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ ان کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے ان کیساتھ تھے اور نیزوں اور تلواروں کی کوئی کمی نہ تھی اس کے برعکس مسلمانوں کی تعداد کم اور وہ سامان جنگ کے لحاظ سے انتہائی کمزور تھے ان کے پاس اسلحہ جنگ میں سے چند تلواریں اور گنتی کی چند زرہیں تھیں اور باربرداری اور سواری کے لئے ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے اور جہاں پڑاؤ ڈالا تھا وہاں زمین کی حالت یہ تھی کہ اس پر پیر رکھتے تھے تو دھنس جاتے تھے مگر اللہ کی کارسازی آڑے آئی اور رات کو خوب بارش ہوئی جس سے ریت بھی جم گئی اور پینے کے لئے پانی کی بھی فراوانی ہو گئی۔ اس قدرتی تائید سے مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی دل بڑھ گئے اور پوری مجاہدانہ سرجوشی کے ساتھ دشمن سے ٹکرانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

ابن اثیر طبری اور دوسرے مورخین نے واقعات بدر کے سلسلے میں یہ روایت درج کی ہے کہ جب پیغمبر اسلام وادی بدر میں وارد ہوئے تو سعد ابن معاذ نے کہا یا رسول اللہ ہم کھجور کی شاخوں کا ایک چھپّر ڈال دیتے ہیں آپ اس میں قیام فرمائیں اس چھپّر کے قریب آپ کی سواری موجود رہے گی اگر ہم دشمن پر غالب آئے تو بہتر اور اگر ہمیں شکست سے دوچار ہوتے دیکھیں تو آپ سواری پر بیٹھ کر مدینہ واپس چلے جائیں وہاں ہماری قوم کے لوگ موجود ہی ہیں وہ آپ کے سینہ سپر رہیں گے۔ اگر انہیں یہ گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ سے واسطہ پڑے گا۔ تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ آنحضرت نے سعد کے حق میں دعائے خیر کی اور چھپر بنانے کی اجازت دے دی اور اس میں قیام فرما ہوئے۔

اگر روایات کی جانچ پرکھ میں روایت کو دخل ہے تو آنکھ بند
کرکے اس روایت کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نہ واقعات
بدر سے اس کی تائید ہوتی ہے اور نہ سیرت رسولؐ ہی سے سازگار ہے
اوّل تو یہی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کھجوروں کی اتنی شاخیں کہاں سے
لائی گئیں جن سے چھپر مرتّب ہوا۔ جب کہ بدر کے آس پاس کہیں کھجور
کے درخت تھے ہی نہیں!

چنانچہ ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے۔

لاعجب من امر العریش من این کان لهو اومعهم من سعف النخل
ماینبون به عریشا ولیس تلک الارض اعنی ارض بدر ارض نخل»

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۳)

یعنی! مجھے عریش (چھپّر) کے معاملہ میں بڑی حیرت ہے کہ کھجور
کی اتنی شاخیں جن سے چھپر بنایا گیا کہاں سے مہیّا کی گئیں۔ جب کہ بدر
کی سرزمین پر کھجور کے درخت ہوتے ہی نہ تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مدینہ سے لاد کر ساتھ لائے تھے تو یہ بھی بعید
ہے کیونکہ بار بردار سواریوں کی پہلے ہی کمی تھی اور نہ وہاں سے چلتے وقت
چھپّر کے تعمیر کرنے کا انہیں کوئی خیال تھا اس کے علاوہ پیغمبرؐ اسلام کی
سیرت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ ہر مرحلہ پر مسلمانوں کے ساتھ ان کے کام
میں شریک ہوتے تھے خواہ وہ معمولی سے معمولی کام کیوں نہ ہوتا چنانچہ
مسجد کی تعمیر اور جنگ احزاب میں خندق کی کھدائی تک میں حصّہ لیا اور
ان کی قیادت و سربراہی کا تقاضا بھی یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ
سرگرم عمل رہیں اس لئے کہ اگر قائد شریک عمل نہ ہو تو سعی و عمل کا ولولہ

مضمحل ہو جاتا ہے اور اس کی شرکت سے جوش و سرگرمی بڑھ جایا کرتی ہے اور جنگ میں تو کامیابی کا انحصار ہی جوش و لولہ اور قوّت معنوی پر ہوتا ہے پھر کیونکر یہ تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر ان کے جوش و ولولہ اور عزم اور ہمّت کو ڈھارس دینے کے بجائے عافیت کوش بن کر ایک گوشہ میں بیٹھ جانا گوارا کیا ہو گا اور صرف یہی نہیں بلکہ شکست کی صورت میں بقیۃ السّیف کو نرغہ اعدا میں چھوڑ کر اپنے فرار کا راستہ ہموار کر لیا ہو گا۔ حالانکہ اسی جنگ کی کامیابی سے مسلمانوں کی عزت و عظمت اور ان کا قومی و ملّی تحفظ وابستہ تھا۔ واقعات بدر شاہد ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام نے لشکر کی صف بندی کی۔ میمنہ و میسرہ ترتیب دیا۔ موقع محل کے مطابق جنگ کے احکام صادر کئے دشمن کے قتل ہو ہو کر گرنے کے مقامات کی نشاندہی کی اور ایک ماہر و آزمودہ کار سپہ سالار کی طرح فوج کی کمان کی۔

علامہ طبری نے تحریر کیا ہے!

"روئی رسول اللہ فی اثر المشرکین یوم بدر مصلتا السیف یتلوا هذہ الآیۃ: "سیھزم الجمع ویولون الدبر۔

(تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۱۷۲)

یعنی! بدر کے دن پیغمبرؐ اکرم تلوار علم کئے مشرکوں کا پیچھا کرتے دیکھے گئے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔

"عنقریب لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر چل دے گا"

یہ تمام امور لشکر سے علیحدہ رہ کر اور ایک چھپّر میں بیٹھ کر انجام

نہیں دیئے جا سکتے۔ ان امور کی انجام دہی اور فتح و کامرانی کی پیش گوئی کے بعد جو یقیناً وحی الٰہی کی بنا پر تھی فرار کا سامان مہیّا رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضؓ نے بھی آنحضرت کی سرگرمی و سرجوشی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے۔

"لما ان کان یوم بدر وحضر الناس اتقینا برسول اللہ فکان من اشد الناس باسا وما کان منا احد اقرب الی العدو منہ

(تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۱۳۵)

یعنی! جب بدر کا دن آیا اور لوگ حاضر ہوئے تو ہم رسولؐ اللہ کے دامن میں پناہ لیتے تھے آپؐ کا دبدبہ سب لوگوں سے زیادہ تھا اور وہ ہم سب کی بہ نسبت دشمن سے زیادہ قریب تھے۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت چھپّر کا گوشہ منتخب کرنے یا شکست کی صورت میں فرار کی سبیل ڈھونڈ رکھنے کے بجائے لشکر میں شامل تھے۔ اور کسی خوف و خطر کا احساس کئے بغیر دشمن کی صفوں سے قریب تر تھے اس روایت کا آخری ٹکڑا کہ!

"اگر مدینہ میں رہ جانے والوں کو یہ گمان کہ آپ کو جنگ سے سابقہ پڑے گا تو وہ گھروں میں بیٹھے نہ رہتے۔"

اس روایت کی کمزوری کا آئینہ دار ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں میں واضح طور پر کہا گیا ہے۔

کہ گھروں سے نکلتے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ ناگواری محسوس کر رہا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے

اگر انہیں جنگ کا ساگمان نہ تھا تو یہ خوف و اضطراب کس بناء پر تھا اور وہ کیوں ڈرے سہمے جا رہے تھے۔

قریش کے لشکر میں کچھ افراد ایسے بھی تھے جن کا رویہ پیغمبرؐ کے ساتھ زیادہ معاندانہ نہ رہا تھا اور وہ کفر کے باوجود کچھ نہ کچھ آنحضرتؐ کا پاس و لحاظ کرتے تھے اسی طرح کچھ لوگ اسلام لا چکے تھے اور ابھی تک اعلان اسلام نہ کیا تھا یہ لوگ جنگ میں شریک ہونا نہ چاہتے تھے مگر قریش ان کو کھینچ تان کر اپنے ساتھ لے آئے تھے آنحضرتؐ نے ضروری خیال کیا کہ جنگ چھڑنے سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں لشکر اسلام کو متنبہ کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم میں سے کچھ افراد اگرچہ لشکر کفار میں شامل ہیں مگر وہ ہم سے جنگ و مخاصمت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لہذا تم سے کوئی ابوالنجرق بن حارث، عباس ابن عبدالمطلب یا کسی ہاشمی کو دیکھے تو قتل نہ کرے اس لئے کہ وہ جبراً لائے گئے ہیں"

پیغمبرؐ اسلام کے اس اعلان پر بعض لوگ تلملائے اور ناگواری کا احساس کئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ ابو حذیفہ ابن عتبہ نے آنحضرتؐ سے کہا ہم اپنے ماں باپ بیٹے بھائیوں کو اور عزیزوں کو تہ تیغ کر دیں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم اگر میں ان سے دو بدو ہوا تو انہیں قتل کئے بغیر نہیں رہوں گا۔

پیغمبرؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ سنتے ہو یہ ابو حذیفہ کیا کہہ رہا ہے کیا میرے چچا پر تلوار چلائے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔

"یارسولؐ اللہ دعنی فلا ضرب عنقہ فواللہ لقد نافق"

یعنی! یارسول اللہ مجھے اجازت دیجیئے میں تلوار سے ان کی گردن مار دوں خدا کی قسم یہ منافق ہے۔

اس ضروری ہدایت کے بعد فوج کی صفیں اور میمنہ و میسرہ کو ترتیب دے کر انصار کا علم سعد ابن عبادہ کو اور مہاجرین کا رایت علیؑ ابن ابی طالب کو دیا۔

ابن کثیر نے تحریر کیا ہے!

"دفع النبیؐ الرایۃ یوم بدر الی علیؑ وھو ابن عشرین سنۃ

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۲۲۳)

یعنی! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے دن رایت جنگ علیؑ کو دیا اور اس وقت آپؑ کی عمر بیس برس تھی۔

دشمن بھی صفیں باندھے ہتھیار سنبھالے میدان میں اتر آیا اور عتبہ ابن ربیعہ اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید قریش کی صفوں سے نکل کر مبارز طلب ہوئے، مسلمانوں کے لشکر سے عوف بن حارث، معوذ ابن حارث اور عبداللہ ابن رواحہ مقابلہ کے لئے نکلے۔

عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟

کہا کہ ہم انصار مدینہ ہیں۔

عتبہ نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا کہ تم ہمارے ہم رتبہ نہیں ہو واپس جاؤ اور آنحضرت سے مخاطب ہو کر کہا

"یا محمد اخرج الینا اکفاءنا من قومنا"

یعنی! اے محمدؐ ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر لوگوں کو بھیجئے جو ہماری قوم میں سے ہوں۔ یہ تینوں اپنی صفوں میں واپس آ گئے۔

آنحضرتؐ نے جب قریش کی یہ متمردانہ ذہنیت دیکھی کہ وہ انصار کو اپنا حریف و مدمقابل نہیں سمجھتے تو ان کی جگہ عبیدہ ابن حارث، حمزہؓ ابن عبدالمطلب اور علیؑ ابن ابی طالب کو بھیجا۔ عتبہ کا مطالبہ تو یہ تھا کہ ان کے مقابلہ میں قریش آئیں مگر پیغمبرؐ اسلام نے نہ صرف قریش بلکہ عبدالمطلب کے جگر پاروں کو منتخب کیا تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ پیغمبرؐ اکرم نے اپنے قریبوں اور عزیزوں کو روکے رکھا اور دوسروں کو جنگ کے شعلوں میں جھونک دیا۔ حالانکہ حضرت عبیدہ ستر سال کے ضعیف تھے اور حضرت علیؓ ابھی نوخیز تھے اور پہلی مرتبہ ایک نبرد آزما کی حیثیت سے میدان کارزار میں اترے تھے جب عتبہ کو یہ معلوم ہوا کہ علیؓ، حمزہؓ اور عبیدہؓ لڑنے کے لئے آئے ہیں تو کہا کہ یہ برابر کا جوڑ ہے حضرت عبیدہؓ عتبہ سے حضرت حمزہؓ شیبہ سے اور علیؓ ولید سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے آگے بڑھے ولید نے تلوار سونت کر حملہ کرنا چاہا مگر حضرت علیؓ نے ایک تیر مار کر اسے بے بس کر دیا۔ اور اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حملہ کر سکے تیر کھاتے ہی اپنے باپ عتبہ کے دامن میں پناہ لینے کے لئے دوڑا مگر فرزند ابوطالب نے اس طرح گھیر اڈالا کہ جان توڑ کوشش کے باوجود تلوار کی زد سے بچ نہ سکا اور باپ کی گود میں پہنچنے سے پہلے موت کی آغوش میں سو گیا۔ جب امیرالمومنینؑ ولید کے قتل سے فارغ ہوئے تو مسلمانوں نے پکار کر کہا کہ اے علیؓ، شیبہ آپ کے چچا حمزہ پر چھایا جا رہا ہے حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ دونوں آپس میں گتھے ہوئے ہیں تلواریں کند ہو چکی ہیں اور ڈھال کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں آپؑ نے بڑھ کر شیبہ

پر وار کیا اور تلوار سے اس کا سر اڑا ڈالا اب حضرت علیؑ اور جناب حمزہؓ عتبہ کی طرف بڑھے جو جناب عبیدہؓ سے نبرد آزما تھا۔ دیکھا کہ عبیدہ، عتبہ سے گھائل ہو کر تاب مقاوت کھو چکے ہیں قریب تھا کہ عتبہ تلوار لے کر جھپٹے اور انہیں شہید کر دے کہ حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؓ کی تلواریں چمکیں اور اس کا لاشہ خاک و خون میں تڑپتا نظر آنے لگا حضرت عبیدہؓ شدید زخمی ہو چکے تھے حضرت علیؑ اور جناب حمزہؓ دونوں نے مل کر انہیں اٹھایا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے۔ پیغمبرؐ نے دیکھا کہ عبیدہ کا پیر کٹ چکا ہے اور پنڈلی کی ہڈی سے گودا بہہ رہا ہے آپؐ نے عبیدہؓ کے سر کو زانو پر رکھا آنکھوں سے آنسو آگئے جو عبیدہ کے چہرے پر گرے، انہوں نے آنکھیں کھول کر پیغمبرؐ کی طرف دیکھا اور کہا یا رسولؐ اللہ کیا میں شہیدوں میں محسوب ہوں گا؟ فرمایا کہ ہاں آپؓ شہیدوں میں شمار ہوں گے۔

عبیدہ نے کہا کاش! آج ابو طالب زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے ان کی بات کو جھوٹا نہیں ہونے دیا۔ ؎

ونسلمه حتیٰ نصرع دونه

ونذهل عن ابنائنا و الحلائل

یعنی! ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں جب تک لڑتے ہوئے ان کے سامنے مر جائیں اور بیوی بچوں کی یاد سے غافل کر دیئے جائیں"۔

عبیدہ میدان بدر سے پلٹتے ہوئے وادی روحاء یا صفراء میں انتقال فرما گئے اور وہیں دفن ہوئے۔

قریش کے ان مانے ہوئے سورماؤں کے قتل سے کفار پر خوف و ہراس چھا گیا۔ ابوجہل نے ان کی ہمت کو پست دیکھا تو چیخ چیخ کر انہیں ابھارنے اور دم دلاسا دے کر ان کی ہمت افزائی کرنے لگا۔ طعیمہ ابن عدی کو جوش آیا اور وہ فیل مست کی طرح جھومتا ہوا نکلا حضرت علیؓ نے اس پر نیزہ مارا جس سے وہ سنبھل نہ سکا لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور کچھ دیر ایڑیاں رگڑنے کے بعد دم توڑ دیا۔

حضرت نے فرمایا!

"واللہ لا یخاصمنا فی اللہ بعد الیوم ابدا"

(اعلام الوریٰ صہ ۸۹)

یعنی! خدا کی قسم آج کے بعد یہ کبھی اللہ کے بارے میں ہم سے جنگ و خصومت پر نہ اترے گا۔"

طعیمہ کے بعد عاص ابن سعید ہتھیار سجا کر میدان میں اترا حضرت علیؓ نے اسے بھی تلوار کی ضرب سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر عبداللہ ابن منذر اور حرملہ ابن عمر گرجتے دندناتے ہوئے نکلے اور دونوں ہی حضرت علیؓ کی تلوار سے لقمہ اجل بن گئے اسی طرح حنظلہ پیچ و تاب کھاتا ہوا نکلا۔ حضرت علیؓ نے اس کے سر پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ چلایا کہ اس کا سر دو پارہ ہو گیا، آنکھیں حلقہ ہائے چشم سے باہر آگئیں اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا حنظلہ ابوسفیان کا بیٹا اور معاویہ کا بھائی تھا، اس سے پہلے اس کا نانا عتبہ اور ماموں ولید حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے جا چکے تھے چنانچہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں جب معاویہ نے انہیں جنگ کی دھمکی دے کر مرعوب کرنا چاہا تو آپؓ نے معاویہ

کو اس کے بھائی، نانا اور ماموں کا انجام یاد دلاتے ہوئے تحریر فرمایا تھا
"فانا ابو الحسن قاتل جدک و خالک و اخیک شدخا یوم البدر"
(نہج البلاغہ)
یعنی! میں (کوئی اور نہیں) وہی ابو الحسنؑ ہوں جس نے تمہارے نانا عتبہ تمہارے ماموں ولید اور تمہارے بھائی حنظلہ کے پرخچے اڑا کر بدر کے دن مارا تھا۔"
کفار قریش کے ان نامی گرامی شخصیتوں کے قتل ہو جانے سے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور اکیلے دوکیلے میدان میں اترنے سے خوف زدہ ہوگئے انہوں نے سمجھ لیا کہ اس طرح ایک ایک کر کے میدان میں نکلتے رہے تو کوئی بھی علی رضؑ شیر خدا کی تلوار سے بچ کر زندہ نہ پلٹے گا اور ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتر جائیں گے اب انہوں نے جنگ مغلوبہ کے لئے بڑھنا شروع کیا مسلمانوں نے ان کی بڑھتی ہوئی یلغار دیکھ کر قدم آگے بڑھانا چاہا، مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ صفوں کو درہم برہم نہ کریں اور قریش کے حملہ کو تیروں سے روکیں اور خود بارگاہ احدیت میں دست بدعا ہوکر عرض کی۔
"اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض اللھم انجزلی ما وعدتنی"
(تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۸۷)
یعنی! بارالہا! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔

پروردگار! اپنے وعدہ نصرت کو پورا کر۔"
پھر نیند کی ایک جھپکی لی اور آنکھیں کھول کر فرمایا خدا کا شکر ہے اس نے میری دعا قبول فرمائی اور ہماری امداد کے لئے فرشتے بھیج دیئے۔
چنانچہ ارشاد رب العزت ہے!
"اذ یستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین"
یعنی! جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے اس نے تمہاری دعا قبول کی اور جواب دیا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے جو پے در پے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا۔"
جب قریش تیروں کے جواب میں تیر برساتے ہوئے لشکر اسلام کے قریب آئے تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دم حملہ کر کے دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ چنانچہ ایک ساتھ تلواریں بے نیام ہوئیں کمانیں کڑکیں۔ تیر رہا ہوئے اور ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی بوچھاڑ سے میدان جنگ گونج اٹھا۔ مسلمان تلواریں چلاتے صفوں کو چیرتے اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ آخر حضرت علیؓ اور جناب امیر حمزہؓ کے پرزور حملوں سے کافروں کے قدم ڈگمگا گئے اور اس طرح تتر بتر ہوئے جس طرح شیر کے حملہ آور ہونے پر بھیڑیں تتر بتر ہوتی ہیں۔
سعید کہتے ہیں!
"رایت علیاً یوم بدر یحمحم کما یحمحم الفرس ویقول

الشعر نما دجع حتی خضب سیفہ دما۔

(کنز العمال جلد ۵ ص ۲۷۰)

یعنی! میں نے بدر کے دن علیؓ کو لڑتے دیکھا ان کے سینہ سے گھوڑے کے ہنہنانے کی سی آواز نکل رہی تھی اور برابر رجز پڑھتے جاتے تھے اور جب پلٹے تو ان کی تلوار خون سے رنگین تھی۔"

اس معرکہ کارزار میں نوفل ابن خویلد جو پیغمبرؐ اسلام کا انتہائی دشمن تھا حضرت علیؓ کے سامنے سے گذرا۔ آپؑ کے سامنے سے گذرا تو آپؑ نے اس کے سر پر تلوار ماری جو خود کو کاٹتی ہوئی سر کو توڑتی ہوئی جبڑے تک اتر آئی اور پھر دوسرا وار اس کی ٹانگوں پر کیا جس سے اس کے دونوں پیر کٹ گئے۔

آنحضرتؐ اس دشمن دین کے قتل ہونے سے خوش ہوئے اور فرمایا! کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری دعا کو شرف قبولیت بخشا۔

جنگ آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ کفار کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ابو جہل، اس کا بھائی عاص ابن ہشام اور دوسرے سردار تہ تیغ ہو چکے تھے دشمن شکست کی آخری منزل پر پہنچ گیا۔ زوال آفتاب کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنا مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا اور انہیں قتل کرنے کے بجائے پکڑ پکڑ کر اسیر کرنا شروع کر دیا تاکہ ان کے عوض قریش سے زر فدیہ حاصل کر سکیں سعد ابن معاذ نے جب دیکھا کہ مسلمان کفار کو تہ تیغ کرنے کے بجائے زندہ گرفتار کر رہے ہیں تو وہ مسلمانوں کی حرکت پر پیچ و تاب کھانے لگے اور اتنے کبیدہ خاطر ہوئے کہ اپنی ناگواری کو چھپا نہ سکے۔ پیغمبر نے ان

کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو فرمایا !

"کیا مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل تمہیں برا معلوم ہوتا ہے"

عرض کیا کہ !

"یارسول اللہ اول وقعۃ اوقعھا اللہ بالمشرکین کان الاثخان احب الی من استقباء الرجال۔

(تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۸۸)

یعنی ! یارسول اللہ یہ پہلا معرکہ تھا جس میں اللہ نے مشرکوں کو شکست دلائی ہے ان لوگوں کو زندہ چھوڑ دینے کے بجائے انہیں اچھی طرح کچل دینا مجھے زیادہ پسند تھا۔

ستر کفار کے لاشے میدان میں بکھرے پڑے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان لاشوں کو چاہ بدر میں پھنکوا دیا اور انہیں مخاطب کرکے کہا کہ

"میں نے اپنے پروردگار کے وعدے کو سچا پایا ہے کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے"۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یارسولؐ اللہ آپ مردوں سے باتیں کرتے ہیں کیا مردے بھی سنا کرتے ہیں فرمایا!

ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکنھم لایستطیعون ان یجیبونی۔

(تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۹۰)

یعنی ! وہ تم سے زیادہ میری بات سنتے ہیں جواب دینے سے البتہ عاجز ہیں۔"

ان امور سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ مال غنیمت ایک جگہ پر جمع کر دیا جائے یہ حکم بعض طبیعتوں پر گراں گذرا۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے

کہ دستور عرب کے مطابق جو جس نے لوٹا ہے وہ اسی کے پاس رہے
مگر پیغمبرؐ اسلام نے اس کی اجازت نہ دی اور تمام مال غنیمت کو یکجا کر کے
عبداللہ ابن کعب کی نگرانی میں دے دیا اور اسیران جنگ کو حراست میں
لے کر مدینہ روانہ ہو گئے جب وادیٔ صفراء میں پہنچے تو آپؐ نے مال غنیمت
شرکاء جنگ پر مساوی تقسیم کر دیا یہ کام مدینہ پہنچ کر بھی انجام دیا جا سکتا
تھا مگر ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے صبر آزما انتظار سے بچنے کے لئے جلدی
کی ہو اور آپؐ نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ اسے یہیں تقسیم کر دیا جائے جب
مدینہ پہنچے تو آپؐ نے ان اسیروں کو مختلف لوگوں کے ہاں ٹھہرایا اور ان
سے حسن سلوک کی ہدایت فرمائی چنانچہ جب تک مسلمانوں کی تحویل میں
رہے ان سے بہتر سے بہتر سلوک کیا جاتا رہا جس کا بعض اسیروں نے خود
بھی اعتراف کیا اور پھر ان قیدیوں میں جو صاحب حیثیت تھے۔ ان
سے فدیہ لے کر اور جو نادار تھے انہیں ویسے ہی آزاد کر دیا۔ آنحضرت
کی بعثت کے وقت قریش میں صرف سترہ آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے
تھے۔ آپؐ نے اس کمی کو محسوس فرماتے ہوئے ان لوگوں سے جو مالی
اعتبار سے کمزور اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے یہ طے کیا کہ وہ مدینہ کے
دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں اور اس کے عوض انہیں رہا کر دیا
جائے گا۔ ان اسیران بدر کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرتؐ
نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؑ سے مشورہ کیا کہ انہیں
قتل کیا جائے یا ان سے مالی معاوضہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ
نے یہ مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینا چاہیئے اور حضرت
عمرؓ نے اس رائے کے خلاف رائے دیتے ہوئے کہا!

"لاوا للہ ما اری الذی رای ابو بکر ولکنی اری ان تمکنی من فلان فاضرب عنقہ وتمکن حمزۃ من اخیہ فیضرب عنقہ وتمکن علیاً من عقیل فیضرب عنقہ"۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۱۶۹)

یعنی! خدا کی قسم مجھے ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے آپ مجھے حکم دیں کہ میں فلاں کی گردن اڑادوں اور حمزہؓ سے کہیئے کہ وہ اپنے بھائی (عباس) کی گردن ماردیں اور علیؓ سے کہیئے کہ وہ عقیل کو قتل کردیں۔"

آنحضرتؐ نے اپنے (اجتہاد) سے کام لے کر حضرت عمرؓ کے مشورہ پر عمل کرنے کے بجائے حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ کو ترجیح دی اور فدیہ لے کر اسیروں کو رہا کردینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس فیصلہ کے دوسرے دن حضرت عمرؓ پیغمبرؐ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابو بکر دھاروں دھاروں رو رہے ہیں حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یارسولؐ اللہ آپؐ دونوں کیوں رو رہے ہیں اگر رونے کی کوئی وجہ ہے تو اس رونے دھونے میں شریک ہوجاؤں۔ فرمایا کہ فدیہ کے قبول کرنے پر مجھے عذاب منڈلاتا نظر آیا ہے جو اس درخت سے بھی زیادہ نزدیک تھا (اور ایک درخت کی طرف اشارہ کیا) اور یہ تہدید آمیز آیت نازل ہوئی ہے!

"ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاٰخرۃ واللہ عزیز حکیم لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم ۝"

یعنی! نبی کو نہیں چاہیئے کہ اچھی طرح خون ریزی کئے بغیر لوگوں

کو قیدی بنائے تم لوگ مال دنیا چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی بھلائی چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو تم جو کچھ سمیٹتے اس پر تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس فدیہ ہی کے نتیجہ میں دوسرے سال جنگ احد میں رسولؐ اللہ کے ستر صحابی شہید ہوئے ستر اسیر کئے گئے آنحضرتؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرہ اور سر زخمی ہوا اور آپؐ کے اصحاب آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کو صحابہؓ سے مشورہ لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی کیا قرآن مجید میں اسیروں کے بارے میں کوئی ہدایت موجود نہ تھی؟ ایسا تو نہیں ہے بلکہ قرآن پاک میں واضح طور پر جنگی اسیروں کے احکام اور ان سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کرنے کی تعلیم موجود ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے۔

"واذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداءحتی تضع الحرب اوزارھا

یعنی! جب تم کافروں سے لڑو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب انہیں زخموں سے چور چور کرو تو ان کی مشکیں کس لو۔ پھر ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دو یا معاوضہ لے کر رہا کر دو یہاں تک کہ دشمن جنگ کے ہتھیار رکھ دے۔"

یہ سورہ محمدؐ کی آیت کریمہ ہے جو بالاتفاق جنگ بدر سے پہلے

نازل ہوئی لہذا جب اسیروں کے بارے میں پہلے سے حکم آچکا تھا کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے یا ان سے فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے تو پیغمبرؐ اسلام نے اس حکم قرآنی کے پیش نظر جب کچھ لوگوں سے فدیہ لے لیا اور کچھ لوگوں کو یونہی چھوڑ دیا اور کچھ لوگوں کو تعلیم کتابت کے عوض آزاد کر دیا ہے۔ تو اس پر عتاب کیوں اور عذاب کی دھمکی کس جرم کی پاداش میں ظاہر ہے کہ اس نص صریح کے ہوتے ہوئے صحابہ سے مشورہ لینا اور پھر اپنے اجتہاد سے کام لے کر ایک کا مشورہ قبول کر لینا اور ایک کا مشورہ مسترد کر دینا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ جب کہ پیغمبرؐ اسلام کا وظیفہ ہی یہ ہے کہ وہ وحی الٰہی پر عمل پیرا ہو اور اس کے مقابلہ میں کسی کے مشورہ ورائے پر عمل پیرا ہونے کا جواز ہو تو وحی الٰہی کی ضرورت اور افادیت ہی ختم ہو جاتی ہے باقی رہا حضرت عمرؓ کا یہ مشورہ کہ حمزہؓ سے کہئے کہ وہ عباسؓ کو قتل کریں اور علیؓ سے کہئے کہ وہ عقیل کی گردن ماریں، خدا جانے پیغمبرؐ اکرم نے اس کا کیا جواب دیا جب کہ وہ میدان جنگ میں بنی ہاشم اور عباس کو قتل کرنے سے منع کر چکے تھے اور اللہ جانے کہ حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ کیسے دیا جب کہ وہ ابوحذیفہ کو جب اس نے عباسؓ کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا منافق کہہ چکے تھے۔ کیا حضرت عمرؓ کے ذہن سے یہ دونوں باتیں اتر چکی تھیں یا میدان جنگ میں تو ان کا قتل ناجائز تھا اور اب جائز ہو گیا تھا۔ کیسے ؟

اگر اس روایت کی بناء پر یہ فرض کر لیا جائے کہ فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے عذاب منڈلاتا نظر آتا تو پیغمبرؐ اسلام اس عذاب کی جھلک

دیکھنے کے بعد اس فدیہ کو مسترد کر دیتے جب کہ یہ واقعہ فدیہ قبول
کرنے کے دوسرے دن کا بتایا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ان قیدیوں کے
پاس فدیہ زر موجود تو نہ تھا کہ انہوں نے فوراً ادا کر کے رہائی حاصل کر
لی ہو گی بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے منگوانے اور حاصل کرنے میں
ڈیڑھ ماہ یا دو ماہ کا عرصہ لگ گیا تھا۔ اور پھر احد کی ہزیمت صحابہ کے
فرار اور ستر مسلمانوں کے شہیدوں کو اس فدیہ کی پاداش قرار دینا ایک
عجیب سی بات ہے یہ سزا تو انہیں ملنا چاہیئے تھی جنہوں نے یہ رقم فدیہ
لی تھی کیا اس سے عدل الٰہی پر حرف نہیں آتا کہ جرم کوئی کرے اور سزا
کوئی بھگتے ۔ بہر حال یہ روایت موضوع ہے اور بظاہر اس کے گڑھنے کا
مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ احد میں صحابہ کے فرار کو قدرت کی طرف سے
ایک طے شدہ امر قرار دے کر ان کے فرار عن الزحف کے جرم کو ہلکا
کر کے دکھایا جائے اس طرح کہ یہ فرار اس جرم کی پاداش میں تھا جس میں
معاذ اللہ خاکم بدہن پیغمبرؐ اسلام بھی شریک تھے اور وہی فدیہ قبول کر
کے اس فرار و ہزیمت کا باعث ہوئے تھے لہٰذا اس میں بھاگنے والوں
کا کیا قصور نہ پیغمبرؐ اسلام فدیہ وصول کرتے اور نہ صحابہ کے میدان
چھوڑنے کی نوبت آتی اور ساتھ ہی فدیہ کی خاطر مشرکوں کو زندہ ہی
گرفتار کرنے کی کارروائی کو اس طرح ڈھانپ دیا جائے کہ آیت تہدیدی
لہجے کا رخ پیغمبرؐ اکرم کی طرف مڑ جائے کہ انہوں نے اجتہادی غلطی
کے نتیجہ میں فدیہ لینے پر رضامندی ظاہر کی جس پر قدرت نے اپنا
عذاب دکھایا اور تنبیہ کے لئے آیت نازل فرمائی ۔ حالانکہ آیت میں پیغمبر
اسلام پر عتاب کا شائبہ تک نہیں ہے بلکہ ان لوگوں پر عذاب ہے جنہوں

نے فدیہ بٹورنے کے لئے مشرکوں کو قتل کرنے کے بجائے اسیر بنایا۔ چنانچہ آیت کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ اکرم کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کفر کی طاقت کو کچلنے اور اس کا زور توڑنے سے پہلے کافروں کو گرفتار کرنے لگے مگر تم نے دنیوی مفاد کی خاطر پکڑ دھکڑ شروع کردی تاکہ زرفدیہ حاصل کرسکو۔ بے شک تمہیں فدیہ لینے کی اجازت دی جاچکی ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دشمن کا قلع قمع کرنے میں کوتاہی کی جائے اور فدیہ کی خاطر ہاتھ روک لیا جائے اور مال کی جمع آوری ہی کو جہاد کا مقصد قرار دے لیا جائے چنانچہ شاہ ولی اللہ نے صحابہ ہی کو مورد عتاب سمجھتے ہوئے تحریر کیا ہے!

"کان میلھم الی الفداء مخالفا لما احبه الله من قطع دابر الشرک فعوتبوا ثم عفی عنھم"

(حجتہ اللہ البالغہ جلد ۲ صد ۵۷۳)

یعنی! صحابہ فدیہ لینے کی طرف مائل تھے اور یہ اللہ کی پسندیدہ چیز کے خلاف تھا۔ اللہ تو یہ چاہتا تھا کہ شرک کی جڑ کٹ جائے۔ اسی وجہ سے ان پر عتاب ہوا اور پھر انہیں معاف کردیا گیا۔

مال و دولت کی ہوس یوں تو انسان کی طبعی کمزوری ہے مگر جہاں ایک طرف دین کے استحکام اور دشمنان دین کے استحصال کا سوال ہو تو دوسری طرف مالی مفاد کو نظر انداز کردینا ہی دین کا بنیادی تقاضا ہے مگر مال و زر کی ہوس عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اسلام کے بعد بھی اس دیرینہ ذہنیت میں تبدیلی نہ ہوئی تھی اور اس کا مظاہرہ ایسے مواقع پر ہوتا رہا ہے چنانچہ ابتدا میں قریش کے لشکر سے بھڑنے اور اس کی

نکر کرنے کے بجائے ابو سفیان کے کاروان کی جستجو میں رہے جو شام سے لدا پھندا ہوا آرہا تھا اور جنگ کے خاتمہ پر اپنے سمیٹے ہوئے مال پر اپنا حق جتانے بیٹھ گیا لوٹنے والے کہتے ہیں کہ ہماری ملکیت ہے اور لڑنے والے کہتے ہیں کہ یہ ہماری وجہ سے ملا ہے اس لئے ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں اور اسی دولت کے لالچ میں آکر کفار کا استحصال کرنے سے پہلے انہیں پکڑ پکڑ کر قیدی بنانے لگے جس پر سعد ابن معاذ انصاری نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا اور رسولؐ اللہ سے کہا کہ کافی خونریزی سے پہلے کفار کو اسیر بنانا مجھے قطعاً پسند نہیں ہے حضرت عمرؓ نے بھی اگرچہ مشرکوں کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا مگر اس وقت کہ جب انہیں اسیر بنا کر مدینہ لایا جا چکا تھا اور ان کے قتل کا کوئی موقع و محل نہ رہا تھا۔ چنانچہ نہ تو قرآن میں ہے اور کسی حدیث میں کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد اسیروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور نہ آیت کا عتاب اس بناء پر تھا کہ ان سے فدیہ لینے کے بجائے انہیں قتل کیوں نہ کر دیا گیا، بلکہ وجہ عتاب یہ تھی کہ میدان جنگ میں پوری خونریزی سے پہلے انہیں اسیر کیوں کیا گیا اور اب جب کہ انہیں اسیر بنایا جا چکا تھا تو سورہ محمدؐ کی آیت کی رو سے ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینا عین منشائے الٰہی کے مطابق تھا۔

اب اس غزوہ میں جو اسلام کا پہلا غزوہ تھا کفار کو بری طرح زک اٹھانا پڑی۔ ان کے ستر آدمی قتل اور ستر اسیر ہوئے اور باقی ماندہ افراد نے راہ فرار اختیار کر کے اپنی جانیں بچائیں مسلمانوں میں سے صرف چودہ آدمی شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔

مولائے کائنات امیر المومنینؓ کی تلوار سے ہلاک ہونے والوں
کی تعداد بتیس تھی یعنی جتنی تعداد کل مسلمانوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئی
اتنی ہی تعداد تنہا حضرت علیؓ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوئی خصوصاً سرداران
قریش شیبہ، ولید، حنظلہ، نوفل ابن خویلد، عاص ابن سعید، مغیرہ ابن
ولید وغیرہ۔ حضرت علیؓ کے مقتولین کی تعداد اس امر کی شاہد ہے کہ آپؓ
نے نہ مال غنیمت سمیٹنے کی فکر کی اور نہ اسیر بنانے کے لئے بھاگنے
والوں کا پیچھا کیا بلکہ ہمہ تن دشمنان دین کے استحصال اور کفر و شرک
کی بیخ کنی میں لگے رہے اور شجاعت و فنی مہارت کا وہ فقید المثال مظاہرہ
کیا جس سے دشمن کے دلوں پر اسلام کی قوّت و برتری کی ہمیشہ کے لئے
دھاک بیٹھ گئی اور مسلمانوں کے لئے فتح و کامرانی کی راہیں ہموار ہوگئیں
اگر اس مرحلہ پر مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو وہ کفار کے مقابلہ میں
مرعوبیت کا شکار ہو جاتے اور یہ احساس شکست انہیں دشمن سے
ٹکرانے اور میدان جنگ میں اترنے سے پست ہمت بنا دیتا اور مایوسی
اور کم ہمتی کا نتیجہ شکست و ہزیمت کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے مگر
فتح بدر کے نتیجہ میں مسلمان ایک بڑی طاقت سمجھے جانے لگے اور اسی
شہرت نے مسلمانوں کو فاتحین کی صف اوّل میں لا کھڑا کیا بلاشبہ تمام اسلامی
فتوحات اس فتح و کامرانی کا نتیجہ و ثمر ہے اور یہ فتح جو حق و صداقت
عدل و انصاف اور عزم و عمل کی فتح تھی علیؓ کے دست و بازو کی رہین
منت ہے اور انہیں کے سر اس کامیابی و کامرانی کا سہرا ہے۔ یہ جنگ
روز جمعہ ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں واقع ہوئی۔

۶۰ ہجری میں یزید بن معاویہ بن ابو سفیان اپنے کفر و شرک کا

اعلان اس طرح کرتا ہے۔ غور فرمائیے!

حسینؑ یوم عاشورہ یوم بدر کا بدلہ ہے۔ (یزید)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا! غزوہ بدر مشرکوں اور کافروں سے مسلمانوں کی جنگ تھی جس میں بنوامیہ شجر ملعونہ ابوسفیان کی بیوی معاویہ بن ابوسفیان کی ماں اور یزید کی دادی جگر خوارہ کے کافر باپ

"عتبہ"

کافر بھائی "ولید"

کافر چچا "شیبہ"

اور کافر بیٹے "حنظلہ"

کو حسینؑ کے باپ ابوطالب کے بیٹے "علیؑ" نے قتل کر کے واصل جہنم کیا تھا۔

_____ لہذا ___ ان مشرکوں اور کافروں کا بدلہ ___

فرزند رسولؐ اسلام حسینؑ سے یزید نے _____________

___ حسینؑ کو قتل کر کے _____________

___ حسینؑ کے اٹھارہ سالہ فرزند علی اکبرؑ ___ اور ___

چھ ماہ کے معصوم بچے _________ علی اصغرؑ _________

کو قتل کر کے یوم عاشورہ لیا۔ تاریخ نے پوری دیانت داری سے ان طلقاء بنی امیہ کے منحوس اور مکروہ چہرے سے نقاب الٹ دی ہے۔

غزوہ احد

بدر میں قریش کے ستر نامور سورما مارے گئے۔ ستر اسیر کئے گئے اور باقی ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس شکست فاش سے مکہ کی فضاء میں ایک سکون سا پیدا ہو گیا تھا یہ سکون عارضی اور سمندر کی اس خاموش سطح کی مانند تھا جس کے نیچے طوفانی لہریں موجزن ہوں یا اس خاموش آتش فشاں کے مانند تھا جس کے اندر ہی اندر لاوا سلگ رہا ہو اور زمین کی تہوں اور چٹانوں کو چیر کر پھوٹ نکلنے کے لئے بے قرار ہو۔ قریش کے دلوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑی ہوئی تھی اور سینوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اور اس خیال سے کہ کہیں جوش انتقام سرد نہ پڑ جائے۔ مقتولین بدر پر رونے سے منع کر رکھا تھا اور یوں بھی عرب کا دستور تھا کہ عورتیں اس وقت تک اپنے مقتولین پر نہ روتی تھیں جب تک ان کا انتقام نہ لے لیا جاتا تھا۔ اس ضبط گریہ جانی اور مالی نقصان شکست و ہزیمت کی شرمندگی اور انتقامی جذبہ نے انہیں فیصلہ کن جنگ لڑنے پر ابھارا۔ ابو سفیان جو قیادت و سربراہی کے خواب دیکھ رہا تھا اسے ابو جہل اور دوسرے سرگردہ افراد کے مارے جانے سے آگے آنے کا موقع مل گیا۔ اس نے عوام کے جذبات کو متاثر کرنے کے لئے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک سر میں تیل نہیں لگاؤں گا جب تک قریشیوں کے کشتوں کا بدلہ نہیں لے لوں گا۔ چنانچہ ذی الحجہ ۲ ھجری کو

دوسو کی ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ پر تاخت و تاراج کے ارادہ سے
نکل کھڑا ہوا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو قبیلہ انصار کے دو آدمیوں
کو جو کھیتوں میں کام کر رہے تھے قتل کر دیا اور کھجوروں کے ایک باغ
میں آگ لگا دی۔ پیغمبر اکرمؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے مقام کدر تک اس کا
تعاقب کیا مگر وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ حملہ ایک بڑے حملے کی تمہید تھا جس کی تیاری بدر کے بعد سے
کی جا رہی تھی اور عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان بن امیہ، عبداللہ ابن ربیعہ
اور دوسرے سرکردہ لوگوں نے گزشتہ سال کی تجارت کا مشترکہ منافع
جو پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹوں کی شکل میں تھا اور ابھی
تک شرکاء میں تقسیم نہیں ہوا تھا۔ جنگی مصارف کے لئے مخصوص کر دیا
تاکہ مالی اعتبار سے مضبوط ہو کر مسلمانوں سے جنگ لڑی جا سکے۔ چنانچہ
قرآن مجید میں ان کے بارے میں ارشاد ہے۔

ان الذین کفروا ینفقون اموالهم لیصدوا عن
عن سبیل اللہ فسینفقونها ثم تکون علیهم حسرة ثم
یغلبون والذین کفروا الی جهنم یحشرون۔

یہ کفار اپنے مال کو اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے
لوگوں کو خدا کی راہ سے روک دیں یہ عنقریب اسے خرچ کریں گے پھر
یہی مال ان کے لئے حسرت و اندوہ کا باعث ہو گا پھر یہ شکست کھا جائیں
گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ سیدھے جہنم میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

قریش کو مصارف جنگ کی طرف سے تو اطمینان تھا ہی البتہ جنگجو افراد
کی کمی کا احساس تھا۔ اس کا تدارک انہوں نے یوں کیا کہ چند آتش بیاں قسم

کے شاعروں کو اپنا نمائندہ بنا کر مختلف قبائل کی طرف بھیج دیا تاکہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جذبات ابھار کر انہیں قریش سے تعاون پر آمادہ کریں مکہ کا ایک شاعر ابو عزہ عمرو ابن عبداللہ تہامہ میں آیا اور اہل تہامہ اور بنی تہامہ کو اپنے کلام سے متاثر کر کے قریش کا ہمنوا بنالیا اور ان کے سات سو آدمی قریش کے لشکر میں شامل ہو گئے اس طرح بڑھتے بڑھتے لشکر کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی جس نے سر دھڑ کی بازی لگا کر جنگ کرنے کی ٹھان لی۔

ہند زوجہ ابو سفیان جس کا باپ عتبہ، بھائی ولید اور چچا شیبہ جنگ بدر میں مارے گئے تھے اس نے بھی سلگتی ہوئی چنگاری کو بھڑکتا ہوا شعلہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور چودہ عورتوں کی سرگردہ بن کر فوج میں شامل ہو گئی۔ ان عورتوں میں خالد ابن ولید کی بہن فاطمہ، عمرو ابن عاص کی بیوی ریطہ، عکرمہ ابن ابی جہل کی زوجہ ام حکیم بنت حارث، اور سفیان ابن عویف کی بیوی رملہ بنت طارق اور صفوان ابن امیہ کی بیوی برہ بنت مسعود بھی شریک تھیں ان عورتوں کے شامل ہونے کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان کارزار میں جنگ آزماؤں کے جذبات کو بھڑکائیں اور پسپائی کی صورت میں انہیں جوش و غیرت دلا کر واپس میدان میں لائیں۔

جب یہ لشکر ابو سفیان کی قیادت میں مکہ سے نکل کھڑا ہوا تو عباس ابن عبدالمطلب نے اس خیال سے کہ اگر اس لشکر گراں نے بے خبری کے عالم میں مدینہ پر حملہ کر دیا تو مسلمان اس منظم و مسلح فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں گے، بنی غفار کے ایک شخص کے ذریعہ آنحضرتؐ کو پیغام بھیجا کہ قریش کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے مکہ سے نکل چکا ہے آپؐ اس بڑھتی ہوئی

یلغار کو روکنے کا بندوبست کر لیں ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک حملہ کر دے اس
بر وقت اطلاع کے ملتے ہی آنحضرتؐ نے دو آدمیوں کو مدینہ کے باہر بھیجا
کہ وہ دیکھیں بھالیں کہ یہ خبر کہاں تک درست ہے انہوں نے پلٹ کر
بتایا کہ عباس کی بھیجی ہوئی اطلاع صحیح ہے اور قریش کا لشکر مار دھاڑ کرتا
ہوا اطراف مدینہ میں پہنچ چکا ہے اور کسی وقت بھی حملہ کر سکتا ہے اگرچہ
یہ وہی بدر کے شکست خوردہ لوگ تھے مگر پہلے سے زیادہ تیار ہو کر آئے
تھے اور اہل تہامہ اور بنی کنانہ کے شامل ہو جانے سے ان کی تعداد بڑھ گئی
تھی مسلمانوں کو دشمن کے سر پر پہنچ جانے کی خبر ہوئی تو ان میں اختلاف
رائے پیدا ہو گیا کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ چونکہ مسلمان تعداد میں کم ہیں
اور کفار کی تعداد زیادہ ہے لہٰذا دفاعی صورت اختیار کرنا بہتر ہو گا۔ اس
طرح کہ جنگجو افراد تیروں تلواروں اور نیزوں سے راستوں کے ناکوں پر
انہیں روکیں اور اگر ان سے کچھ لوگ سینہ زوری کر کے حدود شہر میں
داخل ہو جائیں تو عورتیں، بچے اور بوڑھے چھتوں پر سے سنگباری کر
کے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں اور جب دشمن کا زور ٹوٹ جائے
تو پھر اس کے مقابلہ میں صف آرا ہو کر لڑا جائے۔ اور کچھ لوگوں کی یہ
رائے تھی کہ شہر کے اندر محصور رہ کر صرف دفاعی جنگ لڑی جا سکتی ہے
اور دفاعی جنگ اس صورت میں اختیار کی جایا کرتی ہے جب دشمن سے
زور آزما ہونے کا حوصلہ نہ ہو۔ لہٰذا دشمن کو اپنی کمزوری و بے طاقتی کا
کا تاثر دینے کے بجائے ہمیں شہر سے باہر نکل کر محاذِ جنگ قائم کرنا چاہیے
جو لوگ حدود شہر سے نکل کر جنگ کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ ان
میں حضرت حمزہ، سعد ابن عبادہ اور وہ افراد شامل تھے جو جنگ بدر

میں شریک نہ ہو سکے تھے اور اب شہر کی تنگ و تاریک گلیوں کے بجائے کھلے میدان میں داد شجاعت دینا چاہتے تھے اور جو شہر میں محصور ہو کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے ان میں عبداللہ ابن ابی مشہور منافق پیش پیش تھا ذہن اس چیز کو تو قبول نہیں کر سکتا کہ اس کی یہ تجویز مسلمانوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے پیش نظر ہو گی جب کہ وہ اور اس کا گروہ یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا شیرازہ درہم و برہم ہو کر رہ جائے اور ذلت و خواری کے ساتھ مدینہ سے نکال باہر کئے جائیں۔

مورخین نے عام طور پر لکھ دیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ بھی مدینہ میں محصور رہ کر جنگ لڑنا چاہتے تھے۔ مگر رائے عامہ سے متاثر ہو کر مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پیغمبر کی یہی رائے تھی۔ تو اس پر عمل درآمد کرنے میں مانع ہی کیا تھا۔ جب کہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جو لوگ باہر نکلنے پر اصرار کر رہے تھے انہوں نے پیغمبرؐ کو ہتھیار سج کر باہر نکلتے دیکھا تو عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ اگر آپؐ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس سے انکار نہیں ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا :

ماینبغی لنبی اذا لبس لامته ان یضعها حتی تقاتل۔

(تاریخ طبری ج ۲۔ ص ۱۹)

نبیؐ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ جنگ کا لباس پہن لے تو پھر جنگ کئے بغیر اسے اتارے۔

یہ الفاظ اطمینان، استقلال، مزاج اور دشمن سے جہاد کرنے کے غیر متبدل عزم و ارادہ کے عکاس ہیں۔ جس سے یہ صاف عیاں ہے کہ

کہ پیغمبرؐ کسی خارجی دباؤ کے زیرِ اثر شہر سے نکلنے پر مجبور نہ ہوئے تھے بلکہ جوشِ عمل اور ولولۂ جہاد کا تقاضا ہی یہ تھا کہ غنیم سے کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے اور شہر میں محصور رہ کر دشمن کو مدینہ پر تاخت و تاراج کا موقع نہ دیا جائے۔ پیغمبرؐ کا یہ ارشاد نہ صرف ان کے ناقابلِ تسخیر عزم اور بلند حوصلگی کا ترجمان ہے بلکہ مسلمانوں کے لئے بھی عزم و عمل کا ایک زرّیں درس ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں اور جب جنگ ناگزیر ہو چکی ہو تو اس میں عملی کمزوری کا گزر نہ ہونے دیں۔ اور کتنی ہی ناگوار صورتوں کا مقابلہ کرنا پڑے دشمن کو پیٹھ نہ دکھائیں اور اس کی قوت و کثرت کو نظر انداز کر کے آخر دم تک لڑتے رہیں۔

آنحضرتؐ نے ابن مکتوم کو مدینہ میں منتظم و نگراں مقرر کیا اور ۱۴ شوال ۳ھ ہجری کو نمازِ جمعہ کے بعد ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور ایک قریب کے راستے سے کوہ احد کی جانب روانہ ہو گئے جہاں قریش کا لشکر ۱۲ شوال سے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ ابھی پیغمبرؐ نے آدھا راستہ طے کیا ہو گا کہ عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر سے کٹ کر واپس مدینہ آ گیا اور عذر یہ تراشا کہ چونکہ میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا کہ اندرونِ شہر رہ کر جنگ لڑی جائے لہذا میں حدودِ شہر سے باہر نکل کر اپنے ساتھیوں کی جانیں خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ اب مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی جنہیں تین ہزار جنگجوؤں سے مقابلہ کرنا تھا۔ ان سات سو میں سے انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ و بنی حارثہ بھی واپسی کے منصوبے باندھنے لگے مگر پھر سنبھل گئے اور پلٹنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

قرآن مجید میں انہی کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

اذ همت طائفتان منکم ان تفشلا ۔

جب تم میں سے دو گروہوں نے وہیں سے پسپا ہونے کی ٹھان لی۔"

پیغمبر اسلامؐ نے انہیں سات سو لشکریوں کے ساتھ دامن کوہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ آج کا دن تو گزر ہی چکا تھا دوسرے دن ۱۵ شوال روز شنبہ دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے۔ مشرکین کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسلحہ جنگ بھی ان کے پاس فراواں تھا۔ ان کے لشکر میں سات سو زرہ پوش تھے اور مسلمانوں کے پاس کل ایک سو زرہیں تھیں۔ ان کے پاس تین ہزار اونٹ اور دو سو کوتل گھوڑے تھے اور یہاں صرف دو گھوڑے ایک رسول اللہؐ کے پاس اور ایک ابو ہریرہؓ کے پاس بس فوج کی قلت اور سامان جنگ کی کمی کی وجہ سے ضرورت تھی کہ لشکر کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ دشمن کو ہر سمت سے حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکے چنانچہ تحفظی تدابیر کے پیش نظر آنحضرتؐ نے کوہ احد کو پس پشت رکھا اور مدینہ کو سامنے کے رخ پر اور بائیں جانب کوہ عینین کے ایک تنگ درہ پر پچاس کمانداروں کا ایک دستہ عبداللہ ابن جبیر کی زیر نگرانی کھڑا کر دیا اور اسے تاکید کی کہ خواہ فتح ہو یا شکست جب تک اسے حکم نہ دیا جائے کسی حالت اور کسی صورت میں اپنا مورچہ نہ چھوڑے جنگی اعتبار سے یہ کارروائی نہایت ضروری تھی اگر یہ انتظام نہ کیا جاتا تو کفار اس سمت سے حملہ آور ہو کر لشکر اسلام کو اپنے محاصرہ میں لے لیتے اور مسلمانوں کے لئے ان کے حصار کو توڑ کر اپنی جانیں بچا لے جانا مشکل ہو جاتا۔ اس نظم و انصرام کے بعد بقیہ لشکر کی صف بندی کی۔ میمنہ پر سعد ابن عبادہ کو اور میسرہ پر اسیر ابن حضیر

کو متعین کیا۔ لواء مصعب ابن عمیر کو دیا اور رایت جنگ حضرت علیؓ کے سپرد کیا جو جنگ بدر میں بھی علمبردار تھے اور بعد کے غزوات میں بھی علمبردار رہے۔

کفار نے بھی اپنے لشکر کو میمنہ و میسرہ میں تقسیم کیا۔ میمنہ کا سردار خالد ابن ولید کو اور میسرہ کا عکرمہ ابن ابی جہل کو۔ سواروں کا افسر عمرو ابن عاص کو مقرر کیا اور تیر اندازوں کا عبداللہ ابن ربیعہ کو۔ اور قلب لشکر میں جہاں قریش نے اپنا مشہور بت ہبل ایک اونٹ پر لاد رکھا تھا ابو سفیان جا کھڑا ہوا اور علم لشکر بنی عبدالدار کی ایک فرد طلحہ ابن عثمان کے سپرد کیا گیا جب کیل کانٹے سے لیس ہو گئے تو قریش نے اعل ھبل (ہبل کا بول بالا) کا نعرہ لگایا اور ہند اور دوسری عورتیں صفوں کے آگے کھڑی ہو گئیں اور لشکریوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے دف پر ٹھمک ٹھمک کر گانے لگیں۔

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق مشی القطا النوازق

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ قالینوں پر ناز و انداز سے اس طرح چلتی ہیں جس طرح سبک رو قطا پرندہ چلتا ہے۔

والمسك فی المفارق والدر فی المخانق ان تقبلوا نعانق

مانگ میں مشک بھری ہے اور گردنوں میں موتی جگمگا رہے ہیں اگر تم آگے بڑھو گے۔ تو ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے۔

ونفرش النمارق او تدبروا نفارق فراق غیر وامق

اور تمہارے لئے مسندیں بچھائیں گے اور پیٹھ پھرائی تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ اس طرح کہ گویا تم سے کبھی چاہت تھی ہی نہیں۔

اس ترانہ کے ختم ہوتے ہی طبل جنگ بجنے لگا اور دست بدست لڑائی

لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ قریش کا علمبردار طلحہ ابن عثمان ہتھیار سج کر بڑے کروفر سے میدان میں آیا اور طنز آمیز لہجہ میں کہنے لگا مسلمانوں تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر تم سے کوئی مارا جائے تو جنت میں جاتا ہے اور ہم میں سے کوئی مارا جائے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوتا ہے۔ لہذا تم میں جو جنت جانا چاہے تو یا مجھے دوزخ میں بھیجنے کا خواہشمند ہو وہ آئے اور مجھ سے لڑے حضرت علیؑ تلوار لہراتے اور رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ اور دونوں شمشیر بکف آپس میں بھڑ گئے طلحہ نے تلوار سے حملہ کیا، حضرتؑ نے اس کا وار خالی دے کر اس پر جوابی حملہ کیا اور بیک ضرب شمشیر اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔ طلحہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ پیغمبرؐ نے اسے گرتے اور علم کفار کو سرنگوں ہوتے دیکھا تو صدائے تکبیر بلند کی اور اس کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا حضرت نے اس کا سر کاٹنا چاہا تو دیکھا کہ وہ برہنہ ہو چکا ہے۔ آپ نے اس حالت میں اس پر دوسرا وار کرنا گوارا نہ کیا اور اسے تڑپتا سسکتا چھوڑ دیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اسے ختم کئے بغیر کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ جب وہ بے پردہ ہو گیا تو مجھے اس پر حملہ کرتے ہوئے شرم آئی اور پھر اس نے مجھے قرابت و عزیزداری کا واسطہ بھی تو دیا تھا۔ آخر اس نے تھوڑی دیر زمین پر سر ٹپک کر دم توڑ دیا۔ طلحہ کے مارے جانے سے مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے اور عام بے دلی سی پیدا ہو گئی اور ایک ایک کر کے میدان میں نکلنے کی جرائت نہ ہو سکی۔ اب انہوں نے ایک دم ہلہ بول دیا مسلمانوں نے آگے بڑھ کر ان کے ریلے کو روکا۔ دونوں طرف سے کمانیں کڑکیں تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ابودجانہ

انصاری اور جناب حمزہ اور حضرت علیؓ اور دوسرے مجاہدین نے حملوں پر حملے کئے اور دشمن کی صفوں میں تہلکہ مچادیا۔

رسولؐ خدا نے اس معرکہ میں ابودجانہ کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی۔ ابودجانہ نے سر پر سرخ پٹکا باندھا اور تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں کفار کی عورتیں دف بجا بجا کر اپنے نغموں سے فوج میں جوش پیدا کر رہی تھیں آپ نے ہند بنت عتبہ پر تلوار اٹھائی اور چاہا کہ اس کے پرخچے اڑادیں مگر اس خیال سے ہاتھ روک لیا کہ رسول اللہؐ کی دی ہوئی تلوار کو ایک عورت کے خون سے رنگین کرنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت حمزہؓ کی تلوار صاعقہ بار بھی دشمن کے سروں پر پیہم چل رہی تھی۔ طلحہ ابن عثمان کے مارے جانے کے بعد عثمان ابن ابی طلحہ نے قریش کا علم بلند کیا تھا۔ آپ نے تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ حضرت علیؓ دونوں صفوں کے درمیان علم کو فضا میں لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کئے جا رہے تھے اور لشکر قریش میں سے جو بھی علم ہاتھوں میں لیتا اسے تہ تیغ کر کے پرچم کفر کو سرنگوں کر دیتے یہاں تک کہ آٹھ علمبرداروں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور جب بنی عبدالدار میں سے کوئی پرچم اٹھانے والا نہ رہا تو اس قبیلہ کے ایک غلام صواب نے پرچم برداروں کا خاتمہ ہوتے دیکھ کر علم سنبھال لیا۔ حضرت نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور اس طرح تمام پرچم برداروں کا خاتمہ کر دیا۔ ابن اثیر نے تحریر کیا ہے۔

کان الذی قتل اصحاب اللواء

(تاریخ کامل ج ۲۔ صہ ۱۰۷)

جس نے علمبرداروں کو تہ تیغ کیا وہ علی رضؓ تھے۔

علمبرداران لشکر کے قتل سے قریش کا دم خم جاتا رہا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور کفار کے مقابلہ میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہونے کے باوجود بڑی بے جگری سے لڑتے سینوں کو چھیدتے اور صفوں کو الٹتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں جم نہ سکے اور شکست کھا کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔

ابوسفیان علم کو سرنگوں اور ہبل کو خاک بسر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور قریش کی عورتیں بھی پائنچے سمیٹے دوڑ پڑیں۔ مسلمانوں نے جب کفار کو دوڑتے اور میدان خالی کرتے دیکھا تو ان پر حرص وطمع کی کمزوری غالب آگئی اور دشمن کی طرف سے غافل ہو کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ درہ کوہ کے محافظوں نے جب مال غنیمت لٹتے دیکھا تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ عبداللہ بن جبیر نے انہیں پیغمبرؐ کا حکم یاد دلایا اور درہ کوہ کو خالی چھوڑ کر جانے سے منع کیا مگر دس یا اس سے کم آدمیوں کے علاوہ کسی نے ان کی بات نہ سنی اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے۔

علامہ طبری نے لکھا ہے:۔

جعلوا یقولون الغنیمة الغنیمة فقال عبد الله مهلا اما علمتم ما عهد الیکم رسول الله صلی الله علیه وسلم فابوا فانطلقوا۔

(تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۱۹۳)

وہ لوگ غنیمت غنیمت پکارنے لگے۔ عبداللہ نے کہا ٹھہرو۔ کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں ہے۔ مگر انہوں نے ٹھہرنے

سے انکار کر دیا اور مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے چل دیئے۔"

کمانداروں کی اس بے صبری و ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد ابن ولید اور عکرمہ ابن ابی جہل نے درہ کوہ کو خالی پا کر دو سو کی جمعیت کیساتھ عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ ابن جبیر نے اپنے دو چار آدمیوں کے ساتھ بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر چند آدمی اس یلغار کو روک نہ سکتے تھے ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے خالد کے اس کامیاب حملہ کو دیکھ کر بھاگنے والے پلٹ آئے۔ سرنگوں علم کو بنی عبدالدار کی ایک عورت عمرہ بنتِ علقمہ حارثیہ نے اٹھا لیا۔ کفار نے اپنی بکھری ہوئی طاقت کو از سر نو جمع کیا اور مسلمانوں کے منتشر لشکر پر حملہ کر دیا۔ مسلمان حملہ سے بے خبر مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے کہ ایک طرف سے پسپا ہونے والی فوج اور دوسری طرف سے خالد کے دستہ نے گھیراؤ ڈال لیا اور تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس دو طرفہ یلغار سے مسلمان حواس باختہ سے ہو گئے اور کچھ خوف و دہشت اور کچھ گرد و غبار کی وجہ سے اپنے آدمیوں کے چہرے بھی نہ پہچان سکے اور بے دیکھے بھالے ایک دوسرے پر تلواریں چلانے لگے۔ چنانچہ اسید ابن حضیر کو ابو بردہ ابن نیار نے زخمی کر دیا اور ابو بردہ ابو زعنہ کی تلوار سے زخمی ہو گئے اور اس افراتفری میں حذیفہ کے والد یمان حذیفہ کے چیخنے چلانے کے باوجود مسلمانوں کی تلواروں سے مارے گئے۔ جنگ کا نقشہ پلٹ گیا، جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ کچھ مسلمان شہید ہو گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مورخ طبری نے تحریر کیا ہے۔

کان المسلمون لما اصابھم ما اصابھم من البلاء اثلاثا ثلث قتیل ثلث جریح وثلث منھزم

(تاریخ طبری ۔ ج ۲ صد ۱۹۷)

اس ہنگامۂ رست و خیز میں سباع ابن عبد العزیٰ حضرت حمزہ کے سامنے سے گزرا آپ نے اسے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "اے ختنہ کرنے والی کے بیٹے" کہہ کر خطاب کیا اور شمشیر لے کر اس پر جھپٹے اور وہیں پر اسے ٹھنڈا کر دیا۔ جبیر ابن مطعم جس کا چچا طعیمہ ابن عدی جنگ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اس نے اپنے غلام وحشی سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ محمدؐ، علیؓ یا حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا اور ہند بنت عتبہ نے بھی اسے زر و جواہر سے نہال کرنے کا وعدہ کیا تھا وحشی کے لئے پیغمبرؐ اور علیؓ پر حملہ کرنا تو مشکل تھا اس نے حضرت حمزہ کو شہید کرنے کی ٹھان لی اور موقع تاک کر پوری چابکدستی سے اپنا بھالا ان کی طرف پھینکا جو ناف پر لگا اور پیٹ کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ آپ اس مہلک ضرب کے باوجود اس کی طرف لپکے مگر قوت نے ساتھ نہ دیا اور زمین پر گر کر شہادت عظمیٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب عام بھگدڑ مچی تو پیغمبر اسلام میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے مقتولین کے لاشوں میں دیکھا بھالا مگر کہیں نظر نہ آئے۔ میں نے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ آپ میدان چھوڑ کر چلے جائیں اور جہاد راہ خدا سے منہ موڑ لیں۔ کہیں اللہ نے مسلمانوں کی نازیبا حرکت پر غضبناک ہو کر انہیں زندہ آسمانوں پر نہ اٹھا لیا ہو۔ اب میرے لئے بھی بہتر ہے کہ لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا اور دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑا۔ جب کفار کا پرا چھٹا تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرمؐ میدان

میں ثابت قدم کھڑے ہیں۔ غرض اس ہنگامہ دار و گیر میں آپ نے
ایک لمحہ کے لئے بھی میدان چھوڑنا گوارا نہ کیا اور جان سے بے نیاز ہو
کر دشمنوں کی صفوں پر حملہ آور ہوتے، تیر و تلوار کے وار سہتے اور انہیں
درہم و برہم کرتے رہے اور پورے ثبات قدم کا مظاہرہ کرتے ہوئے
پیغمبرؐ کے سینہ سپر رہے۔

ابن سعد نے تحریر کیا ہے۔

وکان علی ممن ثبت مع رسول اللہ یوم احد حین انہزم الناس
وبایعہ علی الموت۔

(طبقات ج ۳ ص ۲۳)

احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؓ رسولؐ اللہ کے
ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور موت پر پیغمبرؐ کی بیعت کی۔"
اس اثناء میں پچاس سواروں کا ایک دستہ آنحضرتؐ پر حملہ آور ہونے
کے لئے بڑھا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علیؓ دشمن حملہ کے
لئے بڑھ رہا ہے اسے آگے بڑھ کر روکو علی نے شیرانہ حملہ کر کے انہیں منتشر
کر دیا پھر دوسری سمت سے مشرکین نے حملہ کرنا چاہا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ
اے علی اب انہیں روکو۔ حضرت نے انہیں بھی تتر بتر کر دیا۔ غرض جدھر سے
ہجوم بڑھتا ادھر علیؓ آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے اور دشمن کے پرے
توڑ کر رکھ دیتے۔ ان حملوں میں شیبہ ابن مالک عامری اور سفیان ابن
عویف کے چاروں بیٹوں ابو الشعثاء، خالد، ابو الحمراء اور غراب کو قتل
کر کے پیغمبرؐ کو خون آشام تلواروں سے محفوظ رکھا۔ حضرت کی اس جاں
نثاری و فدا کاری کو دیکھ کر جبرائیل امینؑ نے پیغمبرؐ سے کہا۔

یارسول اللہ ان ھذہ للمواساۃ۔ (تاریخ طبری۔ ج ۲ صہ ۱۹۷)

یارسول اللہ ہمدردی و غمخواری اسے کہتے ہیں"

پیغمبرؐ نے فرمایا کہ کیوں نہ ہو جب کہ علی میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور جبرئیل نے کہا اور میں آپ دونوں کا ہوں اسی موقع پر لاسیف الا ذوالفقار ولا فتیٰ الا علی کی آواز فضامیں گونجی اور فرش سے عرش تک تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔

حضرت علیؑ میدان جنگ میں مصروف پیکار تھے کہ مشرکین نے پیغمبرؐ پر ہجوم کیا اور عبداللہ ابن شہاب، عتبہ ابن ابی وقاص، ابن قمیئہ لیثی، ابی ابن خلف اور عبداللہ ابن حمید نے براہ راست آپ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ ابن شہاب نے آپکی پیشانی اقدس پر ضرب لگائی۔ عتبہ ابن ابی وقاص نے یکے بعد دیگرے چار پتھر پھینکے۔ جس سے آپ کے چار دانت شہید اور ہونٹ شگافتہ ہو گئے۔ ابن قمیئہ نے قریب آکر تلوار کی ضرب لگائی جس سے خود کی کڑیاں پیشانی میں گڑ گئیں۔ چہرہ مبارک خون سے رنگین ہو گیا۔ ابی ابن خلف نے آگے بڑھ کر حملہ کیا آنحضرتؐ نے ایک صحابی حارث ابن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے ہلکا سا زخم آیا مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا اور پلٹتے ہوئے مقام سرف تک پہنچا تھا کہ مر گیا۔ ان حملہ آوروں میں سے عبداللہ ابن حمید کو ابو دجانہ نے تہ تیغ کیا۔ قبیلہ انصار کے چند آدمیوں نے پیغمبرؐ پر حملہ ہوتے دیکھا تو وہ آگے بڑھ کر حائل ہوئے۔ انصار کو دیکھ کر کفار پیچھے ہٹے اور تھوڑے فاصلے سے تیر برسانے شروع کئے۔ ابو دجانہ انصاری تیروں کی بوچھاڑ میں پیغمبر کے سینہ سپر بن گئے اور آنحضرتؐ پر جھک کر اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے پیغمبرؐ کے قریب ہی مصعب

بن عمیر دشمن کے حملوں کو روکنے میں مصروف تھے کہ ابن قمیہ نے حملہ کرکے انھیں شہید کر دیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے پیغمبرؐ کو قتل کر دیا ہے چنانچہ اس نے اپنی صفوں کے قریب پہنچ کر فخریہ لہجے میں کہا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے یہ سنتے ہی لوگوں نے شور مچا دیا کہ الا ان محمداً قد قتل (محمدؐ قتل کر دیئے گئے) مسلمانوں میں سے کچھ تو پہلے ہی منتشر ہو چکے تھے اور جو رہ گئے تھے اس خبر کو سن کر ان کی ہمت جواب دے گئی اور ایک عام بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگ دور چٹانوں کی اوٹ میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے اور کچھ لوگوں نے مدینہ میں پہنچ کر دم لیا۔ طبری نے تحریر کیا ہے۔

تفرق عنه اصحابه ودخل بعضهم المدينة وانطلق بعضهم فوق الجبل الى الصخرة فقاموا عليها وجعل رسول الله يدعوا الناس الى عباد الله الى عباد الله۔ (تاریخ طبری۔ ج ۲۔ صہ ۲۰۱)

آنحضرتؐ کے اصحاب آپ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے ان میں سے کچھ تو مدینہ پہنچ گئے کچھ پہاڑ کے اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئے اور وہیں پر ڈیرے ڈال دیئے۔ پیغمبرؐ خدا انہیں پکارتے تھے "اے بندگان خدا اے اللہ کے بندو میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ"۔

قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔

اذ تصعدون ولا تلوون على احد والرسول يدعوكم فى اخراكم۔

جب تم پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور رسولؐ پیچھے سے تمہیں پکار رہا تھا مگر تم کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔"

اس افراتفری اور نفسا نفسی کے عالم میں انس ابن نضر کا گزر اس پہاڑ کی

چوٹی کی جانب ہوا جہاں چند مہاجر و انصار سر چھپائے بیٹھے تھے۔ آپ نے حیرت و استعجاب سے انہیں دیکھا اور کہا کہ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو انہوں نے کہا کہ رسولؐ تو قتل کر دیئے گئے ہیں کہا کہ ان کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ اٹھو اور جس دین کی خاطر انہوں نے جان دی ہے تم بھی اپنی جانیں دے دو۔ یہ کہہ کر انس میدان کی طرف بڑھے۔ میدان جنگ میں سعد ابن معاذ دکھائی دیئے ان سے کہا کہ وہ کوہ احد کی سمت سے میرے مشام میں جنت کی خوشبو آ رہی ہے یہ کہہ کر تیروں کی بوچھار اور تلواروں کی جھنکار میں دشمن کی سپاہ پر حملہ کر دیا اور تیر و تلوار کے ستر زخم کھا کر شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ علامہ طبری نے چٹان پر بیٹھنے والوں میں حضرت عمر اور طلحہ ابن عبید اللہ کا خصوصیت سے نام لیا ہے اور ان کی باہمی گفتگو بھی درج کی ہے۔ جس سے ان خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے جن میں غلطاں و پیچاں تھے وہ لکھتے ہیں۔

ابن ابي فياخذ لنا امنة من ابي سفيان يا قوم ان محمداً قد قتل فارجعوا الى قومكم قبل ان ياتوكم فيقتلوكم

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۰۲)

چٹان پر بیٹھنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبد اللہ ابن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابو سفیان سے امان کی درخواست کرتا اے لوگو! محمدؐ تو قتل ہو گئے اب اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے کہ وہ آئیں اور تمہیں قتل کر دیں۔

قرآن مجید میں ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

افأن مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللہ شیئا سیجزی اللہ الشاکرین۔

اگر پیغمبرؐ (اپنی موت) مرجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پیروں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پلٹے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور خدا جلد ہی شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔

آنحضرتؐ نے مصعب کی شہادت کے بعد لواء حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ دشمن کو پیچھے دھکیلنے میں مصروف تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر شہادت سن کر چونکے۔ صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام پر آئے جہاں پیغمبرؐ زندہ وسلامت موجود تھے اگرچہ خود بھی زخموں سے چور چور تھے مگر پیغمبرؐ کی حالت دیکھ کر اپنی حالت کو بھول گئے اور آنحضرت کو سہارا دے کر ایک گھاٹی کی طرف لے چلے۔ کعب ابن مالک کی نظر آنحضرت پر پڑی تو انہوں نے خوش ہو کر بے ساختہ کہا یہ رہے رسول خدا آپؐ نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بچے کھچے مسلمانوں کے ساتھ گھاٹی میں تشریف فرما ہوئے امیر المومنین پیغمبرؐ کو گھاٹی میں پہنچا کر چشمہ مہراس سے ڈھال میں پانی بھر کر لائے۔ اتنے میں جناب فاطمہ زہراؑ چند خواتین کے ہمراہ یہ سن کر کہ پیغمبرؐ شہید کر دیئے گئے اس گھاٹی میں تشریف لے آئیں۔ باپ کو زندہ وسلامت دیکھ کر اطمینان ہوا مگر چہرہ و پیشانی کو خون سے رنگین دیکھ کر رونے لگیں اور بے ساختہ باپ سے لپٹ گئیں اور علیؓ کے ساتھ مل کر زخموں کو دھویا اور بوریئے کا ٹکڑا جلا کر زخموں پر رکھا جس سے خون تھم گیا۔

جنگ عملاً ختم ہو چکی تھی۔ کفار اپنی فتح یابی اور مسلمانوں کی ہزیمت پر خوش تھے۔ ابوسفیان نے پہاڑ کی ایک چوٹی پر چڑھ کر مسلمانوں سے پوچھا کہ

کیا محمدؐ زندہ ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اسے کوئی جواب نہ دے اس نے پھر پوچھا کہ کیا ابن ابی قحافہ ہیں کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا کہ کیا عمر ابن خطاب ہیں۔ اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا گیا تو اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ یہ تو سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ پیغمبر کے منع کرنے کے باوجود خاموش نہ رہ سکے اور کہا کہ ہم سب زندہ موجود ہیں۔ ابوسفیان نے اعل ہبل کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے پیغمبرؐ کی ہدایت پر اللہ اعلیٰ واجل (اللہ بزرگ و برتر ہے) کہہ کر اس کے نعرہ کا جواب دیا۔ ابوسفیان نے کہا کہ لنا العزی ولا عزی لکم (ہم عزیٰ رکھتے ہیں اور تم عزیٰ نہیں رکھتے) مسلمانوں نے کہا: اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا والی ہے اور تمہارا کوئی والی نہیں ہے) اس نے پھر کہا کہ کل تم جیتے تھے اور آج ہم جیتے ہیں۔ ہم نے مقتولین بدر کا بدلہ تمہارے مقتولین سے لے لیا ہے۔ اب سال آئندہ اسی مہینہ میں بدر کے مقام پر تم سے مڈبھیڑ ہوگی۔

مسلمانو! تمہارے ہاں کی کچھ لاشوں کو مثلہ کیا گیا ہے مگر میں نے نہ اس کا حکم دیا تھا اور نہ اس سے منع کیا تھا۔ یہ کہہ کر ابوسفیان اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مکہ روانہ ہوگیا۔

اس خونیں معرکہ میں دو عورتوں کا کردار جو میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور پانی پلانے کے لئے آئی تھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ان میں ایک ام عمارہ نسیبہ بنت کعب ہیں جن کا شوہر زید بن عاصم اور دو بیٹے حبیب اور عبداللہ اس جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اس خاتون نے جب دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام تیروں کی زد میں ہیں تو آنحضرتؐ کے آگے کھڑی ہوگئیں اور تیروں کو اپنے سینہ پر روک کر پیغمبرؐ کا بچاؤ کرتی رہیں

اور جب ابن قمیہ تلوار لے کر آنحضرتؐ پر حملہ آور ہوا تو تلوار لے کر اس کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئیں یہاں تک کہ بازو زخمی ہو گیا اور دوسری خاتون ام ایمن ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو جنگ سے پیٹھ پھرا کر بھاگتے دیکھا تو ان کی غیرت ایمانی جوش میں آئی اور نو ان کا کوئی بس نہ چلا مٹی اٹھا اٹھا کر ان کے چہروں پر پھینکتی جاتی تھیں اور یہ کہتی جاتی تھیں۔

ھاك المغزل فاعزل به وھلم السیف۔

(سیرۃ حلبیہ ج ۲۔ صہ ۲۵۲)

لے یہ تکلا لیتا جا اور گھر میں بیٹھ کر سوت کات اور اپنی تلوار مجھے دیتا جا۔"

ان عورتوں کے کردار کے مقابلہ میں مردوں کے کردار پر نظر کی جائے تو میدان چھوڑنے والوں کی فہرست میں ایسے ایسے لوگوں کے نام بھی صفحات تاریخ پر ثبت ہیں جن سے اس کٹھن مرحلہ پر ثبات قدم کی امید کی جا سکتی تھی۔ مگر حضرت علیؑ، ابو دجانہ انصاری، سہل ابن حنیف، عاصم ابن ثابت مقداد ابن عمرو، سعد ابن معاذ، اسید ابن حضیر، طلحہ ابن عبید اللہ اور زبیر ابن عوام کے علاوہ کوئی ثابت قدم نظر نہیں آتا۔ بلکہ ان میں سے بھی اکثر میدان سے رو گرداں ہو گئے تھے اور پھر واپس ہوئے تھے۔ ان پلٹ کے آنے والوں میں سے ایک حضرت ابو بکرؓ بھی تھے۔

چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔

لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ کنت اول من جاء النبیؐ۔

(تاریخ خمیس ج ۱ صہ ۴۸۵)

جب احد کے دن لوگ رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں سب

سے پہلے پلٹ کر آنحضرتؐ کے پاس آیا۔"

اگرچہ اس قول میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ واپسی کس وقت ہوئی۔ لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ یہ واپسی خاتمہ جنگ کے بعد ہوئی۔ اس لئے کہ اگر دورانِ جنگ میں ہوتی تو کسی نہ کسی موقع پر ضرب لگانے یا کھانے والوں میں ان کا نام آتا جب کہ لڑنے والوں میں سے جو بھی مجروح ہوا اس کا نام تاریخ میں آئے بغیر نہیں رہا۔ یہاں تک کہ طلحہ کی ایک انگلی پر خراش آگئی تو تاریخ نے اسے بھی محفوظ کر لیا البتہ ان کا نام آتا ہے اس موقع پر جب دونوں طرف کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور پیغمبرؐ چند لوگوں کے ہمراہ گھاٹی میں تشریف فرما ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر دیکھے گئے تھے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔

تفرقنا عن رسول اللہ یوم احد فصعدت الجبل۔

(ازالۃ الخفار۔ ج ۱۔ صہ ۱۲۸)

ہم احد کے دن رسولؐ اللہ سے الگ ہو گئے اور میں پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا۔"

حضرت عثمانؓ اس گروہ میں شامل تھے جو تین دن کے بعد مراجعت فرما ہوا۔

چنانچہ ابن اثیر تحریر کرتے ہیں۔

فیھم عثمان ابن عفان وغیرہ الی الاعوص فاقاموا بہ ثلاثا ثم اتوا النبیؐ فقال لھم حین راٰھم لقد ذھبتم فیھا عریضہ

(تاریخ کامل۔ ج ۲۔ صہ ۱۱۰)

ان بھاگنے والوں میں عثمان ابن عفان اور دوسرے لوگ شامل تھے جو اعوص میں تین دن ٹھہرنے کے بعد نبیؐ اکرم کے پاس آئے۔ آپ نے انہیں دیکھا تو فرمایا تم لوگ تو بہت دور نکل گئے۔"

حضرت علیؓ اس غزوہ میں جس پامردی و ثبات قدمی سے لڑے وہ اسلامی جہاد کا ایک عظیم نمونہ اور تاریخ کا ایک مثالی کارنامہ ہے آپ اس وقت جب کہ یورش سے گھبرا کر لشکر کے قدم ڈگمگا گئے تھے۔ تن تنہا دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور اپنے زور بازو سے ان کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روک کر اسلام اور بانی اسلام کا تحفظ کرتے رہے اور جب تک معرکہ کارزار گرم رہا ایک لمحہ کے لئے نہ ہاتھ قبضہ شمشیر سے الگ ہوا اور نہ پائے عزم و ثبات کو جنبش ہوئی۔ حالانکہ پے در پے حملوں سے نڈھال اور تیروں اور تلواروں کے وار سے گھائل ہو چکے تھے۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔

اصابت علیا یوم احد ست عشرہ

(تاریخ الخلفاء صہ ۱۱۴)

احد کے دن حضرت علیؓ کو تلوار کی سولہ ضربیں لگیں"

اس غزوہ میں مسلمانوں کو فتح تو حاصل نہ ہو سکی۔ پھر بھی حضرت علیؓ جناب حمزہؓ اور دوسرے دو چار جانبازوں کی ثابت قدمی نے مسلمانوں کو شکست کی بدترین صورت سے بچا لیا۔ شکست کی یہ پیش آمدہ صورت کسی ناگہانی صورت حال کی بنا پر واقع ہوئی۔

چنانچہ مسلمان پہلے محاذ جنگ ہی کے سلسلہ میں دو گروہوں میں بٹ گئے ایک گروہ مدینہ میں رہ کر لڑنا چاہتا تھا اور دوسرا گروہ شہر سے باہر نکل کر نبرد آزما

ہونے کا خواہشمند تھا اور جب پیغمبرؐ کے نکل کھڑے ہونے پر باہر نکلنا طے پا گیا تو پھر کچھ لوگوں کی رائے نے پلٹا کھایا اور ایک گروہ کٹ کر مدینہ واپس آ گیا جس نے مسلمانوں کے عزم و ثبات اور جماعتی یکجہتی کو متاثر کیا اور انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ و بنی حارثہ جنگ سے منہ موڑ کر واپس مدینہ چلے جانے پر آمادہ ہو گئے۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ شروع ہی سے مسلمانوں کے طرز عمل میں کمزوری رونما ہو چکی تھی۔ اور جہاد میں جس جوش اور ولولہ اور وحدت عزم و عمل کی ضرورت ہوتی ہے وہ ناپید تھی اور آخر اس ذہنی پراگندگی اور عملی کمزوری کے نتیجہ میں مجموعی طور پر شکست و ہزیمت اور ناقابل تلافی جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ ہزیمت مسلمانوں کی قلت اور کفار کی عددی کثرت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس میں عزم کی کمزوری اور فرض کے عدم احساس ہی کا دخل تھا۔ چنانچہ جب تک مسلمانوں میں تھوڑا بہت ادائے فرض کا احساس اور مجاہدانہ ولولہ رہا تعداد میں کم ہونے کے باوجود دشمن انہیں مغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ بلکہ انہوں نے کفار کو ان کی کثرت و قوت کے باوجود پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور جب انہوں نے صبر و استقلال اور جماعتی تنظیم کو ختم کر کے خود ناکامی کو دعوت دی تو پھر کس طرح شکست و ہزیمت سے بچ سکتے تھے چنانچہ اس ہزیمت و ناکامی کو قریب تر لانے اور قیمتی جانوں کے ضیاع کا باعث وہی لوگ ہوئے جو درّہ کوہ کی حفاظت پر متعین تھے۔ انہوں نے نظم و ضبط کو خیر باد کہہ کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور وقتی فتح کو مستقل فتح سمجھ کر مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے نہ رسولؐ خدا کا تاکیدی فرمان یاد رکھا نہ اپنے سربراہ کا حکم مانا نہ انجام کار پر نظر کی اور مال دنیا کے طمع میں آ کر دشمن

کو حملہ آور ہونے کا موقع دے دیا۔ اگر یہ لوگ ناعاقبت اندیشی سے کام نہ لیتے اور اپنا مورچہ خالی نہ چھوڑتے تو شکست کا کوئی امکان نہ تھا۔

قرآن مجید میں ان لوگوں کی دنیا طلبی کے بارے میں ارشاد ہے۔

ومنکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ۔

تم میں کچھ لوگ دنیا کے طالب ہیں اور کچھ آخرت کے خواستگار ہیں۔

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ طالبان دنیا سے مراد وہ لوگ ہیں جو درّہ کو خالی چھوڑ کر غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور طلبگارانِ آخرت سے مراد وہ ہیں۔ جنہوں نے کہا کہ ہم ہر حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کریں گے اور اس جگہ کو خالی نہیں چھوڑیں گے۔

ابن مسعود کہتے ہیں۔

ماشعرت ان احدا من اصحاب النبیؐ کان یرید الدنیا وعرضھا حتی کان یومئذٍ

(تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۱۹۳)

میں نہیں سمجھتا تھا کہ اصحاب رسولؐ میں سے کوئی دنیا و مال دنیا کا بھی پرستار ہو سکتا ہے یہاں تک کہ یہ دن دیکھنے میں آیا۔"

اس محافظ دستہ کے علاوہ ان لوگوں پر بھی شکست کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو رسولؐ خدا کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پیغمبرؐ کے پیہم پکارنے پر بھی ان کے قدم نہ رکے حالانکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ:۔

یآیھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار۔

اے ایماندارو جب تم سے اور کافروں سے میدان جنگ میں مڈ بھیڑ ہو تو خبردار ان کی طرف سے پیٹھ پھرا کر چلے نہ جانا۔"

اگرچہ مسلمانوں کو کثیر جانی نقصان اٹھا کر اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑا مگر اس تباہی و ناکامی نے انہیں یہ درس بھی دیا کہ وہ اپنی صفوں میں انتشار رونما نہ ہونے دیں، ہر قیمت پر نظم و ضبط کو برقرار رکھیں اور امیر و سربراہ کے احکام کی پابندی کریں کیونکہ انتشار، خود غرضی اور نزاع و بددلی شکست کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور عزم و نظم ہی سے دشمن پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس شکست سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ظاہری فتح و شکست حالات و اسباب کے تابع ہوتی ہے۔ اسے حق و باطل کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کبھی حق پر ہوتے ہوئے شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور کبھی باطل پر ہونے کے باوجود مادی اعتبار سے فتح ہو جاتی ہے اس لئے اسلام نہ قوت اور اقتدار کو حق کا سرچشمہ قرار دیتا ہے اور نہ مادی شکست کو باطل کا نتیجہ اس کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہوا کہ نفاق کی دبیز تہوں میں چھپے ہوئے بے نقاب ہو گئے جنہوں نے تھوڑی دیر کے لئے ساتھ دیا اور پھر اپنا راستہ الگ کر لیا اور ان تھڑدِلوں کا بھی حال معلوم ہو گیا جو دشمن کے مقابلہ میں جم کر لڑنے کے بجائے تلواروں کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور جہاد راہ خدا میں عملی اعتبار سے کمزوری دکھائی۔

اس غزوہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بائیس کفار موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ مشرکین قریش نے اگرچہ مقتولین بدر کا بدلہ لے لیا مگر ان کا جوشِ انتقام فرو نہ ہوا اور فتح و کامرانی کی سرمستیوں میں کھو کر شہداء کے لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ چنانچہ معاویہ ابن مغیرہ ابن ابی العاص نے حضرت حمزہ رضی کی

میت کی ناک کاٹی اور ہند بنت عتبہ نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے اپنے دانتوں سے چبایا اور اعضاء و جوارح کاٹ کر ان کا ہار بنایا اس کی دیکھا دیکھی دوسری عورتوں نے بھی شہیدوں کے ناک کان کاٹے اور رسی میں پرو کر ہاتھوں میں سجائے اور ابوسفیان نے بھی تہذیب و شرافت کو بالائے طاق رکھ کر حضرت حمزہؓ کے لاشہ کی بے حرمتی کی اور نیزے کی اَنی ان کے چہرے پر ماری جس پر بنی کنانہ کی ایک فرد جلیس ابن علقمہ نے چیخ کر کہا کہ دیکھو یہ ابوسفیان ایک شریف قوم کے لاشہ سے کیا شرمناک سلوک کر رہا ہے ابوسفیان نے سنا تو شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

ابوسفیان کی دشمنی و عناد اور انتقامی جذبہ اسلام لانے کے بعد بھی بدستور قائم رہا چنانچہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اس نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر ٹھوکر ماری اور کہا۔

یا ابا عمارہ ان الامر الذی اجتلدنا علیہ بالسیف امسی فی ید غلماننا یتلعبون بہ۔

(شرح ابن ابی الحدید۔ ج ۴ صہ ۵۱)

اے ابوعمارہ (حمزہؓ) وہ حکومت جس پر ہم آپس میں تلواریں چلاتے تھے آج ہمارے لڑکے بالوں کے ہاتھ میں ہے جس سے وہ کھیل رہے ہیں۔

یہ تھی ابوسفیان کی انتقام پسندی و کینہ جوئی جو اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی اولاد میں اسی جوش و خروش کے ساتھ باقی رہی چنانچہ ابوسفیان کے بیٹے معاویہ نے میدانِ صفین میں عبداللہ ابن بدیل کے لاشہ کو مثلہ کرنا چاہا جس پر انہی کے گروہ کی ایک فرد عبداللہ ابن عامر نے کہا۔

لا یمثل بہ وفی روح۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۵ صہ ۲۷۱)

میرے جیتے جی اسے مثلہ نہیں کیا جا سکتا۔"
آخر معاویہ کو ہاتھ روکنا پڑا۔ یونہی اس کے پوتے یزید ابن معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کی بے حرمتی کرتے ہوئے اپنے باپ دادا کے عمل کو دہرایا اور بنی امیہ کی بد فطرتی و بد طینتی کو بے نقاب کر کے واقعہ کربلا میں جذبہ انتقام کی کارفرمائی کا ثبوت دیا۔
پیغمبرؐ اکرم سن چکے تھے کہ شہیدوں کی لاشیں مثلہ کی گئی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے چچا حمزہؓ کی لاش کا پتہ کیا جائے کہ وہ کس حالت میں ہے حارث ابن صمہ نے کہا کہ میں ان کی جائے شہادت دیکھ چکا ہوں۔ ابھی جا کر خبر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دامن کوہ میں آئے۔ حضرت حمزہؓ کے لاشہ کو دیکھا مگر جو حالت تھی پلٹ کر پیغمبرؐ سے بیان نہ کر سکے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا مگر انہوں نے بھی پلٹ کر گوارا نہ کیا کہ آنحضرتؐ کو ان کے مثلہ کیے جانے کی کیفیت سے آگاہ کریں۔ آخر پیغمبرؐ خود وہاں پر تشریف لے گئے اور جب حضرت حمزہؓ کا لاشہ دیکھا اور ان کے کٹے پھٹے اعضاء پر نظر کی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے ابن مسعود کہتے ہیں۔

ما رأینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باکیا اشد من بکائہ علی حمزۃ رضی اللہ عنہ۔ (سیرۃ حلبیہ۔ ج ۲ صد ۲۷۳)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا روتے کبھی نہیں دیکھا جتنا حضرت حمزہؓ پر روتے دیکھا۔
جب کچھ لوگوں نے بتایا کہ ہند نے ان کا کلیجہ دانتوں سے چبایا تھا تو پوچھا کیا اس میں سے کچھ کھایا بھی تھا؟ کہا کہ صرف چبایا مگر نگل نہ سکی اور اگل دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ماکان اللہ لیدخل شیئا من حمزۃ النار۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ صہ ۱۳)

اللہ تعالیٰ یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ حمزہؓ کا کوئی جزو بدن دوزخ میں ڈالے۔"

حضرت حمزہؓ کی خبر شہادت جب مدینہ پہنچی تو ان کی بہن صفیہ بے تابانہ نکل کھڑی ہوئیں اور احد میں پہنچ گئیں آنحضرت نے چاہا کہ صفیہؓ جناب حمزہؓ کا لاشہ نہ دیکھیں مگر صفیہ نے کہا کہ مجھے روکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی لاش کے ساتھ کیا بہیمانہ سلوک ہوا ہے۔ آخر پیغمبرؐ نے حمزہؓ کی لاش پر اپنی چادر ڈال دی۔ چادر چھوٹی تھی پیر کھلے رہ گئے آپؐ نے پیروں پر گھاس پھونس ڈال کر انہیں چھپا دیا۔ اور صفیہ کو لاش پر جانے کی اجازت دے دی۔ صفیہؓ نے جب لاشہ دیکھا تو زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور صبر و ضبط کے باوجود بے ساختہ رونے لگیں اور پیغمبرؐ بھی اس گریہ و زاری میں شریک ہوئے۔

اب شہداء کی میتوں کی تدفین کا مرحلہ درپیش تھا۔ آنحضرتؐ نے سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی میت پر کرب و اندوہ کی حالت میں نماز جنازہ ادا کی اور پھر دوسرے شہداء پر نماز پڑھی اس طرح کہ ہر نماز میں حمزہؓ بھی شریک کیے جاتے اور پھر دو دو کر کے تمام شہداء اپنے خون آلودہ کپڑوں میں دفن کر دیئے گئے۔ حضرت حمزہؓ کے ساتھ ان کے ہمشیر زادہ عبداللہ ابن جحش کو دفن کیا گیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ انہیں تنہا دفن کیا گیا شہدائے احد کے کچھ لاشے مدینہ کے قبرستان جنۃ البقیع میں بھی دفن ہیں، جو پیغمبر اکرمؐ کے منع کرنے سے پیشتر ان کے ورثا اٹھا لائے تھے اور یہاں پر سپرد خاک کر دیا تھا۔

آنحضرتؐ ۲۲ شوال روز شنبہ مدینہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے جب

انصار کے محلہ کی طرف سے گزرے تو خواتین کے رونے اور نوحہ و ماتم کی آوازیں سنیں تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انصار کی عورتیں احد میں شہید ہونے والے عزیزوں پر گریہ و بکا کر رہی ہیں۔ یہ سن کر پیغمبرؐ اکرم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا: لکن حمزہ لابواکی لہ، "مگر حمزہؓ پر رونے والیاں نہیں ہیں۔" انصار نے سنا تو اپنی مستورات سے کہا کہ وہ حمزہؓ کے پرسہ کے لئے جائیں اور ان پر نوحہ و ماتم کریں۔ چنانچہ خواتین انصار جناب فاطمہؓ کے ہاں جمع ہوئیں اور اپنے عزیزوں کی طرح حضرت حمزہؓ پر گریہ و بکا کیا آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے ان کے رونے کی آوازوں کو سن کر اور ان کے جذبہ ہمدردی و غمگساری سے متاثر ہو کر ان کے حق میں دعائے خیر کی ابن سعد نے تحریر کیا ہے۔

فھن الی الیوم ان مات المیت من الانصار بدأ النساء ببکین علیٰ حمزۃ ثم بکین علیٰ میتھن۔

(طبقات ج ۲۔ صہ ۴۴)

انصار کی عورتوں میں آج تک یہ دستور چلا آرہا ہے کہ جب ان کے ہاں کوئی میت ہو جاتی ہے تو پہلے حضرت حمزہؓ پر گریہ و بکا کرتی ہیں اور پھر اپنے مرنے والے پر روتی ہیں۔"

یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے آئینہ بصیرت ہونا چاہیئے جنہوں نے عمل پیغمبرؐ کے برخلاف یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ ؎

روئیں وہ قائل ہیں ممات شہداء کے
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

غزوہ احد سے واپسی پر لشکر کفار کے دو آدمی گرفتار کیے گئے جو اپنے

کیفر و کردار کو پہنچائے گئے۔

ان میں سے ایک ابوعزہ جمحی تھا جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ اس نے اپنے زور بیان سے اہل تہامہ و بنی کنانہ کو متاثر کر کے قریش کے جھنڈے کے نیچے جمع کیا تھا۔ یہ بدر کے اسیروں میں شامل تھا اور پیغمبرؐ نے اس کی ناداری و عیالداری پر ترس کھاتے ہوئے اسے بلا معاوضہ رہا کر دیا تھا اور اس سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے گا۔ اب اس نے پھر پیغمبر اکرمؐ کی خوشامد کی مگر آپؐ نے فرمایا۔

لا یلسع المومن من جحر مرتین

مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈسا نہیں جاتا۔

(تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۱۴)

آخر غدر و عہد شکنی کی پاداش میں قتل کر دیا گیا اور دوسرا معاویہ ابن مغیرہ تھا جس نے حضرت حمزہؓ کو مثلہ کرنے میں حصہ لیا تھا۔ اس نے خاتمہ جنگ پر رات تو مدینہ کے اطراف میں گزاری اور صبح کے وقت چھپتا چھپاتا اپنے عزیز حضرت عثمانؓ کے مکان پر آیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں کہا کہ میں نے ان سے ایک اونٹ خرید کیا تھا اس کی قیمت ادا کرنے آیا ہوں۔ لہذا وہ جہاں بھی ہوں انہیں ڈھونڈ کر لایا جائے چنانچہ ڈھونڈ ڈھانڈ کر لایا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے دشمن خدا و رسولؐ کو دروازے پر دیکھا تو بہت گھبرائے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ کہا کہ آپ میرے عزیز اور قریبی رشتہ دار ہیں مجھے اپنے ہاں پناہ دیجیے۔ حضرت عثمان اسے گھر کے اندر لے گئے اور مکان کے ایک تاریک گوشہ میں چھپا دیا اور خود گھر سے نکل کر پیغمبرؐ کے پاس چلے آئے اور انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ معاویہ مدینہ کے اندر

موجود ہے اور آج صبح بھی یہیں تھا۔ اسے ڈھونڈو اور تلاش کرو۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ عثمان رضؓ کے علاوہ اور کہاں ہوگا۔ چنانچہ کچھ لوگ حضرت عثمان رضؓ کو پیغمبرؐ کے پاس چھوڑ کر ان کے گھر پر آئے اور معاویہ کو دریافت کیا ان کے گھر والوں نے زبان سے تو کچھ نہ کہا اس گوشہ کی طرف اشارہ کر دیا جہاں وہ چھپا بیٹھا تھا۔ ان لوگوں نے آگے بڑھ کر پکڑ لیا اور پیغمبرؐ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عثمانؓ نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو چکا ہے تو رسولِ خدا سے کہا کہ یا رسول اللہؐ میں صبح صبح اس لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ سے معاویہ کے لئے امان کی درخواست کروں۔ آپؐ اس کی جان بخشی فرمائیں اور اسے چھوڑ دیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت عثمان کے کہنے سننے سے اسے تین دن کی مہلت دی کہ وہ اس عرصہ میں حدود مدینہ سے باہر نکل جائے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے لئے سواری اور زاد راہ کا بندوبست کر دیا تاکہ جہاں جانا چاہتا ہے باآسانی چلا جائے۔ لیکن تین دن گزرنے کے بعد بھی حدود مدینہ میں رہا۔ چوتھے دن آنحضرتؐ نے فرمایا کہ معاویہ ابھی تک مدینہ کے گرد منڈلا رہا ہے اس کا تعاقب کر کے اسے گرفتار کرو اور قتل کر دو۔ یہ سنتے ہی زید ابن حارثہ اور عمار یاسر اٹھ کھڑے ہوئے اور حمار کے قریب اسے جالیا۔ عمار یاسر نے اس پر تیر مارا اور زید نے تلوار سے حملہ کر کے اسے کیفر کردار تک پہنچایا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ نے اسے قتل کیا چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے۔

ان الذی قتل معاویة ابن المغیرة علی علیه السلام۔

علی علیہ السلام نے معاویہ ابن مغیرہ کو قتل کیا۔"

(انساب الاشراف۔ ج ۱ ص ۳۳۸)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ معاویہ مدینہ سے نکل چکا تھا مگر وہ راستہ بھول کر دوبارہ مدینہ میں آگیا اور اس خیال سے کہ حضرت عثمانؓ پھر سفارش کر کے چھڑا لیں گے انہی کے ہاں آچھپا۔ مگر مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی سفارش سے پہلے ہی اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا روایت کا یہ حصہ کہ وہ راستہ بھٹک کر دوبارہ مدینہ پہنچ گیا، کچھ بعید معلوم ہوتا ہے۔ آخر مدینہ کے گرد کون سا صحرائے تیہ تھا کہ جس میں بھٹکتا رہا یا کون سی بھول بھلیاں تھیں جو اسے ہر پھر کر وہیں لے آئیں جہاں سے چلا تھا۔ اس کا مقصد تو مدینہ اور اطراف مدینہ ہی میں رہنا تھا تاکہ مسلمانوں کے جنگی انتظامات اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھے اور قریش کے لئے اطلاعات فراہم کرے۔

غزوۂ بنی نضیر

(۴ ہجری)

ماہ صفر ۴ھ میں قبیلہ بنی عامر کا ایک سردار ابو براء نجد سے مدینہ میں آیا۔ پیغمبرؐ اکرم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ مجھے اسلام کے قبول کرنے میں کوئی باک نہیں ہے لیکن بہتر یہ ہو گا کہ آپؐ مسلمانوں کی ایک جماعت میرے ہمراہ نجد روانہ کریں جو وہاں کے باشندوں کو دعوت اسلام دے۔ فرمایا کہ اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ میرے آدمیوں کو گزند پہنچائیں گے کہا کہ وہ میری پناہ میں ہوں گے اور میں ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔ آنحضرتؐ نے ستر صحابیوں کو جو عابد و پرہیزگار اور صلاح و تقویٰ میں ممتاز تھے ایک مکتوب دے کر نجد روانہ

گیا۔ انہوں نے سرزمین نجد میں پہنچ کر برِ معونہ میں منزل کی اور حرام
ابن ملحان کو آنحضرتؐ کا مکتوب اقدس دے کر ابو برار کے بھتیجے عامر
ابن طفیل کے پاس بھیجا۔ اس دشمن خدا نے خط کا پڑھنا تو درکنار اس کے
لینے سے بھی انکار کر دیا۔ حرام ابن ملحان نے یہ صورت عناد دیکھی تو کہا کہ
مجھے امان دی جائے تاکہ میں کچھ کہہ سکوں۔ ابھی وہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ
عامر ابن طفیل کا اشارہ پا کر ایک شخص نے ان کی پشت پر نیزہ مارا جو سینہ
کو چیر کر نکل گیا۔ آپ زمین پر گرے اور روح ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔

اس قتل ناروا کے بعد عامر نے اپنے قبیلہ والوں کو بر معونہ میں
مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی مگر انہوں نے ابو برار کے عہد و
پیمان کی بناء پر اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے دو چار دوسرے
قبیلوں کی مدد سے مسلمانوں کے گرد گھیرا ڈالا اور دو آدمیوں کے علاوہ سب
کو قتل کر دیا۔ ان دو میں سے ایک کعب بن زید تھے جنہیں مقتول سمجھ کر چھوڑ
دیا گیا اور دوسرے عمرو بن امیہ تھے جنہیں اسیر کر لیا گیا اور بعد میں عامر ابن
طفیل نے اپنی ماں کی ایک نذر کے سلسلہ میں انہیں آزاد کر دیا عمرو ابن امیہ
مدینہ واپس آتے ہوئے قرقرۃ الکدر میں پہنچے تو بنی عامر کے دو آدمیوں کو دیکھ
کر ان کی تاک میں لگ گئے اور جب وہ ایک درخت کے سایہ میں سو گئے
تو اپنے ساتھیوں کے قصاص میں انہیں قتل کر دیا اور مدینہ چلے آئے یہاں
پہنچ کر معلوم ہوا کہ ان دونوں کو رسول اللہ تحریراً امان دے چکے تھے آنحضرتؐ
اس واقعہ پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ جو کچھ ہوا ہے غلطی کی بناء پر ہوا ہے ہمیں
ان دونوں کا خونبہا دینا چاہیئے۔

پیغمبرؐ اسلام قبائل یہود بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنی نضیر سے باہمی تعاون

اور سازگاری کا معاہدہ کئے ہوئے تھے آپؐ نے چاہا کہ ان دونوں مقتولوں کے خونبہا کے سلسلہ میں بنی نضیر سے کچھ رقم بطور قرض یا بطور اعانت لیں۔ چنانچہ زردیت کی بابت انہیں پیغام بھجوایا۔ انہوں نے کہلوا بھیجا کہ آپ ہمارے مہمان ہوں اور جیسا فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ پیغمبرؐ چند صحابہ کے ہمراہ بنی نضیر کی آبادی میں جو مدینہ سے متصل تھی تشریف لے گئے اور ان کی گڑھی کے باہر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ بنی نضیر پہلے ہی سے بدنیت تھے انہوں نے ایک شخص عمرو ابن جحاش کو کہا کہ وہ اس دیوار پر چڑھ کر جس کے نیچے آنحضرتؐ تشریف فرما ہیں ایک بڑا سا پتھر اوپر گرا دے تاکہ پیغمبرؐ کا کام تمام ہو جائے۔ الہام غیبی نے پیغمبرؐ کو آگاہ کیا اور آپؐ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ واپس آ گئے اور محمد ابن مسلمہ کے ذریعہ انہیں پیغام بھیجا کہ تم نے غداری و بدعہدی کی ہے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میرے قتل کا اقدام کیا ہے لہٰذا دس دن کے اندر اندر اپنا تمام جمع جتھا سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤ اور کسی دوسری جگہ پر سکونت اختیار کرو۔ بنی نضیر نے پیغمبرؐ کا یہ تہدیدی حکم سنا تو وہ خائف و مرعوب ہو کر فوراً مدینہ کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے مگر عبداللہ ابن ابی نے جو ان کا معاہد و حلیف تھا انہیں کہلا بھیجا کہ تم اپنے گھروں میں دلجمعی سے بیٹھے رہو اور کسی دوسری جگہ جانے کا ارادہ ترک کر دو۔ میں دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا اور اس موقع پر بنی قریظہ بنی غطفان اور ان کے حلیف قبائل بھی تمہارے ساتھ تعاون کریں گے اور تمہیں بے گھر اور بے در نہ ہونے دیں گے۔ بنی نضیر نے اپنی پشت پر معاون و مددگار دیکھے تو جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور آنحضرتؐ کو کہلوا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں کو خالی نہیں کریں گے اور نہ یہاں سے

کہیں اور جائیں گے۔ آپ سے جو بن پڑتا ہے کیجیے۔ یہ ایک طرح سے دعوت جنگ و قتال تھی جس پر خاموش نہ رہا جا سکتا تھا آنحضرتؐ نے ایک مختصر اُسا لشکر ترتیب دیا اور ان کے قلعوں کی طرف حرکت کی۔

طبری نے لکھا ہے۔

کانت رایتہ یومئذ مع علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

اس دن علم پیغمبرؐ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں میں تھا۔

(تاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۲۲۶)

بنی نضیر نے جب سپاہ اسلام کو آتے دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے قلعہ کے گرد محاصرہ ڈال دیا۔ بنی نضیر نے اپنے گرد گھیرا دیکھا تو قلعہ کے اندر سے تیر اور پتھر برسانے شروع کر گئے مگر محاصرہ اٹھانے میں کامیاب نہ ہو سکے ایک رات چند یہودی قلعہ سے باہر نکلے تاکہ مسلمانوں پر تیر باراں کر کے انہیں محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کر دیں۔ ان میں سے ایک شخص نے پیغمبرؐ کا خیمہ تاک کر تیر چلایا آنحضرتؐ نے کھلی جگہ کی بجائے ایک پہاڑی کے دامن میں خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ ادھر پیغمبرؐ نے جگہ تبدیل کی ادھر حضرت علیؓ چپکے سے اس تیر انداز کا پتہ لگانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ صحابہ نے حضرتؑ کو نہ دیکھا تو پیغمبرؐ سے پوچھا کہ علیؓ کہاں ہیں؟ فرمایا کسی کام سے گئے ہوں گے ابھی آتے ہونگے اتنے میں حضرت علیؓ ایک یہودی کا سر لئے ہوئے آئے اور پیغمبرؐ کے قدموں میں ڈال کر کہا کہ یہ ہے وہ بد بخت جس نے آپؐ کے خیمہ پر تیر چلایا تھا۔ یہ یہودیوں کا مشہور تیر انداز غلول ہے اور ابھی اس کے نو ساتھی قلعہ کے باہر گھوم پھر رہے ہیں۔ اگر چند آدمی میرے ساتھ چلیں تو انہیں بھی پکڑ کر لایا جا سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے ابو دجانہ، سہل ابن حنیف اور دو چار آدمی آپؓ کے

ساتھ کر دیئے۔ آپؑ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ ان یہودیوں کو قلعہ بند ہونے سے پہلے گھیرے میں لے لیا اور وہیں پر سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بنی نضیر نے جب یہ دیکھا کہ ان کے چند آدمی مارے گئے ہیں اور نہ بنی غطفان و بنی قریظہ مدد کو آئے ہیں اور نہ عبداللہ ابن ابی کے دو[2] ہزار آدمیوں کا کچھ پتہ ہے تو انہوں نے شکست و ہزیمت کا اعتراف کرتے ہوئے آنحضرتؐ کو پیغام بھجوایا کہ اگر آپؐ ہماری جان بخشی کر دیں تو ہم اس سرزمین کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں اسلحہ جنگ ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہتھیاروں کے علاوہ وہ جو چیزیں لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں چنانچہ یہود نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو مسمار کیا مکانوں کے دروازے کھڑکیاں اور وہ جو کچھ لاد سکتے تھے چھ سو اونٹوں پر لادا اور گاتے دف بجاتے ہوئے چل دیئے ان میں سے کچھ لوگ شام کے علاقہ کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ جس میں سلام ابن ابی الحقیق، کنانہ ابن ربیع اور حیی ابن اخطب بھی شامل تھے، مدینہ سے جانب غرب خیبر میں آکر آباد ہو گئے۔

بنی نضیر کی زمینیں اور باغات مال فے ہونے کی بنا پر پیغمبرؐ کی ملکیت قرار پائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔

كانت اموال بنی النضیر مما افاء الله علی رسوله ولم یوجف المسلمون علیه بخیل ولا رکاب فکانت له خالصة

بنی نضیر کے اموال جو اللہ نے اپنے رسول کو دلوائے وہ رسولؐ اللہ

کی ملکیت خاصہ تھے اس لئے کہ انہیں حاصل کرنے میں مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔

(فتوح البلدان ۲۶)

یہ واقعہ ربیع الاوّل سکہ ہجری میں غزوہ احد کے چھ ماہ بعد ہوا۔

غزوۂ احزاب

سنہ ہجری

بنی نضیر مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر میں آبسے مگر ان کی شرپسند طبیعتوں نے انہیں نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ جلاوطنی کا بدلہ لینے کے لئے ہمہ وقت بے چین رہتے اور غم و غصہ سے پیچ و تاب کھاتے۔ خود تو ان میں اتنا دم خم نہ تھا کہ اہل اسلام کا مقابلہ میں صف آرا ہوتے اور ان سے نمٹنے میں کامیاب ہو جاتے انہوں نے اپنی عسکری قوت کو بڑھانے کے لئے ہاتھ پیر مارے اور یہ طے کیا کہ قریش کو اپنے ساتھ ملا کر اور مختلف قبائل سے فوجی امداد لے کر مدینہ پر چڑھائی کی جائے اور مسلمانوں کو اس طرح کچل دیا جائے کہ وہ آئندہ سر نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ ان کے بیس آدمی جن میں حیی ابن اخطب، کنانہ ابن ربیع، سلام ابن مشکم اور سلام ابن ابی الحقیق بھی شامل تھے اور بنی وائل کے چند سردار مکہ آئے ابوسفیان اور دوسرے سرداران قریش سے جنگ کے سلسلہ میں بات چیت کی۔ قریش اسلام دشمنی میں یہود سے کم نہ تھے۔ دونوں نے اپنے سینے دیوار کعبہ سے مس

کر کے اور قسمیں کھا کر باہم عہد و پیمان کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھیں گے۔ جب تک ان کا استیصال نہیں ہو جاتا جب قریش سے قول و قرار ہو چکا تو یہودنے بنی غطفان کا رخ کیا اور ان کو بھی طمع و لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح بنی کنانہ اور دوسرے قبائل سے ساز باز کر کے چار ہزار کی جمعیت فراہم کر لی اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیۓ نکل کھڑے ہوئے راستے میں بنی سلیم بنی اسد، بنی فزارہ، بنی مرہ اور بنی اشجع کے لشکر آ آ کر ملتے رہے اور بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ ان کے پاس سواری و بار برداری کے لیۓ تین سو گھوڑے اور چار ہزار اونٹ تھے اور اسلحہ جنگ اور سامان رسد بھی فراوانی سے تھے۔

ان اسلام دشمنوں نے اگرچہ اپنی جنگی تیاریوں کو پوشیدہ رکھ کر بے خبری میں حملہ کرنا چاہا تھا۔ مگر بنی خزاعہ کے چند سواروں کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ کو ان کی پیش قدمی کی اطلاع ہو گئی آپؐ نے کثرت و قوت کو دیکھتے ہوئے صحابہ کو جمع کیا اور دفاع کے طریق کار کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ سلمان فارسیؓ نے کہا کہ اہل عجم کا دستور ہے کہ جدھر سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے ادھر خندق کھود لیتے ہیں۔ ہمیں بھی اسی طریق کار پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ خندق ہمارے لیۓ دفاعی قلعہ کا کام دے گی۔ اور دشمن اسے بآسانی عبور کر کے یکبارگی حملہ آور نہ ہو سکے گا۔ اس تجویز پر عام طور پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا اور آنحضرتؐ نے بھی اسے پسند فرماتے ہوئے اس پر عملدر آمد کا حکم دے دیا۔ مدینہ تین اطراف سے مکانوں کی دیواروں پہاڑیوں اور نخلستان کی وجہ سے

محفوظ تھا۔ البتہ شرقی جانب سے کوئی روک نہ تھی اور ادھر ہی سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا۔

آنحضرتؐ نے عورتوں اور بچوں کو مدینہ کی مختلف گڑھیوں میں ٹھہرا دیا اور خود تین ہزار صحابہ کے ساتھ کوہ سلع کے دامن میں قیام فرما ہوئے اور مدینہ کے اسی رخ پر خطوط کھینچ کر خندق کے حدود قائم کیئے اور تقسیم کار کے اصول پر مہاجرین وانصار کے دس دس آدمیوں پر چالیس چالیس ہاتھ زمین تقسیم کردی صحابہ نے کمریں کس لیں اور پھاوڑے اور کدال لے کر پوری سرگرمی سے زمین کی کھدائی شروع کردی۔ آنحضرتؐ نے خود بھی بنفس نفیس اس میں حصہ لیا اور شام وروم اور فارس ویمن پر اسلامی پرچم لہرانے کی پیشین گوئی فرمائی۔

عرب خندق اور اس کی تعمیر وساخت سے ناواقف تھے سب سے پہلے فریدون کے پوتے منوچہر نے جنگی تدابیر کے سلسلہ میں خندق ایجاد کی تھی اور عرب میں اس کی داغ بیل سلمان فارسی کے مشورہ کے بعد پڑی اس لیئے وہی اس کے ناظر ونگران قرار دیئے گئے۔ آپ کا کام صرف دیکھ بھال ہی نہ تھا۔ بلکہ اس مستعدی سے زمین کھودتے تھے کہ تنہا ان کا کام دس آدمیوں کے برابر ہوتا تھا۔ اسی مہارت اور کام کی تیز رفتاری کو دیکھ کر مہاجرین اور انصار نے انہیں اپنے گروہ میں شامل کرنا چاہا چنانچہ مہاجرین نے کہا کہ سلمان منا "سلمان ہم میں سے ہیں" اور انصار نے کہا کہ سلمان منا "سلمان ہم میں سے ہیں" پیغمبرؐ اکرم نے سنا تو فرمایا۔

سلمان منا سلمان منا اھل البیت۔

سلمان ہمارے ہیں سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں۔

(تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۲۲)

بہر حال مسلمان جو گنتی میں تین ہزار تھے رات دن کام کر کے ایک سرے سے دوسرے تک پانچ گز چوڑی پانچ گز گہری اور ساڑھے تین میل لمبی خندق کھود کر تیار کرلی۔ آنحضرتؐ نے خندق کے اندرونی کنارے پر آٹھ حفاظتی چوکیاں قائم کیں اور ہر چوکی پر ایک انصاری اور ایک مہاجر کی زیر نگرانی چند افراد متعین کر دیئے تاکہ دشمن اگر خندق عبور کرنے کی کوشش کرے تو اس پر سنگباری کر کے اسے آگے بڑھنے سے روک دیں۔ جب یہود اور مشرکین نواحِ مدینہ میں پہنچے تو خندق کو اپنے راستے میں حائل دیکھ کر بہت سٹپٹائے اور کہنے لگے :-

واللہ ان ھذہ لمکیدة ما کانت العرب تکیدھا۔

خدا کی قسم یہ ایسی چال ہے جو اب تک عرب نے نہ چلی تھی۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳ صہ ۲۳۵)

یہود و قریش اپنی فوجی برتری اور ہتھیاروں کی فراوانی کی بناء پر یقین رکھتے تھے کہ وہ مدینہ پہنچتے ہی مسلمانوں کو گھیرے میں لے کر تلوار کی باڑھ پر رکھ لیں گے۔ مگر اس نئی جنگی تدبیر نے ان کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے سوچے سمجھے منصوبے خاک میں ملا دیئے اور ان کی کثرت و قوت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کمی وضعف حالی کا بڑی حد تک تدارک کر دیا۔

پیغمبرؐ اسلام نے مدینہ میں جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا ان میں یہود کا ایک قبیلہ بنی قریظہ بھی تھا اور وہ معاہدہ کی رو سے پابند تھے کہ دشمن کے خلاف مسلمانوں سے تعاون کریں۔ ابوسفیان کو یہ فکر ہوئی کہ اگر بنی قریظہ معاہدہ کی بناء پر مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے تو ان کی قوت و طاقت بڑھ جائے گی لہذا انہیں کسی نہ کسی طرح معاہدہ شکنی پر اکسانا چاہیے چنانچہ اس نے بنی نضیر کے ایک

سردار حیی ابن اخطب کو ان کے ہاں بھیجا تاکہ انہیں مسلمانوں کے تعاون سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ حیی بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کی گڑھی پر آیا جو مدینہ کی مشرقی سمت واقع تھی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ کعب نے پوچھا کہ کون ہے کہا میں حیی ابن اخطب ہوں۔ کعب سمجھ گیا کہ وہ اس طرح چوری چھپے کس مقصد سے آیا ہے اس نے دروازہ کھولنے اور بات چیت کرنے سے انکار کردیا حیی نے کہا کہ تم دروازہ کھولو میں تمہیں یہ خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ قریش اور تمام قبائل عرب مسلمانوں سے لڑنے کے لئے متحد ہو چکے ہیں۔ اگر تم سرخروئی اور عرب میں نیکنامی چاہتے ہو تو مسلمانوں کے خلاف ہمارا ساتھ دو۔ کعب نے کہا کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر و نیکی اور وفائے عہد کے علاوہ کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ہم بلاوجہ عہد شکنی نہیں کریں گے اور تو ہمارے لئے نیک نامی کا پیغام لے کر نہیں آیا بلکہ ہمیں رسوا و ذلیل کرنا چاہتا ہے اور قبائل عرب کے جس متحدہ محاذ پر تو اترا رہا ہے وہ اس ابر تیز رو کے مانند ہے جو گرجتا ہے اور بن برسے چھٹ جاتا ہے۔ حیی نے کہا کہ مہمان کے لئے دروازہ بند رکھنا عرب کی خصلت نہیں ہے تم دروازہ کھولو اور مجھ سے رو در رو بات کرو حیی کے اصرار پر کعب نے دروازہ کھول دیا اور دونوں میں پھر بحث چھڑ گئی نتیجہ یہ ہوا کہ حیی نے اپنی چرب زبانی سے اسے بہلا پھسلا کر اپنا ہم خیال بنا لیا اور بنی قریظہ سے وعدہ کیا کہ یہود و قریش کے پسپا ہونے کی صورت میں اگر ان پر کوئی افتاد پڑی تو وہ انہیں مصیبت میں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ بلکہ انہیں کے ہاں فروکش رہے گا اور جو حشر ان کا ہو گا وہی اس کا ہو گا۔ چنانچہ پیغمبر سے کیا ہوا تحریری معاہدہ چاک کر دیا گیا اور بنی قریظہ علانیہ قریش کے معاون اور مددگار بن گئے۔

جب پیغمبرؐ اکرم کو بنی قریظہ کی بدعہدی و عہد شکنی کا علم ہوا تو آپؐ
نے سعد بن معاذ کو ان کے ہاں بھیجا تاکہ انہیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائیں
اور معاہدہ کی خلاف ورزی سے روکیں مگر سعد کے سمجھانے بجھانے کا ان پر
کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم کسی کو جانتے پہچانتے
نہیں ہیں اور نہ ہمارا کسی سے کوئی معاہدہ ہے یہ لوگ چونکہ مدینہ کے اندر ہی
آباد تھے اس لئے شہر میں رہ جانے والے بچوں اور عورتوں کے لئے مستقل
خطرہ بن گئے۔ مسلمان سخت ہراساں اور پریشانی و کشمکش کے عالم میں تھے
ایک طرف دشمن کا محاصرہ شدت اختیار کئے ہوئے تھا اور دوسری طرف بنی قریظہ
کے نقض عہد سے کفار کا دباؤ بڑھ گیا تھا اس دوطرفہ یلغار کے نتیجہ میں مسلمانوں
کے خوف و اضطراب کا نقشہ قدرت نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

اذ جاءوکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار و
بلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا هنالک ابتلی المومنون
وزلزلوا زلزالا شدیدا۔

"جس وقت وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے کی طرف
سے آپڑے اور جس وقت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور دل کھنچ کر گلوں میں
آگئے اور تم خدا کے متعلق مختلف گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت
آگیا اور انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑ دیا گیا۔"

اس موقع پر مسلمانوں کو گھبراہٹ ہونا ہی چاہیئے تھی جب کہ دشمن کی دل
بادل فوجیں گھیرا ڈالے پڑی تھیں اور شہر کے اندر بنی قریظہ گھات لگائے بیٹھے
تھے۔ پھر مسلمانوں میں ایک اچھی خاصی تعداد منافقوں اور تھوڑے مسلمانوں کی
بھی تھی جو خود بھی ڈرے سہمے جا رہے تھے اور دوسروں میں بھی بد دلی اور

بے حوصلگی پیدا کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حیلے بہانے کر کے میدان سے کھسکنا شروع کر دیا اور پیغمبرؐ سے کہا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں چوری کا اندیشہ ہے ہمیں اپنے گھروں میں واپس جانے کی اجازت دی جائے چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

واذ قالت طائفة منهم يا اهل يثرب لا مقام لكم فارجعوا و يستاذن فريق منهم النبي ويقولون ان بيوتنا عورة وما هي بعورة ان يريدون الا فرارا۔

اور جب ان میں کا ایک گروہ کہنے لگا کہ اے اہل مدینہ تمہارا یہاں کوئی ٹھکانا نہیں لہذا پلٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبرؐ سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہتا تھا کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں حالانکہ وہ خالی اور غیر محفوظ نہ تھے وہ تو اس بہانے سے بھاگنا چاہتے تھے۔

یہاں تک کہ معتب ابن قشیر جو بدری ہونے کا امتیاز رکھتا تھا یہ کہہ دیا کہ:۔

کان محمدؐ یعدنا ان ناکل کنوز کسریٰ وقیصر واحدنا الیوم لا یامن علی نفسه ان یذهب الی الغائط۔

"محمدؐ ہم سے یہ وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ و قیصر کے خزانوں پر ہاتھ صاف کریں گے اور آج یہ حالت ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے جانا چاہے تو وہ اپنی جان کو محفوظ نہیں سمجھتا۔"

(سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۲۳)

البتہ کچھ مخلص ارباب ایمان ایسے بھی تھے جو نہ دشمن کی کثرت کو خاطر میں لاتے تھے اور نہ سختیوں سے دوچار ہونے سے گھبراتے تھے بلکہ شدائد و آلام میں

گھر گران کا یقین و ایمان بڑھتا اور خود اعتمادی کا جوہر نکھرتا جاتا تھا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

ولما راا لمومنون الاحزاب قالوا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔

جب سچے ایمانداروں نے کفار کے جتھوں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور جذبہ اطاعت اور زیادہ ہو گیا۔

مسلمانوں کے لئے یہ کڑی آزمائش کا وقت تھا سردی کی شدت اور فاقوں کی سختی سے خستہ و بے حال ہو چکے تھے اور کفار بھی پڑے پڑے اکتا گئے گئے تھے انہیں محاصرہ کئے ستائیس دن ہو چکے تھے اور خندق کے حائل ہونے کی وجہ سے دست بدست جنگ کی نوبت نہ آئی تھی صرف پتھروں اور تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا ہے جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی طرح پہرہ داروں کی نظروں سے بچ کر خندق پار کریں اور مسلمانوں کو تلواروں کی زد پر رکھ لیں۔ چنانچہ ان کے چند سردار دیکھتے بھالتے ہوئے خندق کے ایک ایسے حصہ پر پہنچے جو کم چوڑا تھا اور اس کی حفاظت کا بھی کوئی اہتمام نہ تھا انہوں نے اندازہ کر لیا، کہ یہاں سے گھوڑوں کو مہمیز کر کے خندق کو عبور کیا جا سکتا ہے اس کام کے لئے قریش کے نامور شہسوار عمرو ابن عبدود عامری، عکرمہ ابن ابی جہل، حسل ابن عمرو، ہنبہ ابن عثمان، ضرار ابن خطاب فہری، نوفل ابن عبداللہ اور ہبیرہ ابی وہب منتخب کئے گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور خندق کو پھلانگنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس منزل کے سر ہونے

سے کفار کے پژمردہ ولولوں میں کچھ توانائی آئی اور ابوسفیان اور خالد بن ولید نے فوراً لشکر کی صف بندی کی تاکہ شہسواروں کے جوہر شجاعت دکھانے کے بعد فوجوں کو خندق کے اس پار اتاریں اور جنگ مغلوبہ شروع کر دیں۔ ان پھلانگنے والوں میں یوں تو سب ہی آزمودہ کار اور جنگ آزما تھے مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر اور نامور شمشیر زن عمرو ابن عبدود تھا جو عماد عرب اور فارس یلیل کے نام سے پکارا جاتا تھا میدان کارزار میں ایک مخصوص علامت سے پہچانا جاتا تھا اسے فارس یلیل اس لئے کہا جاتا کہ اس نے اس مقام پر ایک ہزار قزاقوں کو پسپا کر دیا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے پیغمبرؐ اکرم سے بیان کیا تھا یارسولؐ اللہ میں ایک کاروان تجارت میں شریک ہو کر شام جا رہا تھا اور یہ بھی ہمارا ہمسفر تھا۔ جب ہمارا قافلہ مقام یلیل پر پہنچا تو ایک ہزار رہزنوں نے قافلہ پر حملہ کر دیا تمام اہل قافلہ اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر یہ اپنی جگہ سے نہ ہٹا اور اس طرح جی توڑ کر لڑا کہ رہزنوں کو بھاگتے ہی بن پڑی اور قافلہ صحیح وسالم منزل پر پہنچ گیا۔ اس واقعہ کے بعد عرب کے دلوں پر اس کی شجاعت اور شمشیر زنی کی ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ اکیلا ہزار کے برابر سمجھا جانے لگا۔ ہزار آدمیوں کے برابر سمجھے جانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی شرکت سے فوج کا حوصلہ اتنا بڑھ جاتا تھا جیسے ایک ہزار کا اس میں اضافہ ہو گیا ہو۔ جب اس نے آگے بڑھ کر پکارا کہ میرے مقابلہ میں کون آتا ہے تو کسی طرف سے کوئی جواب نہ ملا اور نہ کسی کو اس کے مقابلہ میں آنے کی جرأت ہوئی۔ پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا کہ "کون ہے جو اس کتے کو جواب دے" حضرت علیؑ خندق کا کنارا چھوڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا انالہ، یا نبی اللہ" یارسولؐ اللہ میں اس کا مقابلہ کروں گا، فرمایا

بیٹھو شاید کوئی اور اس کے مقابلہ کی ہمت کرے مگر جب کوئی صدا بلند نہ ہوئی تو آنحضرتؐ نے دوبارہ فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اس کا مدمقابل ہو اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائے حضرت علی نے پھر اجازت مانگی۔ فرمایا ابھی ٹھہرو۔ عمرو پھر للکارا اور کہا کون ہے جو میرے مقابلہ کو آتا ہے مگر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ جب عمرو تیسری مرتبہ للکارا اور کوئی بڑھ کر اس کے سامنے نہ آیا تو اس نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانو!

تمہاری جنت کیا ہوئی جس میں تمہیں مر کر جانا ہے اور وہ دوزخ کیا ہوا جو مرنے کے بعد ہمارا ٹھکانہ ہے آؤ یا تم جنت میں جاؤ یا مجھے دوزخ میں بھیجو۔ پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سپاہ اسلام کے قریب آ کر رجز پڑھنے لگا۔

ولقد بححت من الندا بجمعکم ھل من مبارز ۞ ووقفت اذ جبن المشیع موقف البطل المناجر

چیختے چیختے میری آواز بیٹھ گئی ہے میں ان مقامات پر ایک بہادر جنگجو کی طرح جم کر لڑتا ہوں جہاں اچھے اچھے شجاع کمزوری دکھاتے ہیں۔

وکذاک انی لم ازل مستوعا نحو الھزا لھز

ان الشجاعۃ فی الفتی والجود من خیر الغرائز

جنگ کی طرف میرے قدم تیزی سے بڑھتے ہیں اور ایک جوانمرد کی سب سے بڑی خوبی سخاوت اور شجاعت ہی ہے۔

عمرو کے بار بار للکارنے پر ایک سناٹا تھا جو ہر طرف چھایا ہوا تھا ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھتے اور چپ سادھ لیتے اور کسی کو ہمت اور جرأت نہ ہوتی کہ آگے بڑھ کر للکارتا اور اس کا غرور توڑتا۔ تاریخ نگاروں نے اس وقت کی خاموشی اور بے حسی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

کان علیٰ رووسہم الطیر۔ (گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے تھے۔

(یہ ایک مثل ہے جو اس موقع پر بولی جاتی ہے جب کوئی شخص دشمن کے للکارنے یا جواب طلب کرنے پر سر نہواڑے خاموش رہے چنانچہ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے۔ اذحلت بنولیث عکاظا ؛ رایت علی رؤوسھم الغرابا

اذحلت بنو لیث عکاظا ۔ رائیت علی رؤوسہم الغرابا

اس کی اصل یہ ہے کہ جب اونٹ کے سر یا کسی حصہ جسم پر کوئی زخم آتا ہے اور کھجلی کی وجہ سے اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں تو وہ سر نیچے ڈال کر کسی گوشہ میں الگ تھلگ بیٹھ جاتا ہے اور پرندے اس کے سر و جسم پر بیٹھ کر ان کیڑوں کو چننے لگتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اپنے سر کو جنبش نہیں دیتا اور نہ سر اوپر اٹھاتا ہے تاکہ پرندے اڑ نہ جائیں اس سے یہ مثل اس شخص کے لئے چل نکلی جو سر نیچے ڈالے چپ چاپ بیٹھا رہے۔

حضرت علیؑ نے جب کفر کی مبارز طلبی اور مسلمانوں کی خاموشی دیکھی تو پیچ و تاب کھاتے ہوئے اٹھے اور پیغمبرؐ اکرم سے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اب مجھے اس سے دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت دیجئے۔

اس سے پہلے پیغمبرؐ دو مرتبہ علیؑ کو روک چکے تھے یہ روکنا اس بنا پر نہ تھا کہ آپ عمرو کے مقابلہ میں انہیں کمزور ناتواں سمجھتے تھے بلکہ آنحضرتؐ یہ چاہتے تھے کہ انہیں روک کر دوسروں کی ہمت و جوانمردی کی آزمائش کریں اور دیکھیں کہ کس کی رگ حمیت پھڑکتی اور خون شجاعت جوش مارتا ہے اگر عمرو کی پہلی ہی للکار پر علیؑ کو اجازت دے دیتے تو دوسرے کہہ سکتے تھے

کہ ہم بھی مقابلہ کے لئے تیار تھے مگر علیؓ کے میدان میں اتر آنے سے ہم خاموش ہوگئے اور ہمیں زور آزمائی کا موقع نہ مل سکا۔ مگر عمرو کی پیہم للکار پر سکوت و بے حسی نے ان کی ہمت و شجاعت کا پردہ چاک کر دیا اس عمومی آزمائش کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کی جرات و خود اعتمادی کا جوہر نمایاں کرنے کے لئے ان سے کہا:۔

ھٰذا عمرو ابن عبد ود فارس یلیل۔

یہ شہسوار یلیل عمرو ابن عبدود ہے۔

آپ نے کہا اگر وہ عمرو ہے تو ہوا کرے ہیں بھی تو ابن ابی طالب ہوں آنحضرتؐ نے علی کے سر پر اپنا عمامہ سحاب، رکھا اپنی زرہ ذات الفضول پہنائی کمر میں ذوالفقار باندھی اور بارگاہ احدیت میں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا۔

اللھم انك اخذت منی عبیدۃ یوم بدر وحمزۃ یوم اُحد فاحفظ علی الیوم علیا رب لاتذرنی فردًا وانت خیر الوارثین۔

خداوندا تو نے عبیدہ کو بدر کے دن اور حمزہ کو احد کے دن اٹھالیا اب ایک علی ہیں، تو ان کی حفاظت فرما۔ پروردگارا مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو بہترین وارث ہے۔"

(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ صہ ۳۴۴)

ادھر حضرت علیؓ نے پیغمبرؐ سے اجازت لے کر میدان کا رخ کیا ادھر آنحضرتؐ کی زبان سے یہ کلمات فضا میں گونجے۔

برز الایمان کلہ الی الشرك کلہ۔

"کل ایمان کل شرک کی طرف بڑھ رہا ہے۔"

آپ نے آگے بڑھ کر عمرو کو للکارا اور اس کے رجزیہ اشعار کے جواب

میں فرمایا:

لا تعجلن نقد اتاك مجیب صوتك غیر عاجز

ذونیة وبصیرة والصدق منجی کل فائز

"ٹھہرو تمہاری للکار کا جواب دینے والا آگیا ہے جو کہ کمزور نہیں ہے وہ صاحب عزم و بصیرت ہے اور سچائی ہی ہر رستگار کے لئے وجہ کامرانی ہے

انی لا رجوان اقیم علیك نا ئحة الجنائز

من ضربة تفنی و یبقی ذکرھا عند الھزاھز

"مجھے امید ہے کہ میں تمہارے لئے بین کرنے والی عورتوں کا بندوبست کروں گا ایسی ضرب سے جو اپنا کام کر کے مٹ جائے گی مگر اس کا تذکرہ ہمیشہ معرکوں میں ہوتا رہے گا۔

اب دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑے ہو گئے عمرو نے دستور عرب کے مطابق پوچھا کہ میرا حریف و مدمقابل کون ہے ؟ حضرت نے فرمایا میں ہوں علی ابن ابی طالب ۔ عمرو نے کہا کیا لشکر اسلام میں تمہارے اعمام میں سے کوئی نہیں ہے جو مجھ سے لڑنے کے لئے آتا تم ابو طالب کے بیٹے ہو اور وہ میرے دوست تھے میں نہیں چاہتا کہ اپنے کے بیٹے پر ہاتھ اٹھاؤ اور اسے قتل کر دوں لہذا تم واپس جاؤ اور کسی بڑے کو میرے مقابلہ کے بھیجو تاکہ تمہارے بجائے وہ میرے ہاتھ سے قتل ہو۔

حضرتؑ نے فرمایا:

لکن واللہ احب ان اقتلك "۔

لیکن میں تو تمہارا خون بہانا پسند کرتا ہوں "۔

اہلسنت کے مشہور عالم مصدق ابن شبیب کہتے ہیں کہ عمرو نے ابو طالب

سے اپنی دوستی کا اظہار محض اپنی جان بچانے کے لئے کیا تھا کیونکہ وہ جنگ بدر میں دیکھ چکا تھا کہ جو بھی علی کے مقابلہ میں نکلا وہ اپنی جان سلامت لے کر واپس نہ آسکا۔ اس لئے اس نے چاہا کہ علی سے لڑنے کی نوبت نہ آئے اور ان کے بجائے کسی اور سے مقابلہ ہو۔ میدان میں اترنے کے بعد جنگ سے پہلو تہی تو کر نہیں سکتا تھا اس لئے ابوطالب کی دوستی کی آڑلی تاکہ لڑے بھی نہیں اور اس کی کمزوری پر پردہ بھی پڑا رہے

جب عمرو نے دیکھا کہ حیلے بہانوں سے جان چھڑانا مشکل ہے تو لڑنے پر تیار ہو گیا۔ حضرت نے دیکھا کہ وہ خود پیادہ ہیں اور عمرو سوار ہے۔ اور پیادہ ہمیشہ سوار کی زد میں ہوتا ہے آپ نے چاہا کہ اسے بھی گھوڑے سے نیچے اتروالیں۔ فرمایا اے عمرو میں نے سنا ہے کہ اگر حریف میدان جنگ میں تم سے تین باتوں کی درخواست کرتا ہے تو تم ایک ضرور مان لیتے ہو۔ کہا ہاں۔ فرمایا پھر میری پہلی خواہش یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرو تاکہ مجھے تم سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ پڑے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کروں۔

فرمایا کہ پھر میری دوسری خواہش یہ ہے کہ تم اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر واپس چلے جاؤ۔ کہا میدان سے منہ موڑنا مردوں کا کام نہیں ہوتا میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ عورتیں میرے فرار پر مجھے طعنے دیں اور میری شجاعت پر حرف رکھیں۔

فرمایا اگر تم یہ بھی نہیں مانتے تو میری آخری خواہش یہ ہے کہ تم گھوڑے سے نیچے اترو اور مجھ سے جنگ کرو!

یہ سن کر عمرو غصہ سے پیچ و تاب کھاتا ہوا نیچے اترا اور اترتے ہی گھوڑے

کے پیروں پر تلوار چلائی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ بظاہر یہ ایک بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر ایسا نہیں ہے اس کا مقصد یہ تاثر دینا تھا کہ میں نے گھوڑے کے پاؤں کاٹ کر اپنے لئے فرار کی راہ بند کر دی ہے اب قتل کئے یا قتل ہوئے بغیر میدان سے ہٹنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور یہ غرض بھی ہوسکتی ہے کہ اس طرح اپنی قوت وطاقت اور تیغ زنی کا بھی مظاہرہ کر کے حریف کو مرعوب و متاثر کرے تاکہ وہ مقابلہ سے جی چھوڑ بیٹھے کیونکہ نفسیاتی حیثیت سے اگر حریف کو اپنی قوت و توانائی سے متاثر کر لیا جائے تو اس کی قوت و مقاومت مضمحل ہو جاتی ہے اور بآسانی اس پر قابو پایا جا سکتا ہے مگر حضرت علیؑ بڑے سے بڑے بہادر و شہزور کو نظر میں نہ لاتے تھے وہ اس سے کیا مرعوب و متاثر ہوتے اور نہ ایمان کی یہ شان ہے کہ وہ کفر کے مقابلہ میں کمزور پڑ جائے آپ نے عمرو کے مظاہرہ شمشیر زنی کو پر کاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دی اور اسے موقع دیا کہ وہ پہلے حملہ کرے چنانچہ وہ تلوار لے کر حضرت پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے سپر پر اس کا وار روکا مگر عمرو بھی بلا کا تیغ زن تھا روکتے روکتے بھی تلوار کا اچٹتا ہوا وار آپ کے سر پر لگا اور پیشانی خون سے رنگیں ہوگئی۔ اب تیغ ایمان بار رگ کفر کو کاٹنے کے لئے بے نیام ہوئی اور آپ جوابی حملہ کے لئے زخمی شیر کی طرح جھپٹے اور اس کے پیروں پر اس طرح تلوار ماری کہ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ عمرو لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ حضرت نے تکبیر کا نعرہ لگایا اور اس کے سینہ پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا۔ صحابہ گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکے تھے۔ جب تکبیر کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ علیؑ فاتح و کامران ہوئے اور عمرو مارا گیا اتنے میں گرد کا دامن پھٹا تو لوگوں نے یہ منظر دیکھا کہ علیؑ مرتضیٰ ایک ہاتھ میں شمشیر

خون آشام اور دوسرے ہاتھ میں عمرو کا لہو میں ڈوبا ہوا سر لئے اس طرح جھومتے چلے آرہے ہیں جس طرح شیر ہلکی پھوار میں بل کھاتا ہوا چلتا ہے اور زبان پر یہ ترانہ گونج رہا ہے ،

انا علی و ابن عبد المطلب

الموت خیر للفتی من الهرب

"میں علی ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں ۔ جوانمرد کے لئے بھاگنے سے موت بہتر ہے ۔"

علیؑ کو اس طرح آتے دیکھ کر کچھ لوگوں نے کہا کہ علیؓ تو آج بڑی رعونت سے چل رہے ہیں ۔ پیغمبرؐ نے سنا تو فرمایا کہ میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ کو یہی چال پسند ہے غرض جب کفر و ایمان کا معرکہ سر کے پیغمبرؐ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو آنحضرتؐ نے انہیں سینہ سے لگایا اور اس کی اس عظیم خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا :۔

ضربة علیؑ یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین ۔

خندق کے دن علیؓ کی ایک ضربت جن و انس کی عبادت پر بھاری ہے

(مستدرک حاکم ج ۳ صہ ۳۲)

حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علیؓ نے عرب کی عام روش کے خلاف نہ عمرو کی زرہ اتاری ہے اور نہ اس کی تلوار خود وغیرہ پر قبضہ کیا ہے تو ان سے کہا "هلا سلبت درعه یا علی" اے علیؓ آپ نے عمرو کی زرہ کیوں نہ اتاری " فرمایا مجھے حیا آئی کہ میں اس کی لاش کو برہنہ کر کے زرہ اتاروں ۔ یہ تھی حضرت علیؓ کی سیر چشمی و بلند نگاہی کہ جہاں مال غنیمت مجاہد کی سب سے بڑی کمزوری ہے وہاں علیؓ کی بلند کرداری و عالی ظرفی کا جوہر یوں نمایاں ہوتا ہے

کہ نہ جذبہ جہاد میں طمع دنیوی کی آمیزش ہونے پاتی ہے اور نہ مقتول کی بیش قیمت زرہ پر نظر پڑتی ہے اس موقع کے لئے ایک عرب شاعر نے کہا ہے

ان الاسود اسود الغاب همتها

یوم الکریهة فی المسلوب لا السلب

"معرکہ کارزار میں شیران بیشہ شجاعت کی پرعزم نگاہیں دشمن کی طرف اٹھتی ہیں نہ مالِ غنیمت کی طرف۔"

حضرتؓ کی اس بلند نظری کا اعتراف عمرو کی بہن نے بھی کیا۔ چنانچہ جب اس نے یہ سنا کہ قاتل نے عمرو کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اور اس کی زرہ تک نہیں اتاری تو کہا " ما قتله الاکفو کریم "۔ اس کا قاتل کوئی شریف اور عالی ظرف انسان ہے۔" پوچھا کہ اس کا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ علی ابن ابی طالب۔ یہ سن کر اس نے برجستہ یہ دو شعر پڑھے؛ ؎

لو کان قاتل عمرو غیر قاتله　　لکنت ابکی علیه آخر الابد

"اگر عمرو کا قاتل علیؓ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں رہتی دنیا تک اس پر روتی۔"

لکن قاتله من لا یعاب به　　من کان یدعی ابوه بیضة البلد

مگر اس کا قاتل تو وہ ہے جس میں کوئی برائی نہیں ہے اور جس کا باپ سردار مکہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔"

عمرو کے مارے جانے سے اس کے ساتھیوں کے قدم اکھڑ گئے اور پھر کسی کو مبارز طلبی کی جرأت نہ ہوسکی سب کے سب بدحواسی کے عالم میں خندق کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر گھیر ڈالا اور عمرو کے بیٹے حسل پر تلوار ماری اور اسے وہیں پر ڈھیر کر دیا نوفل ابن عبداللہ

خندق کو پھاندتے ہوئے اس میں گرا۔ کچھ لوگوں نے اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر پتھر برسانا شروع کئے۔ اس نے کہا کہ اگر مجھے مارنا ہی چاہتے ہو تو ذلت سے نہ مارو۔ تم میں سے کوئی نیچے اترے اور مجھ سے لڑے۔ حضرت علیؓ خندق میں اترے اور ایک ہی ضرب میں اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ بنہ ابن عثمان خندق کو عبور کرتے ہوئے کسی کا تیر کھا کر زخمی ہوا اور مکہ پہنچ کر مر گیا۔ عکرمہ نے اپنا نیزہ پھینک کر اپنا بوجھ ہلکا کیا اور ہبیرہ کے ساتھ خندق پھاند کر لشکر گاہ میں پہنچ گیا۔ ضرار ابن خطاب فہری کو حضرت عمرؓ نے بھاگتے دیکھا تو اس کا پیچھا کیا۔ ضرار نے پلٹ کر حملہ کرنا چاہا تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہیں اس نے ہاتھ روک لیا اور یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا کہ اے عمرؓ میرے اس احسان کو یاد رکھنا اور خندق کو پھاند کر اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ یہ لوگ اپنے کشتوں کو تو ساتھ لے جا نہیں سکتے تھے۔ کفار نے آنحضرتؐ کو پیغام بھجوایا کہ عمرو اور نوفل کے لاشے ہمارے حوالے کر دیئے جائیں ہم اس کے عوض زرِ نقد کی صورت میں دینے کو تیار ہیں۔

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ھو لکم ما نا کل ثمن الموتی" "یہ تمہارا ہی مال ہے۔ ہم مردے بیچ کر نہیں کھایا کرتے" انہیں اجازت مل گئی تو وہ لاشے اٹھا کر لے گئے۔

ان چند نامور سورماؤں کے مارے جانے اور چند کے پسپا ہونے سے کفار کی ہمتیں پست ہو گئیں اور پھر کسی کو جرأت نہ ہو سکی کہ خندق کو پھاند کر آگے بڑھے یا صدائے ھل من مبارز بلند کرے۔ خوراک کی قلت اور رسد کی نایابی کی وجہ سے ان کی حالت پہلے ہی نازک تھی۔ اب وہاں پر پڑے رہنا ہلاکت و تباہی کو دعوت دینا تھا وہ محاصرہ اٹھانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ

اس اثناء میں ایک رات سخت طوفان باد و باراں آیا جس نے کفار کے خیمہ و خرگاہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اونٹوں اور گھوڑوں نے رسیاں تڑوالیں اور ادھر ادھر بکھر گئے۔ چولہوں پر چڑھی ہوئی دیگیں الٹ گئیں۔ کھلا میدان سخت سردی آندھی اور جھکڑ کا زور ایک کو ایک سجھائی نہ دیتا تھا اور نہ کسی کو کسی کا ہوش تھا۔ اب اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ محاصرہ اٹھا کر اپنی راہ لیں چنانچہ ابوسفیان نے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنا بے سود ہے اتنے دن ہم محاصرہ ڈالے پڑے رہے مگر نقصان ہی اٹھایا اب مناسب یہ ہے کہ ہم ڈیرے خیمے اٹھا لیں اور یہاں سے چل دیں یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسروں نے اسے جاتے دیکھا تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور راتوں رات میدان صاف ہو گیا۔ صبح کو جب مسلمانوں نے میدان خالی پایا تو دشمن کی پسپائی پر اللہ کا شکر بجالائے اور فتح و کامرانی کے نعرے لگاتے ہوئے خوش خوش اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔

اس معرکہ میں مشرکین کے چار آدمی مارے گئے جن میں سے عمرو ابن عبد ود، نوفل ابن عبداللہ اور حسل ابن عمرو حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور منبہ ابن عثمان زخمی ہو کر بھاگا اور مکہ پہنچ کر ختم ہو گیا۔ مسلمانوں نے صرف اتنا کیا کہ نوفل جب خندق میں گرا تو اس پر پتھر مارے اور منبہ پر دور سے تیر چلائے اور حضرت عمرؓ نے ضرار ابن خطاب کا پیچھا کیا مگر انہیں خود ہی ایک طرح سے اس کا ممنون احساس ہونا پڑا۔ کفار کے ان مانے ہوئے شجاعتوں سے نمٹنے والے صرف حضرت علیؓ تھے جنہوں نے ضرب یداللہی سے عمرو و نوفل ایسے سورماؤں کو قتل کر کے انہیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور مشرکین کا زور ایسا توڑا کہ آئندہ وہ مدینہ پر چڑھائی کی جرأت نہ کر سکے۔ ان کا دم خم جاتا رہا تاب و

مقاومت چھن گئی اور اپنی ناکامی ونامرادی پر صبر کر کے گھروں کے گوشوں میں بیٹھ گئے۔

غزوۂ خندق اور محاربۂ طالوت وجالوت میں بڑی حد تک مماثلت و مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے اس محاربہ کی بھی مختصر کیفیت درج کی جاتی ہے تاکہ دونوں کے مشترکہ پہلوؤں کو واضح کیا جاسکے۔ جالوت فرعونوں مصر کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کا فرمانروا تھا۔ اور اپنے ظلم وجور سے رعایا کا جینا مشکل کر رکھا تھا۔ بنی اسرائیل نے اس دور کے بنی اشموئیل سے کہا کہ ہم لوگ تو جالوت کے ظلم وتشدد سے تنگ آچکے ہیں آپ اس کی ستم رانیوں سے ہمیں چھٹکارا دلائیں۔ اشموئیل نے قدرت کے ایماء سے طالوت کو جو غریب اور نادار سقائی کا پیشہ کرتا تھا حکومت وشاہی کے لئے منتخب کیا۔ بنی اسرائیل اس پر معترض ہوئے اور کہا کہ طالوت میں خوبی ہی کون سی ہے نہ اس کا کوئی رعب و دبدبہ ہے اور نہ اس کے پاس مال ودولت ہے وہ ہم پر کیا حکومت کرے گا۔ اشموئیل نے جو جواب دیا وہ قرآن مجید کے ان لفظوں میں مذکور ہے

قال ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم واللہ یؤتی ملکہ من یشاء۔

کہا خدا نے اسے تم پر فوقیت و فضیلت دی ہے اور علم کی وسعت اور جسم کا پھیلاؤ بھی اسی کا زیادہ کیا ہے اور خدا جسے چاہتا ہے اسے اپنا ملک دیتا ہے۔"

قدرت کے اس ارشاد سے حاکم کے طریق کار اور معیار حکومت پر بھی روشنی پڑتی ہے اللہ جسے چاہتا ہے اسے مقرر کرتا ہے اور یہ تقرر دولت و ثروت اور شان وشکوہ کی بناء پر نہیں ہوتا بلکہ فضیلت علم اور کمال شجاعت کی بناء پر عمل

میں آتا ہے۔

جب جالوت نے یہ دیکھا کہ حکومت طالوت کی طرف منتقل ہو رہی ہے تو وہ لشکر و سپاہ کو لے کر میدان جنگ میں اتر آیا۔ طالوت بھی بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین سے نکل کھڑا ہوا اور اردن کے علاقہ میں دشمن کی فوجوں کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ طالوت کے ہمراہیوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ انہوں نے جب جالوت کی انبوہ در انبوہ فوجوں کو دیکھا تو ان پر خوف و ہراس چھا گیا اور جب جالوت ہاتھی پر سوار ہو کر للکارتا ہوا میدان میں آیا تو کوئی بھی اس سے زور آزمائی کے لئے تیار نہ ہوا۔ طالوت نے جب اپنے ہمراہیوں کی کمزوری اور بزدلی کو دیکھا تو ان سے کہا کہ تم میں سے جو اسے قتل کرے گا میں آدھا ملک اس کے پائے نام کردوں گا اور اپنی بیٹی بھی اس کے عقد میں دوں گا مگر کسی کو اس کڑیل گراں کڑیل سے لڑنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت اشموئیل نے کہا کہ یہ اس کے ہاتھوں سے قتل ہو گا جو لاوی ابن یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہو گا۔ اور حضرت موسیٰؑ کی زرہ اس کے جسم پر ٹھیک اترے گی۔ چنانچہ لاوی ابن یعقوب کی اولاد میں سے ایشا سے کہا گیا کہ وہ اپنے دسوں بیٹوں کو پیش کرے جب وہ آئے تو ان میں سے ہر ایک نے زرہ پہن کر دیکھی مگر زرہ کسی کے جسم پر ٹھیک نہ بیٹھی۔ آخر میں اس کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت داؤدؑ کو پہنائی گئی جب زرہ ان کے قد و قامت پر راست آئی تو ان سے کہا گیا کہ آپ ہی جالوت سے سر بر ہو سکتے ہیں اور کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ حضرت داؤدؑ زرہ پہن کر جالوت کے سامنے آئے۔

جالوت نے انہیں دیکھ کر کہا۔

یا هذا الصبی انت مع صغر سنك تبارزنی۔

اے صاحبزادے تم اس سن و سال میں مجھ سے لڑو گے۔"

(بدائع الزہور۔ صہ ۱۵۹)

کہا کہ ہاں میں لڑنے کے لئے آیا ہوں۔ جب حضرت داؤد نے اسے مارنے کے لئے گوپھن میں پتھر رکھا تو اس نے کہا کہ تم مجھے اس طرح مارو گے جس طرح کتے کو مارا جاتا ہے کہا ہاں کہ "لانك اشر من الكلب" اس لئے کہ تم کتے سے بھی بدتر ہو" جناب داؤد نے گوپھن کو حرکت دے کر اس زور سے پتھر پھینکا کہ اس کے سر کو توڑتا ہوا نکل گیا۔ جالوت زمین پر گرا اور گرتے ہی ختم ہو گیا۔ جالوت کے مرنے سے اس کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی اس حسن کارکردگی کے صلہ میں حضرت داؤد کو بڑی طالوت کی سلطنت ملی اور اس کے داماد بھی ہوئے۔

اب غزوہ خندق کا اس محاربہ سے موازنہ کیجیئے اور دیکھیئے کہ ان دونوں میں کتنی مشابہت پائی جاتی ہے خندق میں مسلمانوں کی سپاہ کم اور کفار کی تعداد کئی گنا زائد تھی اسی طرح طالوت کی فوج مختصر اور اس کے مقابلہ میں جالوت کا لشکر صحرائے اردن پر محیط تھا جس طرح مسلمان دشمن کی کثرت و قوت سے ہراساں تھے اسی طرح سپاہ طالوت پر خوف و ہراس چھایا ہوا تھا جس طرح عمرو اسلحہ سج کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر مبارز طلب ہوا اسی طرح جالوت زرہ بکتر سے آراستہ اور ہاتھی پر سوار ہو کر میدان میں آیا جس طرح عمرو کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے علاوہ کسی کو ہمت نہ ہوئی اسی طرح جالوت کے مقابلہ میں حضرت داؤد کے علاوہ کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔ جس طرح حضرت داؤد دشمن کے مقابلہ میں پیادہ تھے اسی طرح حضرت علیؑ حریف کے مقابلہ میں پیادہ پا تھے۔ جس طرح حضرت داؤد کے بدن پر حضرت موسیٰ کی زرہ ٹھیک اتری

اسی طرح حضرت علیؓ کے جسم پر پیغمبرؐ کی زرہ پوری آئی جس طرح حضرت داؤدؑ اپنے بھائیوں میں سب سے کمسن تھے اسی طرح حضرت علیؓ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ جس طرح داؤدؑ کی عمر تیس برس تھی اسی طرح حضرت علیؓ کا سن تیس برس کے لگ بھگ تھا جس طرح جالوت نے حضرت داؤدؑ کی صغیر سنی پر اعتراض کیا اسی طرح عمرو حضرت علیؓ کی کم سنی پر معترض ہوا۔ جس طرح انبیاء میں حضرت داؤدؑ بڑے جنگجو اور بہادر تھے اسی اولیاء میں حضرت علیؓ جوانمردی و شجاعت میں فرد فرید تھے۔

شیخ علی علاؤالدین نے تحریر کیا ہے۔

امام المبارزین من الانبیاء داؤد علیہ السلام ومن الاولیاء علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

انبیاء میں داؤد علیہ السلام اور اولیاء میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنگ آزماؤں کے امام و سرخیل تھے۔

(محاضرۃ الاوائل صہ ۲۰۲)

جس طرح پیغمبرؐ نے عمرو کو کلب کے لفظ سے یاد کیا اس طرح حضرت داؤدؑ نے جالوت کو کتے سے بدتر قرار دیا۔ جس طرح جالوت کے مارے جانے سے تمام لشکر بھاگ کھڑا ہوا اسی طرح عمرو کے قتل ہونے سے مشرکین کے قدم اکھڑ گئے اور راتوں رات میدان خالی کر کے چل دیئے جس طرح عمرو کا قاتل داماد پیغمبرؐ اور وارث مسند خلافت تھا اسی طرح جالوت کا قاتل طالوت کی سلطنت کا وارث اور اس کا داماد قرار دیا۔ ان وجوہ مماثلت کو دیکھنے کے بعد حافظ یحییٰ ابن آدم کے اس قول کی واقعیت نمایاں ہو جاتی ہے۔

ما شبهت قتل علیؑ عمرا الا بقولہ تعالیٰ فهزموهم باذن الله

وقتل داؤد جالوت

علیؓ کے عمرو کو قتل کرنے کی تشبیہ کسی واقعہ سے دی جا سکتی ہے تو اس واقعہ سے جس کا تذکرہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔ "پھر ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے دشمنوں کو شکست دی اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا۔"

(سیرت دحلان برحاشیہ سیرۃ حلبیہ ج۲ ص۱۱)

غزوہ بنی قریظہ

ذیقعد ۵ھ ہجری

جب غزوہ احزاب یہود و مشرکین کے مشترکہ محاذ کی شکست و ہزیمت پر ختم ہوا تو پیغمبر اکرمؐ نے دشمن کے ناکام ہونے کے بعد بنی قریظہ کیطرف فوج بھیجنے کا ارادہ کیا۔ جنہوں نے حیی ابن اخطب کی باتوں میں آ کر مسلمانوں سے علانیہ غداری کی تھی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس غزوہ میں کھل کر حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے تیس خزرجیوں کا ایک ہراول دستہ حضرت علیؓ کی قیادت میں ان کی طرف بھیجا اور علم جنگ حضرت کے سپرد کیا۔

طبری نے لکھا ہے:۔

قدم رسول اللہ علی ابن ابی طالب برایتہ الی بنی قریظۃ

پیغمبر اکرمؐ نے علی ابن ابی طالب کو رایتِ جنگ دے کر بطور مقدمہ الجیش بنی قریظہ کی طرف بھیجا۔"

(تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۲۴۵)

بنی قریظہ کو یہ اندیشہ تو تھا ہی کہ اس بدعہدی و عہد شکنی کی پاداش میں ان سے مواخذہ ہوگا انہوں نے لشکر کفار کے پسپا ہونے کے بعد اپنے ایک قلعہ میں پناہ لے لی اور یہ سمجھ لیا کہ قلعہ سر کر لینا مسلمانوں کی قوت اور طاقت سے باہر ہے جب حضرت علیؓ ان کے قلعہ کے پاس پہنچے اور زمین میں نیزہ گاڑا تو انہوں نے آنحضرتؐ کی شان میں نازیبا کلمات کہے اور گالی گلوچ پر اتر آئے۔ آپ نے ان کی بدزبانی سنی تو واپسی کے ارادہ سے پلٹے تاکہ پیغمبرؐ کو قلعہ کے قریب جانے سے روک دیں۔ ابھی آپ راستے ہی میں تھے کہ آنحضرتؐ تشریف لے آئے حضرت علیؓ نے کہا کہ آپؐ قلعہ کے پاس نہ جائیں۔ فرمایا اس لئے کہ وہ دشنام طرازی پر اتر آئے ہیں؟ عرض کیا کہ ہاں فرمایا کہ جب وہ مجھے دیکھیں گے تو بدزبانی کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

آنحضرتؐ نے ان کے ہاں پہنچ کر انہیں تنبیہہ و سرزنش کی اور قلعہ کے سامنے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کو اپنے حصار میں لے لیا اور قلعہ والوں پر آمد و رفت کی راہیں بند کر دیں۔ ان محصورین میں حیی بن اخطب بھی شامل تھا جس نے بنی قریظہ سے وعدہ کیا کہ وہ شکست کی صورت میں انہی کے ہاں ٹھہرے گا اور جو افتاد ان پر پڑے گی اس میں برابر کا شریک ہوگا۔

رئیس بنی قریظہ کعب بن اسد نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا ہے تو اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا تذکرہ آسمانی کتابوں کے اندر موجود ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ ہم ان کی نبوت کا اعتراف کر کے اسلام قبول کریں اور اپنے جان و مال کا تحفظ کر لیں۔ انہوں نے اس مشورہ کو در خور اعتناء نہ سمجھا اور اسلام قبول

کرنے سے انکار کر دیا۔ کعب نے کہا کہ اگر تم تبدیلئ مذہب کے لئے تیار نہیں ہو تو اپنے بچوں اور عورتوں کو ٹھکانے لگاؤ اور قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرو اس صورت میں تمہارے ذہن بچوں اور عورتوں کی فکر سے خالی ہوں گے اور پوری یکسوئی اور تندہی سے لڑ سکو گے۔ انہوں نے یہ بات بھی نہ مانی اور کہا کہ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کے خون سے ہاتھ رنگین نہیں کریں گے۔ کہا کہ پھر میری رائے یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے اور مسلمانوں کو یہ سان گمان بھی نہ ہو گا کہ آج کی شب ان پر حملہ ہو سکتا ہے۔ لہذا ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر شب خون مارو۔ کہا کہ ہم سبت کی بے حرمتی گوارا نہیں کر سکتے جب کہ ہمارے دین و آئین کے خلاف ہے کہا کہ پھر تم عقل اور خرد سے عاری اور اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو۔

یہود کو محاصرہ میں گھرے ہوئے پچیس دن ہو چکے تھے وہ اتنے دنوں تک تیر اور پتھر برساتے رہے مگر مسلمانوں کا حصار توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے جب محاصرہ کی شدت سے تنگ آگئے تو انہوں نے بناش ابن قیس کے ذریعہ پیغمبرؐ سے درخواست کی کہ ہم ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ہماری جان بخشی کی جائے اور ہمیں اپنی عورتوں بچوں اور ہتھیاروں کے علاوہ اپنا مال واسباب اونٹوں پر بار کر کے لے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہمیں یہ منظور نہیں ہے کہا کہ پھر ہم اپنا مال واسباب یہیں چھوڑے دیتے ہیں ہمیں صرف عورتوں اور بچوں کو لے کر نکل جانے کی اجازت دی جائے فرمایا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا بلکہ تمہیں غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو ہمارے سپرد کرنا ہو گا اور ہم جو مناسب سمجھیں گے فیصلہ کریں گے۔ بناش نے پلٹ کر بنی قریظہ کو آنحضرتؐ کے جواب سے آگاہ کیا انہوں نے رسولؐ خدا کو پیغام بھیجا

کہ ابولبابہ انصاری کو ہمارے پاس بھیجیئے تاکہ ہم ان سے بات چیت کر کے کوئی آخری فیصلہ کریں۔ آنحضرتؐ نے ابولبابہ کو ان کے ہاں بھیجا۔ کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیں؟ ابولبابہ نے زبان سے تو ہاں کہا کہ ساتھ ہی اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ اگر تم نے اپنے آپ کو پیغمبرؐ کے سپرد کر دیا تو سب کے سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔ انہوں نے ابولبابہ کا اشارہ پا کر اپنے آپ کو پیغمبرؐ کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔

ابولبابہ کی یہ حرکت اصول رازداری کے خلاف اور ان کے منصب کے منافی تھی چنانچہ انہیں قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعہ تنبیہ کی گئی

یا ایھا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول ولا تخونوا اماناتکم وانتم تعلمون۔

"اے ایمان دارو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے معاملات میں خیانت نہ کرو اور نہ جانتے بوجھتے ہوئے امانتوں میں بد دیانتی کا ارتکاب کرو۔"

جب بنی قریظہ کو یہ احساس ہوا کہ غیر مشروط پر آنحضرتؐ کے فیصلہ پر انحصار کر لینے کا کیا نتیجہ ہو گا تو انہوں نے کہا:۔

ننزل علی حکم سعد ابن معاذ (تاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۲۴۹)

ہم سعد ابن معاذ کو ثالث تسلیم کرتے ہوئے ان کے فیصلہ پر انحصار کریں گے۔"

آنحضرتؐ نے بھی سعد ابن معاذ کو ثالث قرار دیئے جانے کی اجازت دے دی اس طرح کہ ان کا فیصلہ دونوں فریق کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔ ابن ہشام نے تحریر کیا ہے کہ جب بنی قریظہ نے اپنے آپ کو سپرد کرتے

سے انکار کیا تو حضرت علیؓ نے کہا۔

واللہ لاذوقن ماذاق حمزہ اولا فتحن حصنھم۔

خدا کی قسم میں یا تو شہید ہو جاؤں گا جس طرح حمزہؓ شہید ہوئے یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۵۱)

یہ کہہ کر زبیر ابن عوام کو ساتھ لیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔ بنی قریظہ نے انہیں حملہ کے ارادہ سے بڑھتے دیکھا تو بوکھلا اٹھے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے۔

یا محمدؐ ننزل علی حکم سعد ابن معاذ

"اے محمدؐ ہم سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔"

سعد ابن معاذ جنگ احزاب میں تیر سے زخمی ہو کر مسجد نبویؐ کے قریب رفیدہ انصاریہ کے خیمہ میں پڑے تھے۔ جب انہیں سواری پر لایا گیا تو بنی اوس نے انہیں گھیر لیا اور ان سے کہا کہ آنحضرتؐ نے بنی قریظہ کا فیصلہ آپ پر چھوڑا اور بنی قریظہ نے بھی آپ کو حکم مانا ہے وہ ہمارے معاہد و حلیف رہ چکے ہیں۔ لہٰذا ان سے نرمی و مروت کا برتاؤ کریں۔ سعد نے کہا کہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو حق و انصاف کا تقاضا ہے اور کسی کی رو رعایت نہیں کروں گا۔ سعد کے اس جواب سے لوگ سمجھ گئے کہ فیصلہ بنی قریظہ کے خلاف ہوگا اور انہیں کسی رعایت کا مستحق قرار نہ دیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ عورتوں کو کنیز اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے اموال و املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس فیصلہ پر عملدرآمد ہوا اور ان کے مرد قتل کر دیئے گئے

عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا گیا۔ اور مال تقسیم کر دیا گیا۔
قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق ارشاد ہے۔

وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقا تقتلون وتاسرون فریقا و اورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم۔

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفار کی مدد کی تھی اللہ نے انہیں قلعوں سے نیچے اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب بٹھایا کہ تم لوگ ایک گروہ کو قتل کرنے لگے اور ایک گروہ کو اسیر بنانے لگے اور تمہیں ان لوگوں کی زمینوں گھروں اور ان کے اموال کا مالک بنایا۔"

بظاہر یہ سزا بڑی سخت اور انتہائی ہولناک نظر آتی ہے مگر حالات کا اگر جائزہ لیا جائے اور اس سزا کا پس منظر دیکھا جائے تو ایک متشدد سے متشدد معترض کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ واقعاً اس سزا کے مستحق تھے۔ آخر وہ کون سی جائز رعایت تھی جس سے پیغمبرؐ نے انہیں محروم کیا ہو یا کون سی نیکی تھی جو ان کے لئے روا نہ رکھی ہو اور وفائے عہد کے علاوہ کوئی چیز نہیں دیکھی آپؐ نے مدینہ میں قیام فرما ہونے کے بعد ان سے خصوصی مراعات برتیں امن اور صلح کا معاہدہ کیا اور اس کا احترام ملحوظ رکھا انہیں مذہبی آزادی دی جان جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور ان کے معاشی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ کیا اور جب بنی قریظہ نے معاہدہ شکنی کی اور ان کو مدینہ سے جلا وطن ہونا پڑا تو ان سے معاہدہ کی تجدید کر کے ان کے سابقہ حقوق برقرار رکھے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں جب بھی موقع ملا دغا فریب سے باز نہ آئے اور دشمن کے دست و بازو بن کر اسلام کی بربادی پر تلے رہے۔ چنانچہ جنگ بدر میں

میں دشمنوں سے سازباز کی اور ان کو ہتھیار بہم پہنچائے اور جنگ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف یہود و مشرکین سے بھرپور تعاون کیا اور ان ناشائستہ حرکات پر نادم و شرمسار ہونے کے بجائے کھلم کھلا بغاوت پر اتر آئے اور اپنی بدفطرتی کا ثبوت دیتے ہوئے پیغمبرؐ اکرم کو دشنام طرازیوں کا نشانہ بھی بنایا ان حالات میں اگر انہیں زندہ چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً اہل مدینہ کے لئے مستقل خطرہ بن جاتے اور بنی نضیر کی طرح جنہوں نے قریش کو اپنے ساتھ ملا کر لشکر کشی کی تھی یہ بھی دوسرے دشمنان اسلام سے مل کر اس کے خلاف فوج کشی کرتے اور جنگ و قتال سے مدینہ کے اطراف مدینہ کے امن عامہ میں خلل انداز ہوتے رہتے اور اس کے نتائج اتنے ہولناک ہوتے کہ ان کے مقابلہ میں چند افراد کا قتل کر دیا جانا چنداں اہمیت نہ رکھتا تھا اور پھر یہ دنیا جہان سے کوئی انوکھی سزا نہ تھی۔ اگر عالمی تاریخ بغاوت اور اس پر مرتب ہونے والی سزاؤں پر نظر کی جائے تو زمانہ قدیم سے لے کر اس متمدن دور تک جرم بغاوت پر کیا کیا سزائیں دی گئی ہیں اور ان میں کیا کیا کرب و ایذاء کے پہلو پیدا کئے گئے ہیں تو ان عہد شکن اور سرکش باغیوں کی سزائے قتل پر کوئی حیرت و استعجاب نہ ہوگا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ باغیوں کو ایسی ایسی سزائیں دی جاتی تھیں کہ جنہیں سن کر اب بھی انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ کولہو میں پیلنا، شکنجے میں کھینچنا، آگ میں جھونکنا ہاتھوں اور پیروں میں میخیں گاڑ کر الٹا لٹکانا بستیوں کی بستیاں جلا دینا، قبروں کو اکھیڑ کر لاشوں کو روندنا باغیوں کی عام سزا تھی۔ اس کے برعکس یہاں قتل کی سزا تو تجویز کی جاتی ہے مگر اس میں کوئی کرب افزا پہلو پیدا نہیں کیا جاتا بلکہ ایک عام طریقہ سے انہیں موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے چنانچہ اس بغاوت کا محرک اول اور اسلام کا دشمن اعظم حیی ابن اخطب جب قتل کے لئے حضرت علیؑ

کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اعتراف کرتا ہے "قتلہ شریفہ بید شریف " یہ ایک شریفانہ قتل ہے جو ایک شریف کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے" اور پھر حضرت سے یہ فرمائش کرتا ہے کہ مجھے قتل کر دیں تو میرا لباس اتار کر مجھے بے پردہ نہ کریں۔ جس پر حضرت ؑ نے فرمایا کہ دشمن کو قتل کرنے کے بعد اسے عریاں کرنا میرا شیوہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے معمول کے مطابق اسے قتل کرنے کے بعد اس کا لباس نہیں اتارا۔

معاہدہ حدیبیہ

ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری

مکہ رسول ؐ خدا کا آبائی وطن اور مولد و مسکن تھا۔ یہیں پر آپ ؐ نے زندگی کے ترپن برس گزارے اور یہیں پر پہلے پہل وحی الٰہی کا خوش آہنگ نغمہ سنا۔ اور پھر تیرہ برس تک یہ متبرک سرزمین وحی کی صداؤں سے گونجتی رہی اگرچہ اہل مکہ کے رویہ سے تنگ آکر آپ کو گھر بار چھوڑنا پڑا مگر اکثر مکہ کا تذکرہ اور اسے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کرتے رہے وطن کی محبت و کشش فطری ہے چاہے انسان کو وطن میں سکون و آرام میسر ہو یا شدائد و محن سے واسطہ پڑا ہو وہ اس کی یاد سے اپنے دل و دماغ کو خالی نہیں رکھ سکتا۔ اس فطری و طبعی وابستگی کے علاوہ دینی و مذہبی اعتبار سے بھی اس سرزمین سے ایک خصوصی لگاؤ تھا۔ اسی سرزمین میں خانہ کعبہ اور دوسرے مشاعر واقع تھے۔ جن سے فریضہ حج وابستہ ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے ان کی تعظیم و تقدیس ضروری ہے

یہ تڑپ صرف رسولؐ خدا ہی کے دل میں نہ تھی بلکہ صحابہ کے دلوں میں بھی مکّہ کے در و دیوار کو دیکھنے کی لگن تھی۔ انہیں مکہ چھوڑے ہوئے چھ برس ہو چکے تھے اور اب اس سرزمین پر قدم رکھنے اور عمرہ و طواف کرنے کے لئے بے قرار تھے۔ ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے اپنے خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہوئے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں یہ سن کر صحابہ کی بے چینی بڑھ گئی۔ انہوں نے پیغمبرؐ اکرم سے مکہ جانے اور عمرہ و طواف بجالانے کے لئے اصرار کیا۔ قریش کی طرف سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ عمرہ و طواف نہ بجا لانے دیں گے مگر جنگ احزاب کے نتیجہ میں ان کے سکوت سے یہ سمجھا گیا کہ ان کے جنگی ولولے سرد پڑ گئے ہوں گے اور اب عمرہ و طواف ایسی چیز ہے جس کی ہر فرد اور ہر مذہب کو عمومی اجازت مانع نہ ہوگی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے صحابہ کے اصرار اور ان کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے مکہ جانے کا ارادہ کر لیا اور مدینہ کے گرد و پیش کے لوگوں کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی کچھ لوگ اس خیال سے رک گئے کہ کہیں پھر جنگ نہ چھڑ جائے اور کچھ لوگ جن کی تعداد چودہ سو یا پندرہ سو پچیس تھی آنحضرتؐ کے ہمرکاب جانے کے لئے تیار ہو گئے آپ اس جمعیت کو لے کر روز دوشنبہ اول ماہ ذی قعدہ ۶ھ ہجری کو مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے قربانی کے ستر اونٹ ساتھ لے لئے وادی ذی الحلیفہ سے احرام باندھے اور ہتھیار اتار کر رکھ دیئے تاکہ قریش کو اطمینان ہو جائے کہ مسلمانوں کے پیش نظر جنگ و قتال نہیں ہے بلکہ صرف آداب و رسوم زیارت بجالانا ہے۔

پیغمبرؐ اکرم اور صحابہ کی ہیئت اور ان کے سر و سامان سے صاف ظاہر تھا کہ وہ لڑائی کے لئے نہیں جا رہے ہیں مگر قریش نے گوارا نہ کیا کہ انہیں مکہ میں داخل

ہونے اور مراسم زیارت بجالانے دیں چنانچہ جب یہ کارروان وادی عسفان کے قریب پہنچا تو بسر ابن ابی سفیان کعبی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا قریش آپؐ کی آمد کی خبر سن کر وادی ذی طوی میں جمع ہو چکے ہیں اور خالد ابن ولید کو ایک دستہ سپاہ کے ساتھ کراع الغمیم کی جانب بھیج دیا ہے تاکہ آپؐ کو آگے بڑھنے اور مکہ میں داخل ہونے سے روکے۔

آنحضرتؐ نے وہ راستہ چھوڑ دیا اور ثنیۃ المرار کی طرف سے ہوتے ہوئے حدیبیہ میں جو مکہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا اور اس کی نسبت سے آس پاس کی زمین اس نام سے موسوم ہو گئی تھی اتر پڑے۔ ادھر خالد ابن ولید نے مسلمانوں کی جمعیت دیکھی تو اس نے پلٹ کر قریش کو اطلاع دی کہ مسلمانوں نے راستہ تبدیل کر لیا ہے اور حدیبیہ کی طرف چل دیئے ہیں۔ قریش نے بدیل ابن ورقا خزاعی کو بنی خزاعہ کے چند آدمیوں کے ہمراہ آنحضرتؐ سے گفت و شنید کے لئے بھیجا۔ اس نے حدیبیہ میں پہنچ کر آنحضرتؐ سے کہا کہ آپؐ مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر دیں اور یہیں سے واپس چلے جائیں اگر آپؐ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو قریش مزاحم ہوں گے اور کسی صورت میں آپ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہم خانہ کعبہ کا طواف اور مراسم زیارت بجالانے کے لئے آئے ہیں۔ قریش کو ہماری طرف سے مطمئن رہنا چاہیئے ہم نہ جنگ کے ارادہ سے آئے ہیں اور نہ جنگ لڑیں گے بدیل نے پلٹ کر آنحضرتؐ کا پیغام قریش کو پہنچایا۔ قریش نے کہا کہ یہ مانا کہ ان کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے پھر بھی ہم انہیں حدود مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اگر وہ سینہ زوری سے داخل ہونے کی کوشش کریں گے تو ہم پوری طاقت اور قوت سے انہیں روکیں گے۔ عروہ ابن مسعود ثقفی نے کہا کہ اس میں ہمارا کیا

بگڑتا ہے کہ وہ آئیں، عمرہ اور طواف بجالائیں اور پھر پلٹ جائیں۔ قریش نے کہاکہ عرب اسے ہماری کمزوری پر محمول کریں گے اور ہم دوسروں کو اپنی کمزوری کا تاثر نہیں دینا چاہتے۔ عروہ نے کہاکہ مجھے پھر اجازت دی جائے کہ میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات چیت کرکے اس معاملہ کو سلجھاؤں قریش نے اسے اجازت دی اور وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہاکہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قریش آپؐ کا قبیلہ وخاندان ہے فرض کیجیئے کہ آپؐ نے ان کا قلع قمع کر دیا تو یہ عرب کی پہلی مثال ہوگی کہ کسی نے اپنے قوم وقبیلہ کو تباہ وبرباد کیا ہو۔ قریش یہ نہیں چاہتے کہ آپ مکہ میں داخل ہوں۔ اگر آپؐ نے زبردستی داخل ہونے کی کوشش کی تو اس کا لازمی نتیجہ جنگ ہے اور جب جنگ چھڑے گی تو یہی لوگ جو آپؐ کے گرد وپیش منڈلاتے نظر آرہے ہیں بھاگ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے اسے ایک غلیظ سی گالی دی اور کہاکہ ہم کبھی رسول خدا کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ عروہ نے پوچھاکہ یہ کون ہے اسے بتایا گیاکہ ابوبکرؓ ہیں۔

کہا اے ابوبکرؓ تمہارا ایک احسان مجھے یاد ہے اگر وہ احسان نہ ہوتا تو میں اس بدزبانی کا تمہیں جواب دیتا۔ عروہ کے ضبط وحلم اور احسان شناسی نے بات بڑھنے نہ دی ورنہ ممکن تھاکہ وہ مشتعل ہو کر بات ادھوری چھوڑ دیتا اور پلٹ کر قریش کو بھڑکاتا اور انہیں لڑائی پر ابھارتا۔ آنحضرتؐ نے اس کی متوازن طبیعت کا اندازہ کر لیا اور اس کے منصفانہ جذبات کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایاکہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہمیں عمرہ وطواف سے روکا جائے اور قربانی کے اونٹوں کو کعبہ تک لے جانے سے منع کیا جائے۔ ہم نہ جنگ کے ارادہ سے آئے ہیں اور نہ زبردستی جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں۔ عروہ آنحضرتؐ کی صلح پسند

گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور پلٹ کر قریش سے کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پر شکوہ درباروں کو دیکھا ہے مگر جو شان و شکوہ اور عقیدت و احترام کا جذبہ یہاں دیکھا ہے وہ کہیں نظر نہیں آیا ہمیں چاہیئے کہ انہیں عمرہ اور طواف سے نہ روکیں اور پر امن رہتے ہوئے انہیں مکہ میں آنے کی اجازت دیں۔ مگر قریش نے اس کی ایک نہ سنی اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ جلیس ابن علقمہ نے جب معاملہ رو براہ ہوتے نہ دیکھا تو کہا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں حالات کا جائزہ لے کر مناسب تجویز پیش کرو۔ قریش نے اسے اجازت دی اور وہ حدیبیہ کی جانب روانہ ہوا جب اس نے مسلمانوں کے پڑاؤ کے قریب قربانی کے اونٹ دیکھے جو بھوک کے مارے بلبلا رہے تھے اور لبیک اللّٰھم لبیک کی آوازیں سنیں تو وہیں سے پلٹ آیا اور قریش سے کہا کہ ان لوگوں کو طواف و زیارت کعبہ سے روکنا زیادتی ہے اور کوئی وجہ جواز نہیں ہے کہ ہم مراسم زیارت کی بجا آوری سے مانع ہوں مگر قریش ٹس سے مس نہ ہوئے۔

حلیس نے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی دیکھی تو کہا۔

یا معشر قریش واللہ ما علیٰ ھٰذا حالفناکم ولا علیٰ ھذا عاقدناکم ان تصدوا عن بیت اللہ من جاءہ معظما لہ

اے گروہ قریش ہم تمہارے حلیف سہی مگر ہم نے اس بات پر تم سے عہد و پیمان نہیں باندھا تھا کہ جو خانہ کعبہ کے مراسم تعظیم بجا لانے کے لئے آئے تم اسے روکو اور آنے سے منع کرو۔"

(تاریخ طبری ج ۲ صہ ۲۷۲)

جب ان سفارتوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو آنحضرتؐ نے خراش ابن امیہ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے قریش کے ہاں بھیجا تاکہ انہیں اطمینان دلائیں کہ پیغمبرؐ

کا مقصد جنگ نہیں ہے بلکہ عمرہ و زیارتِ کعبہ کے لئے آئے ہیں خراش نے مکہ پہنچ کر
قریش سے بات چیت کی اور ان سے کہا کہ وہ طواف و مراسم زیارت کے بجا
لانے میں رکاوٹ نہ ہوں مگر قریش نے ان کی بات نہ مانی اور ان کے قتل کے
درپے ہوگئے۔ حلیس اور اس کے زیر اثر قبائل نے جب یہ دیکھا کہ قریش
انہیں قتل کیا چاہتے ہیں تو وہ ان کے سینہ سپر ہوگئے اور انہیں تلواروں
کے نرغہ سے نکال کر واپس بھیج دیا۔ البتہ قریش نے اپنی ذہنی شکست خوردگی
کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنحضرتؐ کا اونٹ کاٹ ڈالا۔ قریش نے اسی پر بس نہ
کی بلکہ پچاس سرپھروں کو آنحضرتؐ کی قیامگاہ کی طرف بھیجا تاکہ مسلمانوں کو ہراساں
کرکے واپسی پر مجبور کردیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے پڑاؤ کے قریب
پہنچ کر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کردی۔ مسلمان اتنے بے دست وپا
نہ تھے کہ ان سے مغلوب ہوجاتے انہوں نے گھیرا ڈال کر ان سب کو گرفتار کر
لیا اور پیغمبر اکرمؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے امن پسندی کا ثبوت دیتے
ہوئے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اور سب کو رہا کر دیا اور حضرت عمرؓ کو بلا کر
کہا کہ تم مکہ جا کر قریش کو واضح طور پر بتاؤ کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ
طواف کعبہ اور مراسم زیارت بجا لانے کے لئے آئے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

لیس بمکة من بنی عدی من یمنعنی وقد علمت قریش عداوتی
بها وغلظتی علیها واخافها علی نفسی فارسل عثمان
فهو اعز بها منی۔

مکہ میں میرے قبیلہ بنی عدی کی کوئی ایسی فرد نہیں ہے جو میری
حفاظت کا ذمہ لے اور قریش سے میری عداوت اور ان کے خلاف میری

عداوت اور ان کے خلاف میری سختی و تشدد پسندی ڈھکی چھپی ہوئی نہیں
ہے مجھے تو ان سے اپنی جان کا خطرہ ہے آپ عثمان کو بھیج دیجئے وہ مجھ
سے زیادہ با اثر ہیں۔"

(تاریخ کامل۔ ج ۲۔ صد ۱۳۸)

اب پیغمبرؐ نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور انہیں اس کام پر مامور فرمایا اور
ان کے عقب میں دس مہاجرین کا ایک اور وفد بھیجا۔ جب یہ لوگ مکہ میں پہنچے
تو حضرت عثمانؓ نے ابو سفیان اور اکابر قریش کو آنحضرتؐ کی طرف سے پیغام
دیا کہ وہ بلا وجہ مزاحمت نہ کریں جب کہ وہ زیارت کعبہ کے قصد سے آئے ہیں
اور قطعاً جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے مگر قریش نے ان کی بات سنی ان سنی
کر دی اور انہیں واپسی بھیجنے کے بجائے اپنے ہاں روک لیا۔ حضرت عثمان
نے تو اپنے ایک عزیز ابان ابن سعید کی حمایت حاصل کر کے اپنا تحفظ حاصل
کر لیا البتہ باقی ماندہ لوگ قریش کے رحم و کرم پر رہ گئے ان لوگوں کے مکہ
میں روک لئے جانے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ اور
دوسرے مہاجر قتل کر دیئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ نبیؐ اکرم کی طرف سے
بسلسلہ سفارت بھیجے گئے تھے اور سفیروں کا قتل مسلمہ بین الاقوامی آئین کے
خلاف تھا اس لئے اس غیر آئینی قتل پر مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی
اور کہنے لگے کہ ہم اس قتل کا بدلہ لئے بغیر مدینہ واپس نہیں ہوں گے۔ آنحضرتؐ
نے مسلمانوں کو جنگ پر مصر دیکھا تو اس خیال سے کہ کہیں یہ وقتی و ہنگامی
جوش و ولولہ نہ ہو انہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے

اس بیعت کے بعد یہ درخت متبرک سمجھا گیا اور مسلمان ادھر سے گزرتے

اس امر پر بیعت لی کہ وہ جنگ چھڑنے کی صورت میں میدان سے منہ نہیں موڑیں گے اور پورے ثباتِ قدم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں۔

بایعنا رسول اللہ علیٰ ان لا نفر !

ہم سے رسولِ خداؐ نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم فرار اختیار نہیں کریں گے۔ (تاریخ طبری ج ۲ صہ ۲۷۹)

اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے کیونکہ خداوند عالم نے اس پر رضا و خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ

جس وقت ایمان لانے والے تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالےٰ ان کی اس بات سے راضی ہوا۔"

اس بیعت کی تکمیل کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ اور دوسرے مہاجرین کے قتل کئے جانے کی افواہ غلط تھی اور قبل اس کے کہ جنگ کی نوبت آئے وہ سب صحیح وسالم واپس آ گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں ٹھہراؤ پیدا ہو جائے اور جنگی ولولے سرد پڑ جائیں۔ ادھر مشرکین

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) تو تبرکاً اس کے نیچے نماز پڑھتے اور بیعت رضوان کی یاد تازہ کرتے جب حضرت عمرؓ کو اپنے دورِ خلافت میں اس کا علم ہوا تو ان کو مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل ناگوار گزرا۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص وہاں پر نماز پڑھے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور حکم دیا کہ اس درخت کو کاٹ دیا جائے چنانچہ وہ درخت جس سے بیعت رضوان اور فتح مبین کی یاد وابستہ تھی قطع کر دیا گیا۔"

قریش بھی لڑائی کے حق میں نہ تھے وہ صرف اپنی بات کو بالا دیکھنا چاہتے تھے تاکہ قبائل عرب پران کی دھاک جمی رہے چنانچہ اس واقعہ کے بعد انہوں نے حویطب اور سہیل ابن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا۔ پیغمبر اکرمؐ بھی امن پسند اور مجبوری کے علاوہ جنگ کے روادار نہ تھے۔ انہوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور صلح کی بات چیت کے لئے حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا علامہ طبری نے تحریر کیا ہے۔

ان قریشا بعثوا سهيل ابن عمرو وحويطبا فولوهم صلحهم وبعث النبیؐ عليا عليه السلام فی صلحه

قریش نے سہیل ابن عمرو اور حویطب کو صلح کے اختیارات دے کر بھیجا اور آنحضرتؐ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح کی گفتگو کے منتخب فرمایا"۔

(تاریخ طبری ج ۲ صہ ۲۷۸)

جب دونوں فریق میں گفتگو شروع ہوئی تو قریش کے نمائندوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ فریق ثانی لڑنا نہیں چاہتا اس پر جا و بیجا شرائط عائد کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ بڑی رد و قدح کے بعد ان شرائط پر فریقین میں سمجھوتہ ہو گیا۔

۱:۔ اس سال مسلمان عمرہ ادا کئے بغیر واپس چلے جائیں۔

۲:۔ آئندہ سال عمرہ کے لئے آسکتے ہیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کر سکتے۔

۳:۔ اپنے ہمراہ تلوار کے علاوہ جنگی ہتھیار نہیں لا سکتے اور تلوار بھی نیام کے اندر رہے۔

۴:۔ قبائل عرب میں سے ہر قبیلہ کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس سے

چاہے معاہدہ کرے اور حلیف و معاہد قبائل پر بھی ان شرائط کی پابندی لازمی ہوگی۔

۵: مکہ والوں میں سے اگر کوئی شخص مسلمانوں کے ہاں چلا جائے گا تو مسلمان پابند ہوں گے کہ اسے واپس کریں اور اگر ان کا کوئی آدمی قریش کے ہاں چلا آئے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶: اس معاہدہ کی میعاد دس برس ہوگی۔ اس عرصہ میں نہ کسی کو آنے جانے سے روکا جائے گا اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا ہوگا۔

یہ تمام شرطیں قریب قریب قریش ہی کے حق میں تھیں اور وہ ان شرائط کو منوائے بغیر کسی طرح صلح پر آمادہ نہ تھے۔ ان حالات میں صلح سے عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہ تھا جب کہ قریش کا بھی ایک طبقہ صلح کے حق میں نہ تھا اور مسلمانوں کی اکثریت بھی ان شرائط پر مطمئن نہ تھی۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو ان کے مطالبات کو من و عن تسلیم کر لیا جاتا یا ان سے جنگ چھیڑ دی جاتی۔ پیغمبر اکرمؐ کی نظر جنگ کے نتائج پر بھی تھی اور صلح کے فوائد و مصالح پر بھی اگر پیغمبرؐ ان شرائط کے مقابلہ میں جو مسلمانوں کی کمزوری و بے بسی کی آئینہ دار تھیں جنگ کرتے اور یہ مان لیا جائے کہ اس جنگ کے نتیجہ میں فاتح و کامران بھی ہوتے اور قریش کو مغلوب کر کے مکہ میں داخل بھی ہو جاتے مگر قریش اور مسلمانوں میں اتنی منافرت بڑھ جاتی کہ وہ کبھی اسلام کے قریب بھی نہ پھٹکتے اور ہمیشہ اسلام دشمنی پر تلے رہتے، نیز اس اقدام سے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا جاتا کہ پیغمبرؐ طبعاً صلح پسند نہ تھے بلکہ اپنی کمزوری و بے طاقتی کی بناء پر اب تک خاموش رہے تھے اور جب عسکری طاقت بہم پہنچا لی تو دشمن کو کچلنے کے لئے چڑھائی کر دی اور اس طرح یہ جنگ سابقہ دفاعی جنگوں کے مقابلہ میں جارحانہ

قرار پاتی اور پیغمبرؐ کی امن پسندی و صلح جوئی پر حرف رکھنے کی گنجائش نکل آتی اس بنا پر آپؐ نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی۔ اگرچہ شرائط کے سلسلہ میں کچھ دبنا پڑا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسے دبنا بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے کہ پیغمبرؐ نے یہ شرائط کسی جنگ کی شکست کے نتیجہ میں تسلیم نہیں کیں بلکہ سابقہ جنگوں میں اپنی طاقت کی برتری منوانے کے بعد ان شرائط پر رضامندی دی چنانچہ بدر و احزاب میں قریش کو شکست فاش دی جاچکی تھی اور اب بھی آپؐ کے مقابلہ میں وہی شکست خوردہ لوگ تھے جنہیں بآسانی شکست دے کر فاتحانہ صورت میں آگے بڑھا جاسکتا تھا، مگر آنحضرتؐ یہ چاہتے تھے کہ جنگی برتری کے ساتھ اپنی صلح پسندی کا بھی تاثر دیں اور قریش کی جہالت عصبیت اور تنگ نظری کو بے نقاب کر کے اپنی وسیع القلبی اور امن جوئی کا ثبوت مہیا کریں۔

شرائط صلح کے طے ہو جانے کے بعد معاہدہ کی تحریر کا مرحلہ درپیش تھا۔ سہیل نے اس میں قدم قدم پر الجھنیں پیدا کیں اور رکاوٹیں ڈالیں۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ دستاویز تحریر کرنے لگے تو پیغمبرؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سرعنوان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو سہیل نے کہا کہ ہم نہیں جانتے الرحمٰن کیا ہوتا ہے۔ اس کے بجائے باسمک اللّٰھم لکھئے جو ہمارے ہاں کا دستور چلا آرہا ہے۔ آنحضرتؐ نے الجھنا مناسب نہ سمجھا۔ فرمایا کہ اچھا یہی لکھ دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے یہ فقرہ لکھا۔ ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ سہیل ابن عمرو۔" یہ وہ معاہدہ صلح ہے جو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل ابن عمرو سے کیا ہے۔" سہیل نے پھر اس پر اعتراض کیا کہ کہا کہ ہم انہیں اللہ کا رسول کب سمجھتے ہیں۔ اگر ہم انہیں اللہ کا رسول مانتے تو مکہ میں داخلہ سے مانع نہ ہوتے۔ لہٰذا اس کے بجائے محمدؐ

ابن عبداللہ لکھا جائے۔ پیغمبرؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لفظ رسولؐ اللہ قلمزد کر دو اور محمدؐ ابن عبداللہ لکھ دو۔

حضرت علیؓ نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں لفظ رسولؐ اللہ نہیں کاٹوں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لاؤ میں اسے خود مٹائے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے لفظ "رسولؐ اللہ" پر خط کھینچ دیا اور حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

لتبلین بمثلها۔

ایک دن تمہیں بھی اس قسم کی آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا۔

(تاریخ کامل۔ ج ۲ ص ۱۳۸)

جب دستاویز قلمبند ہو گئی تو دونوں فریق کے گواہوں نے اس پر شہادتیں ثبت کیں اور اس کا ایک نسخہ رسولؐ اللہ کے سپرد کیا گیا اور ایک نسخہ سہیل ابن عمرو کو دیا گیا۔

اس صلح کی گفتگو سے لے کر تحریر معاہدہ تک کے تمام مراحل پیغمبر اکرمؐ نے اپنی صوابدید سے طے کئے اور اس پوری کارروائی میں نہ صحابہ کو شریک مشورہ کیا گیا اور نہ ان کی رائے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ البتہ ایک حضرت علیؓ تھے جو شرائط صلح کے طے کرنے اور معاہدہ کے تحریر کرنے میں پیغمبرؐ کے شریک کار تھے۔ اکثر صحابہ صلح اور اس کے شرائط کے سرے سے مخالف تھے۔ وہ تو یہ توقع لئے ہوئے تھے کہ کفار کے علی الرغم مکہ میں داخل ہو کر عمرہ و طواف بجالائیں گے۔ مگر جب قرارداد صلح کی رو سے یہیں سے واپسی طے پا گئی تو ان میں ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا اور یہ بے چینی اور ہیجانی کیفیت اس حد تک بڑھی کہ ان کے دلوں میں شکوک و شبہات نے جگہ لے لی۔

چنانچہ علامہ طبری تحریر کرتے ہیں:۔

قد کان اصحاب رسول اللہ خرجوا وھم لایشکون فی الفتح لرؤیا راھا رسول اللہ فلما رأو ما رأو من الصلح والرجوع وما تحمل علیہ رسول اللہ فی نفسہ دخل الناس من ذالک امر عظیم حتی کادوا ان یھلکوا

"پیغمبرؐ کے اصحاب جب مدینہ سے نکلے تھے تو انہیں فتح میں کوئی شک وشبہ نہ تھا اس خواب کی بنا پر جو آنحضرتؐ نے دیکھا تھا۔ مگر جب انہوں نے صلح اور واپسی کی صورت دیکھی اور یہ دیکھا کہ رسول اللہ نے ذاتی طور پر شرائط منظور کر لئے ہیں تو ان لوگوں کے دلوں میں ایک بڑا خدشہ پیدا ہوا اور قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔"

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص۲۸۱)

حضرت عمرؓ اس صلح پر سب سے زیادہ برافروختہ تھے۔ اور ان کی ناراضگی اس حد تک بڑھی کہ وہ غصہ میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے پیغمبر اکرمؐ کے پاس آئے اور کہا کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں فرمایا کہ ہاں میں اللہ کا رسول ہوں۔ کہا کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم سب مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے فرمایا کہ ہاں میں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر یہ دی تھی کہ وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہوں اور خانہ کعبہ کا طواف بجا لائیں۔ مگر یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال ہوگا۔ جو کچھ ہوا ہے اللہ کے حکم سے ہوا ہے اور میں اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور اللہ مجھے ضائع و برباد اور دشمن کے ہاتھوں سے پامال نہ ہونے دے گا۔ پیغمبر اکرم کے اس سمجھانے سے بھی حضرت عمرؓ کی الجھن کم نہ ہوئی اور وہ غم و غصہ میں بھرے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی باتیں کہیں جو رسولؐ خدا

سے کہیں تھیں۔

انہوں نے کہا:۔

یاعمر الزم غرزہ فانی اشھد انہ رسول اللہ۔

اے عمرؓ تم ان کی رکاب تھامے رہو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ یقیناً اللہ کے رسولؐ ہیں۔"

(تاریخ طبری۔ ج ۲ صہ ۲۸۰)

حضرت ابوبکرؓ کو پیغمبر اکرمؐ کی رسالت کی یقین دہانی کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے اندازِ گفتگو سے صاف عیاں ہو رہا تھا کہ وہ اس صلح سے اس حد تک متاثر و برافروختہ ہیں کہ انہیں پیغمبرؐ کی رسالت مشکوک اور مشتبہ نظر آرہی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے خود بھی اپنے شک و تذبذب کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

واللہ ماشککت منذ اسلمت الا یومئذ۔

خدا کی قسم میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس دن کے سوا کبھی شک نہیں کیا۔"

(تاریخ خمیس ج ۲ صہ ۲۲)

صحابہ کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ جب آنحضرتؐ نے معاہدہ صلح کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ قربانیاں کرو اور سروں کے بال منڈواؤ تو جو کچھ دیر پہلے پیغمبرؐ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے اور اشارہ چشم و ابرو پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے تھے نافرمانی پر اتر آئے اور بار بار کہنے کے باوجود نہ قربانی کرنے پر آمادہ ہوئے اور نہ سر منڈانے پر۔

مورخ طبری نے لکھا ہے:۔

فواللہ ما قام منھم رجل حتی قال ذلک ثلاث مرات۔

خدا کی قسم آنحضرتؐ کے تین مرتبہ حکم دینے کے باوجود کوئی بھی تعمیل کے لئے کھڑا نہ ہوا۔" (تاریخ طبری۔ ج ۲ صد ۲۸۳)

جب آنحضرتؐ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو کبیدہ خاطر ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جناب ام سلمیٰ کے خیمہ میں خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جناب ام سلمہ نے پیغمبرؐ کے چہرہ پر آثار ملال دیکھے تو وجہ پوچھی۔ آپؐ نے صحابہ کی نافرمانی اور بے اعتنائی کا شکوہ کیا۔ ام سلمیٰ نے کہا کہ آپ کسی کو مجبور نہ کریں اور خود جا کر قربانی کریں اور سر منڈوا کر احرام اتار دیں۔ آنحضرتؐ نے باہر نکل کر قربانی کی اور سر منڈوا کر احرام اتار دیا۔ جب صحابہ نے دیکھا کہ اب پیغمبرؐ کے فیصلہ میں تبدیلی نہیں آسکتی تو کچھ لوگوں نے بادل نخواستہ سر منڈوائے اور اکثر لوگوں نے صرف تھوڑے تھوڑے بال ترشوائے مگر ان کا غم و غصہ کسی طرح کم نہ ہوا۔

علامہ طبری نے لکھا ہے۔

جعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما

وہ آپس میں ایک دوسرے کے سر منڈانے لگے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رنج و غم کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔

(تاریخ طبری ج ۲ صد ۲۸۳)

جب پیغمبرؐ نے سر منڈوانے والوں کو دیکھا تو فرمایا کہ خدا ان سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ:۔

یارسول اللّٰہؐ فلما ظاهرت الترحم للمحلقين دون المقصرين قال لانهم لم يشكوا

یارسولؐ اللہ آپ نے سر منڈوانے والوں کے لئے دعائے رحمت کی ہے اور بال ترشوانے والوں کے لئے کچھ نہیں کہا۔ فرمایا اس لئے کہ انہوں نے

شک نہیں کیا۔" (تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۲۸۳)

صحابہ کے پیچ و تاب کھانے کے باوجود پیغمبرؐ نے ان شرائط کی پوری پوری پابندی فرمائی۔ چنانچہ ابھی شرائط صلح پر گفتگو ہو رہی تھی کہ سہیل ابن عمرو کا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور اس جرم کی پاداش میں قید و بند کی کڑیاں جھیل رہا تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر اکرمؐ مکہ کے قریب تشریف فرما ہیں تو وہ نگہبانوں کی نظر بچا کر بھاگ نکلا اور پابہ زنجیر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے اپنے ہمرکاب رہنے کی اجازت دیجیئے جب نمائندہ قریش سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہمارا جو آدمی بھاگ کر آئے اسے واپس کیا جائے گا لہٰذا ابو جندل کو واپس کیجیئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ کی تکمیل بھی نہیں ہوئی کہ تم نے اس کی پابندی کا مطالبہ شروع کر دیا ہے۔ سہیل نے کہا کہ آپ نے میرے بیٹے کو میرے حوالے نہ کیا تو ہم معاہدہ صلح ختم کر دیں گے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا تم اسے لے جاؤ۔ چنانچہ ابو جندل کو صبر و تحمل کی ہدایت کرتے ہوئے ان کے حوالے کر دیا۔

جب ابو جندل اٹھ کر جانے لگا تو حضرت عمرؓ بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کا ہاتھ تلوار کے قبضہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ ایک مشرک کا خون ایک کتے کے خون سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے توقع تھی کہ وہ اپنے باپ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دے گا مگر ابو جندل نے کہا۔

یا عمر ما انت باحری بطاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منی

اے عمرؓ تم حکم رسولؐ کی بجا آوری کا مجھ سے زیادہ حق تو نہیں رکھتے۔"

(تاریخ طبری ج ۲ ۔ صد ۲۲)

کفار قریش نے اپنی اس شرط کو منوا کر عملاً یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے میدان کو سر کر لیا ہے حالانکہ یہ شرط مسلمانوں کے لیئے قطعاً ضرر رساں نہ تھی اس لیئے کہ اگر کوئی اسلام سے منحرف ہو کر قریش کے ہاں جاتا ہے تو وہ ارتداد کے بعد زمرہ مسلمین میں شامل کئے جانے کے لیئے قابل ہی کب رہتا ہے کہ اس کے واپس لیئے جانے پر اصرار کیا جاتا۔ اور اگر قریش کسی بھاگ نکلنے والے کی واپسی پر مصر تھے تو اسے واپس کر دینے میں مسلمانوں کا نقصان ہی کیا تھا جب کہ وہ مکہ میں رہ کر بھی مسلمان رہ سکتا تھا اور شرائط صلح کی رُو سے اسے کوئی اسلامی اعمال و عبادات سے روکنے کا مجاز نہ تھا۔ البتہ یہ شرط قریش کے لیئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوئی اور ان کے مال و جان کی تباہی کا باعث بن گئی۔ چنانچہ اس صلح کی تکمیل کے بعد قریش کا ایک آدمی ابو بصیر عتبہ ابن اسید مسلمان ہو کر چوری چھپے مدینہ چلا آیا قریش نے دو آدمیوں کو خط دے کر مدینہ روانہ کیا اور ابو بصیر کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آنحضرتؐ نے ابو بصیر کو بلا کر کہا کہ تم ان کے ہمراہ مکہ واپس چلے جاؤ۔ ابو بصیر بادلِ نخواستہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب یہ لوگ وادیٔ ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ابو بصیر نے ان میں سے ایک کی تلوار کی بڑی تعریف کی۔ اس نے کہا کہ ہاں واقعاً میری تلوار بڑی عمدہ ہے اور یہ کہہ کر تلوار نیام سے نکال لی۔ ابو بصیر نے دیکھنے کے بہانہ سے وہ تلوار لے لی اور اسی کی تلوار سے اسے قتل کر دیا۔ جب دوسرے آدمی نے دیکھا کہ اس کا ساتھی مارا گیا ہے تو وہ ڈر کے مارے بھاگ کھڑا ہوا اور مدینہ پہنچ کر رسول اللہ سے کہا کہ ابو بصیر نے میرے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور مجھے بھی اس سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اتنے میں ابو بصیرہ بھی واپس آ گیا اور

پیغمبرؐ سے کہا کہ یارسول اللہ آپ نے مجھے ان کے حوالے کر دیا تھا اور معاہدہ
کی رو سے اب آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لہذا مجھے دوبارہ اس
کے ہمراہ مکہ جانے کے لیے نہ کہا جائے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہ شخص جنگ کی
آگ بھڑکانا چاہتا ہے اگر اس کی حمایت کی گئی تو قریش جنگ چھیڑے بغیر
نہیں رہیں گے۔ ابوبصیر سمجھ گیا کہ پیغمبرؐ اسے واپس کیے بغیر نہیں رہیں گے اس
نے موقع تاک کر ساحل سمندر کا رخ کر لیا اور وہیں پر سکونت اختیار کر لی ادھر
ابوجندل کو جو مکہ میں نظر بند تھا یہ پتہ چلا کہ ابوبصیر ساحل سمندر کی طرف نکل
گیا ہے تو اس نے بھی چپکے سے ادھر کا رخ کر لیا اور رفتہ رفتہ یہ جگہ مکہ سے
بھاگ نکلنے والوں کے لیے پناہ گاہ بن گئی اور مزید ستر مسلمان ان سے آکر
مل گئے اور اپنی طاقت کو یکجا کر کے ایک مضبوط جتھا بنا لیا اور جب قریش کے
قافلے شام جاتے ہوئے ادھر سے گزرتے تو یہ ان پر چھاپے مارتے اور
ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے۔ قریش جب ان کے ہاتھوں تنگ آگئے۔ تو
انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کو پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے ہاں بلا لیں ہم
آئندہ کسی ایسے شخص سے تعرض نہیں کریں گے جو مسلمانوں کے ہاں چلا آئے گا
آنحضرتؐ نے ابوبصیر کو کہلوا بھیجا کہ وہ مدینہ چلا آئے۔ ابوبصیر کو یہ پیغام اس
وقت ملا جب اس پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے ابوجندل سے کہا کہ
تم مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو منتشر کر کے مدینہ چلا آیا اور قریش
کے لیے راستہ بے خطر ہو گیا۔

اس صلح کے حکم و مصالح کو اکثر مسلمان اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے
نہ سمجھ سکے تھے اور صلح کے موقع پر بھی اور اس کے بعد بھی اس پر افسردہ کبیدہ
خاطر رہے مگر جب اس کے نتیجہ میں انہیں دینی و سیاسی اعتبار سے وہ کامیابیاں

حاصل ہوئیں جن کی وہ توقع بھی نہ کر سکتے تھے تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں پیغمبر اکرمؐ کی دور اندیشی انجام بینی اور حقیقت رسی کا اعتراف کرنا پڑا۔ اس صلح پر جو فوائد مرتب ہوئے ان میں سے چند واضح اور روشن فوائد یہ ہیں۔

پہلا فائدہ یہ ہوا کہ تمام قبائل عرب پر قریش کی بیجا سخن پروری، ضد اور ہٹ دھرمی واضح ہو گئی کہ انہوں نے محض اس خیال سے کہ ان کی سبکی نہ ہو مسلمانوں کو عمرہ و طواف سے روک دیا۔ حالانکہ خانہ کعبہ ایک عمومی عبادت خانہ اور مشترکہ معبد تھا جس سے ان کے معاہد و حلیف قبائل بھی ان سے بدظن ہو گئے اور جن کڑی شرطوں کو منوا کر انہوں نے اپنا جھوٹا وقار قائم کرنا چاہا تھا وہی ان کی ذلت و ناکامی کا باعث بن گئیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان جو مکہ میں اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھنے پر مجبور تھے اور کفار کے ڈر سے اظہار اسلام نہ کر سکتے تھے ان کے دلوں سے خوف و ہراس جاتا رہا اور وہ کھلے بندوں مسلمان ہو جانا قریش باہمی صلح کی بنا پر اس سے تعرض کرتے اور نہ اسلام کے اختیار کرنے سے مانع ہوئے۔

تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ کفار کو مسلمانوں سے میل جول کا موقع ملا۔ اور آمد و رفت کی پابندیوں کے اٹھ جانے سے قریش اور دوسرے لوگ بے کھٹکے مدینہ میں آتے اور آنحضرتؐ کے اخلاق فاضلہ اور صفات قدسیہ سے متاثر ہوتے اسلام کے تعلیمات و احکام سنتے اور ان پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور جب یہ دیکھتے کہ لوگ کس طرح آنحضرتؐ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرتے اور ان کے اشارہ چشم و ابرو پر چلتے ہیں تو وہ پلٹ کر اہل مکہ سے اس کا ذکر کرتے جس سے ان کے دلوں پر آنحضرتؐ کی عظمت اور اسلام کی

صداقت کا نقش ابھرتا اور جب مسلمان مکہ میں آتے تو مشرکین سے آزادانہ ملتے جلتے اور اپنے عزیزوں اور ملنے جلنے والوں سے اسلام کے محاسن بیان کرتے اور اس کے آداب واخلاق سنن وفرائض اور امر ونواہی اور مواعظ اور عبر کا تذکرہ کرتے جس سے ان کے دل اسلام کی طرف کھنچتے اور برضا ورغبت اسلام قبول کرلیتے۔ چنانچہ دو سال کے قلیل عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد دوگنی سے بھی زائد ہوگئی۔

مورخ طبری تحریر کرتے ہیں۔

دخل فی تینک السنتین فی الاسلام مثل ما کان فی الاسلام قبل ذلک او اکثر

دو سالوں کے اندر ہی مسلمانوں کی تعداد سابقہ تعداد سے دوگنا یا اس سے زیادہ ہوگئی۔" (تاریخ طبری ج ۲ صد ۲۸۳)

چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوگئی۔ جو اسلام کی صداقت کو مجروح کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی نشر واشاعت تلوار کے ذریعہ ہوئی اس لئے اسلام کا فروغ وارتقاء تلوار کا مرہون منت ہوتا تو صلح کو اسلام کی ترقی میں سدّ راہ ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ جتنی ترقی اس صلح پسندی کے نتیجہ میں ہوئی وہ برسر پیکار رہنے کے نتیجہ میں نہ ہوسکی وجہ یہ ہے کہ جنگ میں نفرت کے جذبات اس شدت سے بھڑک اٹھتے ہیں کہ حق، بغض وعناد کی دبیز تہوں میں چھپ کر رہ جاتا ہے اور صلح وسکون کے لمحات میں جذبات میں توازن پیدا ہوجاتا ہے اور دل ودماغ حق کی پذیرائی کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں چنانچہ اس صلح نے دبی ہوئی صلاحیتوں کو ابھار کر سعید الفطرت لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنادیا۔

پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ جب قریش کی نئی پود نے ایک طرف آنحضرتؐ کا

مصالحانہ طرز عمل اور صلح پسندانہ روش دیکھی اور دوسری طرف ابوجہل اور ابوسفیان اور یہود و مشرکین کی اڑائی ہوئی باتوں کا جائزہ لیا تو انہیں ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آیا۔ کہاں تو وہ یہ سنتے آ رہے تھے کہ پیغمبرؐ فتنہ پرور و جنگجو ہیں۔ اور کہاں یہ کہ وہ امن پسندی کا ایسا کردار اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جو ایک جنگجو کی طبیعت سے قطعاً ساز گار نہ تھا۔ اس سے انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے متعلق جو وہ سنتے آئے ہیں وہ سراسر غلط اور صریحی بہتان تھا۔ اگر وہ جنگجو ہوتے تو ان کے لئے جنگ سے مانع ہی کیا تھا جب کہ ان کے ہمراہ فوج پہلے سے کہیں زیادہ تھی اور وہ قریش کو بدر اور احزاب میں شکست بھی دے چکی تھی۔ یہ ایک ایسا تاثر تھا جس نے انہیں آپؐ کی صلح جوئی و امن پسندی کا معترف بنا دیا اور ان پر حقیقت بھی واضح کر دی کہ اب تک جتنی جنگیں لڑی گئی ہیں وہ قریش ہی کے جارحانہ اقدام کے دفاع میں لڑی گئی ہیں اور آنحضرتؐ نے ان کے مقابلہ میں صفیں جمائیں تو حفاظت خود اختیاری اور اپنی جماعت کے تحفظ کے لئے۔

چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ قریش صلح بناء پر مطمئن رہے کہ معاہدہ کی مقررہ مدت کے اندر ان پر حملہ نہیں ہو سکتا اس لئے انہوں نے ہتھیاروں کی فراہمی اور جنگی تیاریوں کی ضرورت محسوس نہ کی۔ مگر جب انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنی بکر و بنی خزاعہ کی جنگ میں حصہ لیا اور اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ کی جنگ میں حصہ لیا اور قتل و غارت کیا تو مسلمانوں کے لئے مکہ پر چڑھائی کا جواز پیدا ہو گیا اور جب اس عہد شکنی کے نتیجہ میں مسلمانوں کا لشکر مکہ پر منڈلانے لگا تو قریش میں تاب مقاومت ہی نہ تھی کہ وہ مقابلہ کرنے اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکتے

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بغیر کسی مزاحمت کے آگے بڑھ کر مکہ فتح کر لیا اگر معاہدہ صلح نہ ہوتا تو قریش ہمہ تن چوکنا رہتے اور جنگی ساز و سامان مہیا رکھتے اس صورت میں مسلمان جنگ کئے بغیر مکہ کو فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے چونکہ اس صلح کے زیر اثر مکہ فتح ہوا اور اسلامی اقتدار کی بنیاد پڑی اس لئے قدرت نے اسے فتح مبین اور پیغمبرؐ نے اعظم الفتوح سے تعبیر کیا ہے۔

اس معاہدہ صلح سے جہاں پیغمبر اکرمؐ کی اصابت رائے امن پسندی اور عہد و پیمان کی پاسداری پر روشنی پڑتی ہے وہاں ایسے نتائج بھی اس سے اخذ کئے جا سکتے ہیں جو اسلامی نظریات و احساسات کی بلندی کا ثبوت دیتے اور بین الاقوامی معاہدات میں رہنما اصولوں کا کام دے سکتے ہیں چنانچہ اس سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ایک یہ کہ صلح کے امکان ہوتے ہوئے جنگ چھیڑی نہیں جا سکتی خواہ ایسے شرائط پر صلح کی نوبت آئے جن سے جماعت کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہو اور بظاہر قومی وقار مجروح ہوتا ہو بشرطیکہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر زد نہ پڑتی ہو۔ چنانچہ یہاں کفار و مشرکین سے انہی کے پیش کردہ شرائط پر صلح ہو گئی اور جنگ کی نوبت نہ آنے دی گئی اب اس طرز عمل کو دہرایا گیا ہو اور امام حسنؑ کے زمانے کے حالات و مقتضیات کو دیکھتے ہوئے امیر شام سے صلح کر لی ہو تو اس پر نہ اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے اور نہ اسے فریق ثانی کے حق بجانب ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ معاہدہ کی پابندی بہر حال ضروری ہے اگرچہ معاہدہ کفار اور مشرکین سے کیوں نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے ابوجندل اور ابو بصیر کو کفار کے حوالے کر کے معاہدہ کا جو معیار قائم کیا وہ دیانت، راست روی اور

ایفائے عہد کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ البتہ جب قریش نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ کو تلواروں کی زد پر رکھ لیا تو پیغمبر پر فرض ہو گیا کہ وہ اپنے معاہد قبیلہ کی نصرت و امداد کے لئے قدم اٹھائیں اگر قریش اپنے عہد پر باقی رہتے تو پیغمبر اسلامؐ کبھی مکہ پر لشکر کشی نہ کرتے مگر قریش کی بد عہدی نے مکہ پر حملہ کا جواز پیدا کر دیا۔ اسی سیرت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے امیر المومنین نے اپنے دورِ خلافت میں معاہدۂ تحکیم کی پابندی کی اگرچہ آپ پر خوارج نے پورا پورا زور ڈالا کہ اس معاہدہ کو ختم کر دیا جائے۔ مگر آپ نے اس وقت تک اسے توڑنا گوارا نہ کیا۔ جب تک خود اہل شام کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ظہور میں نہ آئی۔

تیسرے یہ کہ پیغمبر جمہور کی رائے کا پابند نہیں ہوتا۔ چنانچہ جمہور صحابہ کی رائے آنحضرتؐ کی رائے کے خلاف تھی مگر آپ عوام کی رائے پر عمل پیرا ہونے کے بجائے اپنے فیصلہ پر قائم رہے نہ ان کی رائے کو قابل اعتنا سمجھا اور نہ ان سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس کی جہاں وحی ذریعہ علم و بصیرت ہو وہاں کسی کے مشورہ کی احتیاج ہی نہیں رہتی اور اگر کبھی مشورہ فرمایا بھی تو محض مسلمانوں کی دلجوئی اور ان کی تالیف قلب کے لئے لہٰذا جب اس مورد پر ان کی رائے قابل عمل قرار نہ پائی تو اس سے اہم تر موارد کے لئے ان کی رائے کیونکر سند ہو سکتی ہے۔

اس صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں امیر المومنینؑ نے جو عملی مظاہرہ کیا وہ آپ کے تدبر، معاملہ فہمی اور عزم و یقین کا روشن ثبوت ہے آپ نے اس صلح کے مرحلہ کو اسی طرح طے کیا جس طرح جنگ کے دشوار گزار مرحلوں کو سر کرتے رہے تھے۔ حالانکہ جو لوگ جنگ آزما ہوتے ہیں وہ جنگی معاملات ہی

میں رائے دینے کے اہل ہوتے ہیں۔ انہیں نہ صلح سے دلچسپی ہوتی ہے اور
نہ ان میں صلح کے معاملات سلجھانے کی اہلیت۔ اور جو لوگ امن پسند اور صلح جو
ہوتے ہیں وہ حرب و ضرب کے معاملات سے بے خبر سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ
جو صف اہل اسلام میں سب سے بڑے جنگجو تھے انہیں اس معاہدہ صلح سے
کوئی دلچسپی نہ ہونا چاہیئے تھی اس لئے کہ صلح و جنگ دو متضاد چیزیں ہیں
اور دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں مگر آپ جس طرح جنگ کے نشیب و فراز
اور اس کے داؤ پیچ سے واقف تھے اسی طرح صلح کی پیچیدگیوں سے بھی باخبر
تھے۔ اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے صلح کی گفتگو صلحنامہ کی تحریر اور اس سلسلہ کے
تمام امور آپ سے متعلق کئے۔

شیخ مفید رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:۔

کان نظام تدبیر ھذہ الغزاۃ متعلقا بامیرالمومنین وکان ما جری فیہا
من البیعۃ وصف الناس للحرب ثم الھدنۃ والکتاب کلہ لامیرالمومنین۔

غزوہ حدیبیہ کا تمام نظم و انصرام امیر المومنینؑ سے متعلق تھا۔ وہ بیعت
(رضوان) ہو یا جنگ کے لئے لوگوں کی صف بندی۔ صلح کی گفتگو ہو یا صلح
نامہ کی تحریر یہ تمام امور آپ نے انجام دیئے۔" (ارشاد۔ ص۵۴)

آپ نے شروع ہی سے صلح کی مصلحت و حکمت کو محسوس کر لیا تھا اس
لئے نہ شک و تذبذب میں پڑے اور نہ حکم رسولؐ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے
بلکہ جب دوسروں کے عقائد متزلزل ہو رہے تھے اور رسالت کے متعلق دلوں
میں شکوک و شبہات گزر رہے تھے آپ نے صفحہ قرطاس سے بھی لفظ رسولؐ
اللہ کو مٹانا سوء ادب سمجھا اور رسولؐ اللہ کے فرمانے کے باوجود اس پر خط
کھینچنا گوارا نہ کیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت کے اس کے انکار پر تبصرہ

کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

این امتناع علی از محو لفظ رسول اللہ نہ از باب ترک امتثال است کہ مستلزم ترک ادب است بلکہ عین امتثال وادب و ناشی ازغایت عشق و محبت است۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صہ ۲۸۶)

حضرت علیؓ کا لفظ رسول اللہ مٹانے کے لئے آمادہ نہ ہونا نافرمانی اور ترکِ ادب میں داخل نہیں ہے بلکہ یہ عین فرمانبرداری، ادب شناسی اور محبت اور وارفتگی کا مظاہرہ تھا۔

غزوۂ خیبر

صفر ۷ھ ہجری

صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں پیغمبر اکرمؐ نے خیبر پر چڑھائی کا قصد کیا۔ خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی قلعہ و حصار کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ عمالقہ میں یثرب اور خیبر نام کے دو بھائی تھے انہوں نے جہاں جہاں رہائش اختیار کی وہ جگہیں ان کے نام سے موسوم ہوگئیں۔ چنانچہ یثرب کے نام پر یثرب (مدینہ) آباد ہوا اور خیبر کے نام پر خیبر۔ خیبر مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر حجاز و شام کی سرحد پر واقع ہے اور اپنے نخلستانوں اور سرسبز و شاداب کھیتوں کی وجہ سے دور دور تک مشہور تھا۔ یہ علاقہ یہودیوں کی آبادی پر مشتمل اور ان کی جنگی قوت کا مرکز تھا۔ انہوں نے دفاعی استحکام کے پیش نظر یہاں چھوٹے بڑے سات

قلعے تعمیر کر رکھے تھے جو ناعم، کتیبہ، شق، نطاۃ، وطیح، سلالم اور قموص کے ناموں میں دس ہزار یا چودہ ہزار یہودی آباد تھے جن میں یہودی بھی شامل تھے جو مدینہ سے جلاوطن ہو کر یہاں آباد ہو گئے تھے اور مشرکین کے ساتھ مل کر پیغمبرؐ اسلام سے جنگ کی تھی اور عسکری قوت اور عددی برتری کے باوجود شکست کھائی تھی۔ جب انہیں حدیبیہ کا حال معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے قریش سے دب کر صلح کر لی تھی اور ان کے تمام شرائط بھی مان لئے ہیں تو انہوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان اب لڑنے بھڑنے سے گھبرانے لگے ہیں اور دشمن سے ٹکرانے کی ان میں ہمت نہیں رہی اس غلط فہمی اور غلط تاثر نے انہیں جرأت دلائی اور مسلمانوں کی صلح پسندانہ روش کو کمزوری پر محمول کر کے اسلامی مرکز پر تاخت و تاراج کا منصوبہ بنایا تاکہ غزوہ احزاب کی ناکامی کی خفت مٹائیں اور جلاوطنی کی ذلت کا دھبہ دھوئیں یہودی اگرچہ تعداد کے لحاظ سے کم نہ تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنی کثرت و قوت بڑھانے کے لئے بنی غطفان سے جو خیبر سے چھ میل کے فاصلہ پر آباد تھے معاہدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے تو انہیں خیبر کی نصف پیداوار دی جائے گی۔ بنی غطفان نے اسے منظور کیا اور ان کے چار ہزار نبرد آزما ان کے پرچم کے نیچے لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

جب پیغمبر اکرمؐ کو معلوم ہوا کہ یہود خیبر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں تو آپ نے تادیبی کارروائی ضروری سمجھی تاکہ فتنہ انگیز طاقتوں کو کچل کر امن کو برقرار رکھا جا سکے چنانچہ حدیبیہ سے مراجعت کے بعد بیس دن مدینہ میں قیام فرمایا اور سولہ سو صحابیوں کے ساتھ جن میں دو سو سوار اور باقی پیادہ تھے خیبر کی طرف روانہ ہو گئے جب لشکر اسلام نواح خیبر میں پہنچا

تو صبح کا وقت تھا۔ اہل خیبر پھاوڑے اور زنبیلیں لئے کھیتوں پر کام کرنے جا رہے تھے کہ لشکر اسلام کو آتے دیکھا۔ لشکر کو دیکھتے ہوئے قدم رک گئے اور بد حواس ہو کر اپنے قلعوں کی طرف بھاگے۔ پیغمبرؐ نے انہیں بھاگتے دیکھا تو صدائے تکبیر بلند کی اور فرمایا:۔

خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین۔

"خیبر برباد ہو گیا ہم جب کسی قوم کی سرحد پر اترتے ہیں تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا۔ ان پر کیا برا وقت پڑا۔"

(صحیح مسلم ج ۱۔ ص ۴۵۹)

پیغمبر اسلامؐ کو چونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ بنی غطفان اہل خیبر کے حلیف اور معاہد ہیں اور وہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے اس لئے اہل خیبر اور بنی غطفان کی بستیوں کے درمیان مقام رجیع میں پڑاؤ ڈال دیا تاکہ بنی غطفان اہل خیبر کو مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ مسلمانوں کی آمد کی سن گن پا کر خیبر کے ارادہ سے نکلے تو مسلمانوں کو اپنے راستہ میں حائل دیکھ کر رک گئے اور اپنے گاؤں کی تباہی کے پیش نظر اپنے گھروں میں واپس چلے آئے۔ بنی غطفان کے پلٹ جانے کے بعد مسلمان خیبر کے محاصرہ کیلئے آگے بڑھے یہودیوں نے عورتوں اور بچوں کو قلعہ کتیبہ میں محفوظ کر دیا اور خود دوسرے قلعوں میں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کئے۔

مسلمانوں نے مختصر جھڑپوں کے بعد چند ایک گڑھیاں فتح کر لیں مگر جس قلعہ پر فتح کا دار و مدار تھا وہ ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا جو ایک ڈھلوان پہاڑی قموص کہلاتی تھی جس سے یہ قلعہ بھی قموص کے نام سے مشہور ہو گیا اور یہی قلعہ تاریخ اور حدیث میں قلعہ خیبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے سامنے ایک گہری خندق

کھدی ہوئی تھی اور اپنی مضبوطی و استحکام کی وجہ سے ناقابل تسخیر تھا۔

غزوات میں سپہ سالاری کے فرائض عام طور پر پیغمبر اکرمؐ خود انجام دیتے تھے اور علمبرداری کا منصب امیر المومنین کے سپرد کیا جاتا تھا۔ مگر پیغمبر اکرمؐ چند دنوں سے درد شقیقہ میں مبتلا تھے اور حضرت علیؓ آشوب چشم کی وجہ سے لشکر کے ساتھ نہ آسکے تھے اس سے کچھ لوگوں کو اپنی دھاک بٹھانے کا موقعہ مل گیا تھا اور انہوں نے خود سے علم لے کر قلعہ قموص کو فتح کرنے کی ٹھان لی چنانچہ حضرت عمر نے علم ہاتھوں میں لیا اور ایک دستہ فوج کے ساتھ قلعہ پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھے انہوں نے ہاتھ پیر مارے مگر ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور ہزیمت اٹھا کر واپس پلٹ آئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ علم لے کر نکلے مگر ان کے بنائے بھی کچھ بن نہ پڑی اور ناکام واپس آگئے پھر حضرت عمرؓ نے دوبارہ علم لیا مگر اس مرتبہ بھی ناکام پلٹے اور اپنی ناکامی کی خفت مٹانے کے لئے فوج کو اس ہزیمت کا ذمہ دار ٹھہرایا لیکن فوج نے ان کی قیادت کو وجہ شکست قرار دیا۔ علامہ طبری تحریر کرتے ہیں۔

نهض من نهض معه من الناس فلقوا اهل خيبر فانكشف عمر واصحابه فرجعوا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يجبنه اصحابه ويجبنهم (تاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۳۰۰)

حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور خیبریوں سے مڈبھیڑ ہوتے ہی حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور رسولؐ اللہ کے پاس واپس چلے آئے اس موقع پر فوج والے کہتے تھے کہ عمرؓ نے بزدلی دکھائی اور عمرؓ کہتے کہ فوج بزدل نکلی۔"

پیغمبر اکرمؐ کے سر درد میں کچھ کمی ہوئی تو خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس

شکست و ہزیمت سے فوج میں بددلی پھیلی ہوئی دیکھی تو فتح کی نوید دیتے ہوئے فرمایا۔

اما واللہ لاعطین الرایۃ غدا رجلا کرار یحب اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی یدیہ۔

خدا کی قسم میں کل اس مرد کو علم دوں گا جو پیہم حملہ کرنے والا ہوگا اور راہ فرار اختیار کرنے والا نہ ہوگا۔ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں اور اسی کے دونوں ہاتھوں پر اللہ فتح دے گا۔ (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۳)

آنحضرتؐ نے سردار لشکر کے اس الزام کے باوجود کہ فوج نے کم ہمتی اور بزدلی دکھائی۔ فوج میں کوئی ردوبدل نہیں کیا بلکہ سردار لشکر کی تبدیلی کا اعلان فرمایا اس لئے کہ فوج کا ثبات سردار کے ثبات قدم پر منحصر ہوتا ہے جب اس کے قدم اکھڑ جائیں تو پھر فوج کے قدم جما نہیں کرتے اور حدیث کے الفاظ کرار غیر فرار سے بھی صاف ظاہر ہے کہ علمبردار فوج کے قدم اکھڑے تھے ورنہ ضرورت ہی کیا تھی کہ جسے اب علم دینے والے ہیں اس کے خصوصی صفات میں اس صفت عدم فرار کا بھی تذکرہ کرتے۔ بہرحال یہ اعلان نبویؐ ایک روشن آئینہ ہے جس میں تصریح بھی ہے اور تلمیح بھی۔ مدح بھی ہے اور طنز بھی۔ اس میں فاتح خیبر کے خدوخال بھی نظر آتے ہیں اور پلٹ کر آنے والوں کے چہرے مہرے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ عبارت کی گونج میں نوید فتح بھی ہے اور الفاظ کے پردہ میں اسباب شکست پر تبصرہ بھی۔ اس میں شروع میں حرف تنبیہ اور قسم اور قسم کے بعد لاعطینّ کے شروع میں لام اور آخر میں نون مشدد تاکید بالائے تاکید کے لئے ہے جس کے معنی یہ ہے کہ بالکل ضرور بالضرور ایسا ہوگا۔ یہ حتم و جزم اور علم و

یقین وحی ہی کے نتیجہ میں ہو سکتا ہے کیونکہ اگر یہ اعلان از خود ہوتا تو پیغمبرؐ اس طرح اطمینان و یقین کے ساتھ عطائے علم کو کل سے وابستہ نہ کرتے اور نہ اس طرح یقینی کامیابی و فتحمندی کا اعلان کرتے جب کہ انہیں حکم خدا یہ ہے کہ اگر وہ کسی امر کو کل سے وابستہ کریں تو حتمی طور پر یہ نہ کہا کریں کہ میں کل ایسا کروں گا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے :-

ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذلك غدا الا ان یشاء اللہ ۔

"کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میں کل ایسا کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے تو۔"

مگر یہاں مشیت باری کے استثناء کے بغیر پورے حتم و وثوق سے فرماتے ہیں کہ میں کل ضرور بالضرور ایسا کروں گا یہ انداز تکلم اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ عطائے علم میں قدرت کا اشارہ کار فرما تھا اور پیغمبرؐ کی زبان صرف منشائے الٰہی کی ترجمانی کر رہی تھی۔ اب نہ تردد و تذبذب کی گنجائش تھی اور نہ ارادۂ مشیت کے بعد استثنائے مشیت کا محل۔

حدیث کے الفاظ اگرچہ مختصر ہیں مگر ایک ایک لفظ منقبت و فضیلت کا دفتر بے پایاں اور حامل رائیت کی افضلیت و اولویت اور اس کی انفرادیت پر شاہد ناطق ہے :-

پہلی صفت یہ ہے کہ وہ مرد ہوگا۔ یہ قید اگر توضیحی ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ ہمت و مردانگی کے جوہر سے آراستہ ہوگا اور تیغ و سناں کے سایہ میں مردانہ وار لڑے گا اور اگر احترازی ہے تو یہ دوسروں کی شجاعت و مردانگی پر ایک طنز ہوگا کہ مرد ہونا اور ہے اور مرد صورت ہونا اور ہے مرد وہ جو میدان جنگ میں اترنے کے بعد پیچھے ہٹنا عار سمجھے اور دشمن کے مقابلہ میں نہ اس کا دل دہلے اور

نہ قدم لرزے۔ اور مردِ صورت وہ ہے جو جنگ چھڑنے سے پہلے بڑے بلند بانگ دعوے کرے اور جب دشمن کا سامنا ہو تو جان بچا کر بھاگ نکلے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کرار غیر فرار ہوگا۔ کرار کے بعد غیر فرار کہنے کی بظاہر ضرورت نہ تھی اس لئے کہ کرار کے معنی پیہم حملہ آور کے ہیں۔ اور جو پیہم حملہ کرنے والا ہوگا وہ میدان چھوڑ کر جا نہیں سکتا مگر یہ کہنے کی ضرورت اس لئے محسوس فرمائی کہ علم کی آس لگانے والے خود اپنا جائزہ لے لیں کہ ان کے قدم میدان جنگ میں ڈگمگائے تو نہیں اگر قدم اکھڑ چکے ہیں تو وہ اپنے دلوں کو علم کی آرزو سے خالی رکھیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ "یہ محبت و دوستی ہی کا کرشمہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں ہر مصیبت خوشی خوشی جھیل لیتا ہے اور جتنا یہ جذبۂ محبت زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی جوشِ عمل زیادہ ہوتا ہے اگر کوئی شخص محبت کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کی ادنیٰ خوشنودی اور اس کے دین کی سربلندی کی خاطر باطل قوتوں سے ٹکرانا اور خطروں میں پھاند پڑنا یا جان دے دینا اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہوتی اور اگر دل اس جذبۂ عشق و شیفتگی سے خالی ہو تو نہ قدموں میں ثبات آتا ہے اور نہ میدان جنگ کی کڑیاں جھیلنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس دوستی کا جو بندے کو خدا اور رسولؐ سے ہوتی ہے اس لئے کہ جب اس کے اعمال اللہ کی دوستی و رضا طلبی کی خاطر ہیں تو پھر اللہ کی خوشنودی اور دوستی سے سرفرازی بھی یقینی ہے اور پھر اس موقع کے اعتبار سے دیکھا جائے تو شجاعت وہ صفت ہے جسے اللہ خصوصی طور پر دوست رکھتا

ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ شجاعت کو دوست رکھتا ہے اگرچہ وہ سانپ کے مارنے ہی سے کیوں نہ ظاہر ہو۔ جب یہ معمولی مظاہرہ شجاعت اللہ کی دوستی کا باعث ہو سکتا ہے تو وہ شجاعت جس کا اظہار دشمنان خدا اور رسول کے مقابلہ میں ہو اسے اللہ کیونکر دوست نہ رکھے گا اور قرآن بھی گواہی دیتا ہے کہ دشمنانِ دین کے مقابلہ میں جرأت و ہمت اور ثباتِ قدم بندے کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیل اللہ صفا کانھم بنیان مرصوص۔

اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں پرا باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

پانچویں صفت یہ ہے کہ خدا اس کے ہاتھوں پر قلعہ فتح کرے گا۔" جب ثبات قدم ہو تو اللہ کی تائید بھی شامل حال ہوتی ہے اور تائید الٰہی کے نتیجہ میں فتح و کامرانی بھی ضروری ہے۔ یہ فتح اتنی یقینی تھی کہ حدیبیہ سے پلٹتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ کو اس کی بشارت ان لفظوں میں دی جا چکی تھی، واثابھم فتحاً قریبا۔ انہیں جلد ہی فتح دی جائے گی"۔ اسی لئے پیغمبرؐ کے الفاظ یفتح اللہ علی یدیہ۔ خدا اس کے ہاتھ پر فتح دے گا" فتح و ظفر کو بازگشت کی طرح لے کر پلٹیں گے اور پیہم ہزیمتوں کے بعد فتح کا پرچم فضائے خیبر پر لہرائے گا اللہ نے فتح کی خوشخبری دی اور پیغمبرؐ نے علَم لینے والے کے ہاتھوں پر خیبر کشائی کی پیشینگوئی کی۔ اب جس کے ہاتھوں پر فتح ہوگی وہ تنہا اس کی فتح نہ ہوگی بلکہ اسلام کی بھی فتح ہوگی اور پیغمبرؐ کی بھی کیونکہ اس فتح کے نتیجہ میں قرآنی آیت اور پیغمبرؐ کی پیشین گوئی کی صداقت ظہور میں آئی۔

پیغمبرؐ اکرم کے اس اعلان کے بعد ہر زبان پر اس کی گونج سنائی دینے

لگی اور اسی کے تذکرے اور چرچے ہونے لگے۔ ہر ایک کو یہ انتظار کہ دیکھئے
کل علم کس کو ملتا ہے صحابہ میں کوئی نمایاں شخصیت ایسی نہ تھی جسے یہ توقع
نہ رہی ہو کہ کل علم اسی کو ملے گا بلکہ وہ افراد بھی کم امیدوار نہ تھے جو علم لے
کر قسمت آزمائی کر چکے تھے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے۔

رجا کل واحد منهم ان یکون صاحب ذالك -

قریش میں سے ہر ایک یہ امید رکھتا تھا کہ وہی علمدار ہوگا"

(تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۴۹)

اگر انہوں نے الفاظِ حدیث پر غور کیا ہوتا اور اپنے ماضی کو پیش نظر
رکھا ہوتا تو ایک ایک لفظ شمع امید کی بھڑکتی ہوئی لو کو بجھانے کے لئے
کافی تھی۔ مگر تفوق پسند انسانوں کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ امتیاز طلبی کے
موقع پر پیچھے رہنا گوارا نہیں کیا کرتے خواہ کامیابی کی امید کتنی ہی موہوم ہی
کیوں نہ ہو۔ حضرت علیؓ کی طرف سے تو انہیں اطمینان تھا کہ وہ میدان میں
نہیں جا سکتے کیونکہ آشوب چشم کی وجہ سے وہ قدم رکھنے کی جگہ بھی نہیں دیکھ
سکتے چنانچہ وہ ایک دوسرے کو یہ کہہ کر امید دلاتے کہ علی کی طرف سے مطمئن
رہو۔ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں وہ تو علم لے کر میدان میں جانے سے رہے
اب ہم ہی میں سے کسی ایک کو علم دیا جائے گا۔ ادھر یہ قیاس آرائیاں ہو
رہی تھیں ادھر حضرت علیؓ سے پیغمبرؐ کے اس اعلان کا ذکر کیا گیا تو اتنا کہہ کر
خاموش ہو گئے۔

اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت

بارِ الٰہا جسے تو عطا کرے اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا اور جسے تو محروم رکھنا

چاہے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔"

کل کے انتظار میں صحابہ نے رات کروٹیں لے لے کر گزاری۔ صبح ہوئی تو پیغمبرؐ کے خیمہ کے سامنے جمع ہوئے اور درِ خیمہ پر نظریں جما کر بیٹھ گئے۔ محمد ابن اسمٰعیل بخاری رقمطراز ہیں۔

فغدوا علی رسول اللہ کلھم یرجون ان یعطاھا۔

وہ صبح ہی صبح رسولؐ اللہ کے پاس جمع ہوگئے اور ہر ایک یہ امید لگائے ہوئے تھا کہ عَلَم اسی کو ملے گا۔

(صحیح بخاری ج ا صہ ۵۲۵)

پیغمبر اکرمؐ نمازِ صبح سے فارغ ہو کر ہاتھوں پر سفید پرچم لئے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے پرچم پر نظر پڑتے ہی لوگوں میں ہلچل مچی۔ کچھ لوگ صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے کسی نے گردن بلند کی اور کوئی گھٹنوں کے بل اونچا ہوا تاکہ پیغمبرؐ کی نظر ان پر پڑ سکے۔ یوں تو ہر ایک عَلَم لینے کے لئے بے چین اور فتح کا سہرا اپنے سر باندھنے کے لئے بے قرار تھا مگر کچھ لوگوں کو بے چینی اس حد تک بڑھی کہ تاریخ میں ان کے نام آئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ ان میں سے ایک حضرت عمرؓ ہیں جو خود کہتے ہیں:۔ فما احببت الامارۃ قبل یومئذ تطاولت لھا واستشرفت رجاء ان یدفعھا الیّ

(طبقات ابن سعد ج ۲ صہ ۷۸)

مجھے اس دن سے پہلے کبھی سرداری کی خواہش نہیں ہوئی مگر اس دن میں اونچا ہو کر اور گردن لمبی کر کے امید کر رہا تھا کہ عَلَم مجھے دیں گے۔"

بریدہ اسلمی جو غزوہ خیبر میں موجود تھے اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں کے نام لئے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔

فلما کان من الغد تطاول لها ابو بکر و عمر۔

چب دوسرا دن ہوا تو ابو بکرؓ اور عمرؓ دونوں نے علم کے لئے گردنیں بلند کیں۔" (تاریخ طبری ج ۲ صہ ۳۰۰)

سعد ابن ابی وقاص بیان کرتے ہیں۔

جئت فبرکت بحذاء النبیؐ وقمت ووقفت بین یدیہ

میں پیغمبرؐ کے بالمقابل پلتھی مار کر بیٹھ گیا پھر اٹھا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔"

پیغمبر اکرمؐ سے کسی کے شجاعانہ کارنامے ڈھکے چھپے ہوئے نہ تھے کہ کسی کے گردن بلند کرنے یا گھٹنوں کے بل اونچا ہونے سے متاثر ہوتے یا کسی کو عمداً نظر انداز کر دیتے یا نظروں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے بھول جاتے۔ آپؐ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کہ علیؑ کہاں ہیں کسی کو یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ علیؑ کا نام لیا جائے گا۔ ہر طرف سے شور اٹھا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں فرمایا کہ کسی کو بھیجو اور انہیں بلاؤ۔ چنانچہ سلمہ ابن اکوع گئے اور انہیں لے کر آئے آنحضرتؐ نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور فرمایا

اللھم اذھب عنہ الحر والبرد وانصرہ علی عدوہ۔

بار الٰہا انہیں گرمی اور سردی کے اثرات سے محفوظ رکھ۔ اور دشمن

۱؎ اس دعائے خیر (جو پیغمبرؐ نے کی) کے چند معنی ہو سکتے ایک یہ کہ اگر گرمی ہو تو ان پر گرمی کا اثر نہ ہو اور سردی ہو تو ان کا اثر نہ ہو اس معنی کی تائید حضرت علیؑ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ فما وجدت حرا ولا بردا منذ یومئذ اس دن کے بعد نہ مجھے گرمی کا احساس ہوا اور نہ سردی کا۔" (باقی اگلے صفحہ پر)

کے مقابلہ میں ان کی نصرت و امداد فرما۔ لعاب دہن رسولؐ نے اکسیر شفا کا کام کیا اسی وقت آشوب چشم جاتا رہا اور سوزش و تکلیف ختم ہوگئی اس پر حسان ابن ثابت نے اظہار عقیدت کے طور پر اشعار پڑھے۔

وکان علی ارمد العین یبتغی ۔۔۔ دواء فلما لم یحس مداویا

رمد آلودہ آنکھیں تھیں علی کی جنگ خیبر میں

دوائے چشم مضمر تھی پیمبر کے لب تر میں

شفاہ رسول اللہ منہ بتفلۃ ۔۔۔ فبورک مرقیا و بورک راقیا

(بقیہ حاشیہ) دوسرے یہ کہ سردی و گرمی کا جتنا احساس دوسروں کو ہوتا ہے اتنا احساس انہیں نہ ہو نہ یہ کہ گرمی و سردی کا احساس کلیتہً جاتا رہے۔ اس معنی کی تائید ہارون ابن عنترہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت کو قصر خورنق میں دیکھا آپ ایک ہلکا کمبل اوڑھے ہوئے سردی سے ہانپ رہے تھے میں نے عرض کیا کہ بیت المال میں آپ کا حق ہے آپ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ فرمایا میں یہ کمبل مدینہ سے لے کر آیا تھا اس کے ہوتے ہوئے مجھے بیت المال سے لینے کی ضرورت ہی کیا ہے تیسرے یہ کہ آنحضرتؐ نے آشوب چشم کے موقع پر فرمائی اور آشوب چشم عموماً شدید گرمی کے اثر سے ہوتا ہے لہذا بعید نہیں کہ یہ مقصد ہو کہ علی گرمی و سردی کے اثرات بد سے محفوظ رہیں چنانچہ اس دعا کے بعد کبھی آپ کی آنکھیں دکھنے میں نہیں آئیں اور گرمی و سردی کا احساس نہ ہونے میں کوئی خاص خوبی کا پہلو بھی تو نہیں ہے بلکہ خوبی تو یہ ہے کہ احساس کے ہوتے ہوئے اس سے چنداں متاثر و متاذی نہ ہوا جائے اور اس مفہوم کو سامنے رکھ کر پہلی اور دوسری روایت میں جمع آوری کی بھی صورت نکل سکتی ہے۔

بنا آب دہن اکسیر، آنکھوں میں جلا آئی
مبارک تھی شفا یابی مبارک تھی مسیحائی

قال ساعطی الرایة الیوم صارما   کمیا محبا للرسول موالیا

کہا اس کو علم دوں گا جو شمشیر دو پیکر ہے
دلیر وصف شکن جانباز و شیدائے پیمبرؐ ہے

یحب الٰہی والالہ یحبه   به یفتح الله الحصون الاوابیا

وہ سرمست ولائے داور و محبوب داور ہے
وہی قلعہ کشا و فاتح درہائے خیبر ہے

فاصفی بہا دون البریه کلها   علیا وسماه الوزیر المواخیا

زمانہ بھر میں اس کو ہی نبی نے یہ شرف بخشا
کہ اپنی جانشینی اور اخوت کا دیا تمغا

جب حضرت علیؓ کی آنکھیں روشن ہو گئیں تو پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھ سے زرہ پنائی تلوار کمر میں لگائی اور علم دے کر خیبر فتح کرنے کا حکم دیا حضرت علم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے رخ موڑ کر پیغمبر اکرمؐ سے پوچھا کہ کب تک لڑوں؟ فرمایا جب تک وہ اسلام قبول نہ کرلیں اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص بھی راہ حق پر آگیا تو وہ تمہارے لئے سرخ بالوں والے اونٹوں سے بہتر ہوگا۔ حضرت دوڑتے ہوئے میدان کی طرف آئے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ذرا ٹھہریئے ہم بھی ساتھ ہولیں مگر حضرتؓ نے جوش شجاعت میں توقف نہ کیا اور قلعہ قموص کے قریب پہنچ کر کے اور علم سنگلاخ زمین میں گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سے یہ منظر دیکھا تو متحیر ہو کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہا میں علیؓ ابن ابی طالب ہوں۔ اس

یہودی نے قلعہ کے اوپر سے یہ منظر دیکھا تو متحیر ہو کر کہا غلبتم یا معشر یہود
اے گروہ یہود اب تمہاری شکست یقینی ہے، یہودیوں کو قلعہ قموص
کی مضبوطی پر بڑا ناز تھا اور پہلے پرچم برداروں کی ناکامی سے ان کے
حوصلے بڑھے ہوتے تھے۔ مگر اپنی ہی جماعت کے ایک آدمی سے یہ حوصلہ
شکن جواب سنے تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور دلوں پر رعب چھا گیا۔ اب
لشکر اسلام میں سے کچھ لوگ بھی حضرت کے پاس پہنچ گئے اور قلعہ کے
سامنے براجما کر کھڑے ہو گئے سردار قلعہ مرحب کا بھائی جو اس سے پہلے
بھی میدان میں نکل چکا تھا ایک دستہ فوج لے کر قلعہ سے باہر آیا اور ایکدم
حملہ کر کے دو مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ حضرت نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا اور
اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مرحب نے جب دیکھا کہ اس کا بھائی مارا
جا چکا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے زرہ پر زرہ پہنی
سر پر پتھر کا ترشا ہوا خود رکھا اور دو تلواریں اور تین بھال کا نیزہ لے کر
قلعہ سے باہر آیا اور رجز پڑھتے ہوئے مبارز طلب ہوا:

قد علمت خیبر انی مرحب　　　شاکی السلاح بطل مجرب

اہل خیبر جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ہتھیار بند بہادر اور
آزمودہ کار ہے۔

مرحب بڑا تنومند اور شہزور تھا اس کے للکارنے پر کسی کو جرأت
نہ ہوئی کہ اس کے مقابلہ کے لئے نکلتا۔

دیار بکری نے لکھا ہے:

لم یقدر احد فی الاسلام ان یقاومہ فی الحرب
(تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۰)

مسلمانوں میں سے کسی کے بس کی بات نہ تھی کہ جنگ میں اس کا مد مقابل ہوتا۔"

جناب امیر نے اس کا یہ رجز سنا تو رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ ضرغام اٰجام ولیث قسورہ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے میں شیر نر اور اسد بیشہ شجاعت ہوں۔"

عبل الذ ارعین غلیظ القصرہ کلیث غابات کریھہ المنظرہ

جس کی کلائیاں مضبوط اور گردن موٹی ہے جیسے جنگل کا وہ شیر جو دیکھنے میں ڈراؤنا ہو۔"

اضربکم ضربا یبین الفقرہ واترك القرن بقاع جزرہ

میں تم پر ایسا وار کروں گا جو جوڑ بند کو توڑ دے اور حریف کو درندوں کا لقمہ بننے کے لئے چھوڑ دے۔"

اضرب بالسیف جموع الکفرہ ضرب غلام ماجد حزورہ

میں ایک باعزت اور طاقت ور جوان کی طرح کفار کی صفوں پر تلوار چلاؤں گا۔"

اکیلکم بالسیف کیل السندرہ

اور تمہیں تلوار سے وسیع پیمانے پر قتل کروں گا۔

مرحب نے آگے بڑھ کر حضرت پر تلوار کا وار کرنا چاہا مگر آپ نے اسے موقع نہ دیا اور پھر تاک کر تلوار اس کے سر پر ماری یہاں تک کہ تلوار خود کو کاٹتی اور سر کی ہڈی کو توڑتی ہوئی جبڑوں تک اتر آئی۔ مرحب زمین پر گرا

اور گرتے ہی دم توڑ دیا۔ مرحب کے مارے جانے سے یہودیوں میں
بددلی پیدا ہوگئی اور جب مرحب کے علاوہ چند اور نامور شجاع بھی حضرت
کے ہاتھ مارے گئے تو ان میں بھاگڑ پڑ گئی اور سب کے سب قلعہ کی جانب
بھاگ کھڑے ہوئے حضرت لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک
یہودی نے آپ کے ہاتھ پر ضرب لگائی جس سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ
نے اعجازی قوت و طاقت سے ایک دروازہ اٹھا کر اسے سپر بنالیا۔
یہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ بعد میں آٹھ آدمیوں نے مل کر اسے اٹھانا
مگر ان کی کوشش ناکام رہی۔
چنانچہ ابورافع کہتے ہیں۔

فلقد رأیتنی فی نفر سبعة معی انا ثامنهم نجهد علی ان نقلب
ذلك الباب فما نقلبه۔

میرے ہمراہ سات آدمی تھے اور میں آٹھواں تھا ہم سب نے پوری
کوشش کی کہ اس دروازہ کو پلٹیں مگر ہم اسے پلٹ نہ سکے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳ صہ ۳۵۰)

حضرت عمرؓ کو بھی اس پر بڑی حیرت ہوئی چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ
سے کہا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں پر بڑا بوجھ اٹھایا۔
حضرت نے فرمایا کہ :۔ ما کان الا مثل جنتی التی فی یدی۔
وہ مجھے اپنی سپر سے زیادہ وزنی معلوم نہیں ہوا۔"

(مناقب ج ا۔ صہ ۴۴۴)

یہودی حضرتؓ کے اس غیر معمولی مظاہرہ قوت سے متاثر ہو کر قلعہ کے
اندر داخل ہوگئے۔ حضرت نے آگے بڑھ کر قلعہ کے آہنی در کو جھٹکا دیا اور اس

کے دونوں پٹ اکھڑ کر آپ کے ہاتھوں میں آ گئے اور فتح نے جھوم کر آپ کے دونوں قدم چوم لئے۔ یہ حیرت انگیز قوت، قوتِ روحانیہ ہی کا کرشمہ ہو سکتی ہے۔

اراضیِ فدک

فدک خیبر کے مضافات میں ایک زرخیز و شاداب بستی تھی جہاں پہلے پہل فدک ابن حام نے ڈیرے ڈالے اور اسی کے نام پر اس بستی کا نام فدک قرار پایا۔ خیبر کی طرح یہاں بھی یہود آباد تھے جنہوں نے آبپاشی کے وسائل مہیا کر کے افتادہ زمینوں کو آباد کیا اور باغوں، نخلستانوں اور لہلہاتے کھیتوں سے اسے جاذب نظر بنا دیا۔

یاقوت حموی نے لکھا ہے۔

فيها عين فوارة ونخيل كثيرة۔

اس قریہ میں ابلتے چشمہ ہائے آب اور کثیر تعداد میں نخلستان تھے۔

(معجم البلدان۔ ج ۱۴ ص ۲۳۸)

فتح خیبر کے بعد خیبر کے پڑوس میں بسنے والوں کے دلوں پر مسلمانوں کی قوت و طاقت کا ایسا رعب بیٹھا کہ انہوں نے بغیر جنگ کے اطاعت قبول کر لی۔ اس موقع پر اہل فدک نے بھی اپنا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ اراضی فدک کی ملکیت سے دستبردار ہو کر پیداوار کے آدھوں آدھ پر مصالحت کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے پیغمبر اکرم ؐ کو پیغام بھیجا کہ ہم لڑنا بھڑنا نہیں چاہتے بلکہ جن شرائط پر اہل خیبر کو کی زمینوں پر زراعت کی اجازت دی گئی ہے ہمیں بھی انہیں شرائط پر فدک کی زمینوں پر زراعت کی اجازت دی جائے آپ ؐ

نے اسے منظور فرمایا اور حضرت علی کو ان کے سردار یوشع ابن نون کے پاس تفصیلات طے کرنے کے لئے بھیجا۔ دونوں فریق میں گفت و شنید کے بعد یہ طے پایا کہ فدک کے باشندے زمینوں کی ملکیت سے دستبردار ہو کر بطور کاشتکار کام کریں گے اور نصف پیداوار خود لیں گے اور نصف پیداوار رسول اللہ کو دیں گے۔ اس مصالحت کے نتیجہ میں اراضی فدک رسول خدا کی ملکیت قرار پائیں کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے جو علاقے مسلمانوں کی لشکر کشی کے نتیجہ میں فتح ہوتے تھے ان میں مسلمانوں کے حقوق ہوتے تھے اور جو لڑے بھڑے بغیر مفتوح ہوتے تھے وہ رسولؐ خدا کی ملکیت قرار پاتے تھے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیٔ قدیر۔

جو کچھ خدا نے پیغمبرؐ کو دیا ان لوگوں سے دلوایا تم نے اس پر اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جو علاقے مسلمانوں کی چڑھائی کے نتیجہ میں مفتوح ہوتے ہیں انہیں غنیمت کہا جاتا ہے اور جو جنگ و قتال کے بغیر حاصل ہوتے ہیں انہیں کو شرعی اصطلاح میں فے اور انفال سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ فدک بھی مال فے تھا جو مسلمانوں کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے بغیر مفتوح ہوا تھا۔ اس لئے یہ خالص رسول اللہ کی ملکیت تھا جس میں مسلمانوں کا کوئی حق نہ تھا۔

علامہ طبری رح نے تحریر کیا ہے۔

كانت فدك خالصة لرسول الله صلى الله عليه وسلم لانهم لم يجلبوا عليها بخيل ولا ركاب۔

فدک خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا کیونکہ اس پر نہ مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔"

(فتوح البلدان۔ صـ ۳۷)

بلاذری نے تحریر کیا ہے؛

كانت فدك لرسول الله صلى الله عليه وسلم لانه لم يوجف المسلمون عليها بخيل ولا ركاب

فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیتِ خاصہ تھا۔ کیونکہ اس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔

(فتوح البلدان۔ صـ ۳۷)

یاقوت حموی نے لکھا ہے۔

افاء الله على رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سنة سبع صلحا۔

یہ گاؤں خداوندِ عالم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سات ہجری میں صلح کے نتیجہ میں دلوایا۔"

(معجم البلدان۔ ج ۴ صـ ۲۳۸)

قرآن مجید کے واضح ارشاد اور علمائے ملت کی تصریحات کے بعد اس میں قطعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ فدک رسول اللہ کی ملکیت خاصہ تھا جس میں انہیں ہر طرح کا حق تصرف حاصل تھا چنانچہ اسی حق تصرف کی بنا پر آپؐ نے یہ گاؤں حضرت فاطمہ زہراء کو اپنی زندگی میں ایک دستاویز کے ذریعہ ہبہ فرمایا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تحریر کیا ہے:۔

اخرج ابن مردویة عن ابن عباس قال لما نزلت وآتِ ذا القربیٰ حقه اعطی رسول الله فاطمة فدکا۔

ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آیت "اے رسولؐ اپنے قرابتداروں کو ان کا حق دے دو۔" نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے فدک فاطمہؑ کو عطا کر دیا"

(تفسیر درمنثور۔ ج ۴ ص ۱۷۷)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر کرتے ہیں:۔

اخرج الطبرانی وغیرہ عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت وآت ذا القربیٰ حقه دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمه فاعطاها فدك۔

طبرانی وغیرہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب آیۃ "اے رسولؐ اپنے قرابتداروں کو ان کا حق دے دو" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؑ کو طلب کیا اور فدک انہیں دیدیا۔

(تفسیر مظہری۔ ج ۵۔ ص ۴۳۳)

آنحضرتؐ کی زندگی تک فدک جناب سیدہؑ کے قبضہ و تصرف میں رہا چنانچہ امیرالمومنینؑ نے اپنے مکتوب میں اس قبضہ و تصرف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

کانت فی ایدینا فدك من کل ما اظلته السماء فشحت علیها نفوس قوم وسخت عنها نفوس قوم آخرو نعم الحکم الله۔

اس آسمان کے سایہ تلے لے دے کر ایک فدک ہمارے ہاتھوں میں تھا اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے

اس کے جانے کی پروانہ کی۔ اور بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔

(نہج البلاغہ)

لیکن وفات پیغمبرؐ کے بعد چند "ملکی مصالح" کے تحت اسے حکومت کی تحویل میں لے لیا گیا۔ جناب سیّدہ نے حکومت کے خلاف مرافعہ کیا مگر ان کا دعویٰ ہبہ مسترد کر دیا گیا اور فدک کے تمام حقوق حکومت کے پائے نام ہوگئے یہ امر تو "مسئلہ فدک" کے ذیل میں تحریر ہو گا کہ کون حق بجانب نہ تھا۔ اور کن وجوہ کی بناء پر یہ دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ مگر یہ کہاں کا انصاف تھا کہ جس امر کے خلاف مرافعہ تھا تصفیہ کا اختیار وہ خود سنبھال لے اور مدعا علیہ ہی مسند قضا پر بیٹھ کر مقدمہ فیصل کر دے۔

فیك الخصام وانت الخصم والحکم

اس عدل گستری و انصاف کیشی کے نتیجہ میں وہی فیصلہ ہونا تھا جو ہوا اور جناب سیّدہؑ نہ ہبہ کے اعتبار سے فدک کی مالک تسلیم کی گئیں اور نہ وراثت کے لحاظ سے۔ اس احساسِ محرومی نے انہیں اس حد تک متاثر کیا کہ نمائندہ حکومت سے مقاطعہ و ترکِ کلام کیا اور زندگی کے آخری لمحوں تک اس کے خلاف احتجاج جاری رکھا۔

فتح مکّہ

رمضان ۸ھ ہجری

حدیبیہ میں قریش اور اہل اسلام کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا کہ دونوں فریق دس برس تک جنگ و قتال سے کنارہ کش رہیں گے اور دونوں

کے حلیف بھی اس معاہدہ کی پابندی کریں گے اور اگر کسی ایک فریق یا اس کے حلیف نے خلاف ورزی کی تو دوسرا فریق معاہدہ صلح کا پابند نہ رہے گا۔ مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ اور قریش کے حلیف بنو بکر میں پہلے سے چپقلش چلی آرہی تھی اور دونوں آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے مگر قریش اور مسلمانوں کی باہمی جنگوں کی وجہ سے ان کی آپس کی لڑائیاں کچھ عرصہ سے ملتوی تھیں اور دونوں اپنے اندرونی اختلافات کو نظر انداز کرکے اسلام کے مقابلہ میں متحد ہو چکے تھے جب قریش اور اہل اسلام میں ایک طویل عرصہ کے لئے معاہدہ صلح ہو گیا تو قریش کے حلیف بنو بکر نے ایک رات بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان کا ایک آدمی مار ڈالا۔ دبی ہوئی رنجشیں پھر سے ابھر آئیں۔ اور دونوں میں پھر سے جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اگرچہ بنو خزاعہ بنو بکر سے نمٹنے کے لئے کافی تھے مگر قریش نے بنو بکر کو ہتھیار بہم پہنچائے اور عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان ابن امیہ اور سہیل ابن عمرو جس نے قریش کی نمائندگی کرتے ہوئے صلحنامہ پر دستخط کئے تھے بنو بکر کے ساتھ ہو کر جنگ کرتے رہے بنو خزاعہ نے اپنی جانوں کے بچاؤ کے لئے خانہ کعبہ میں پناہ لی۔ مگر سرزمین حرم بھی ان کے خون سے رنگین کر دی گئی۔ جب بنو خزاعہ سے کچھ نہ بن پڑا تو ان میں کے چالیس آدمی عمرو ابن سالم کی سربراہی میں مدینہ آئے اور پیغمبر اکرمؐ کو قریش کی بد عہدی و پیمان شکنی کی اطلاع دی اور اپنی تباہی و بربادی کا حال سنایا۔ آنحضرتؐ نے بنو خزاعہ کی فریاد و زاری پر نصرت کا وعدہ فرمایا اور قریش کو پیغام بھجوایا کہ وہ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں اور اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات قبول نہ کریں تو پھر معاہدہ صلح ختم سمجھیں۔ قریش نے دونوں

باتوں کے ماننے سے انکار کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ ہم نہ خون بہا ادا کریں گے اور نہ بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہوں گے۔ قریش کی اس شوریدہ سری کے نتیجہ میں آنحضرتؐ نے اعلان فرمادیا کہ اب ہم سے اور قریش سے کوئی معاہدہ نہیں رہا۔

پیغمبرؐ کے اس اعلان سے قریش میں کھلبلی مچ گئی اور عہد شکنی کے ہولناک نتائج ان کی نظروں کے سامنے آگئے انہوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مسلمانوں کا مقابلہ ان کے بس سے باہر ہے معاہدہ صلح کو برقرار رکھنا چاہا چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ حکمت عملی سے کام لے کر معاہدہ صلح کی تجدید کرائے۔ جب ابوسفیان مدینہ میں آیا تو سیدھا اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس گیا جو پیغمبر اکرمؐ کے حرم میں داخل تھیں۔ ام حبیبہ نے اپنے باپ کو آتے دیکھا تو رسولِ خدا کا بستر تہہ کر دیا۔ ابوسفیان نے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ کیا میں اس بستر کے قابل نہیں یا یہ بستر میرے لائق نہیں؟ ام حبیبہ نے کہا یہ رسولِ خدا کا بستر ہے اور مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ تم اس بستر پر بیٹھو جب کہ تم مشرک و ناپاک ہو۔ ابوسفیان منہ بسور کر واپس ہوا اور رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر معاہدہ صلح کی تجدید کی خواہش کی۔ مگر آنحضرتؐ نے اس کی کسی بات کا جواب نہ دیا اور سنی ان سنی کر دی۔ وہ کچھ دیر ٹھہرا اور پھر اٹھ کر حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول خدا سے ہماری سفارش کیجیئے۔ حضرت ابوبکر نے اپنی معذوری کا اظہار فرمایا۔ پھر حضرت عمر کے پاس آیا اور ان سے بھی کہا سنا مگر انہوں نے بھی اسے کوئی امید افزا جواب نہ دیا جب ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو حضرت علی کے پاس آیا اور ان سے

کہا کہ آپ پیغمبرؐ سے ہماری سفارش کر دیجیئے کہ وہ معاہدہ صلح کو برقرار رکھیں۔ حضرت علی نے کہا کہ پیغمبر اکرم جو ارادہ فرما چکے ہیں اس میں کسی کو دخل انداز ہونے کا حق نہیں ہے لہذا ہم ان سے کچھ نہیں کہہ سکتے

ابوسفیان نے جناب فاطمہ سے جو وہاں تشریف فرما تھیں کہا کہ اے دختر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اگر آپ اپنے بیٹے حسن کو حکم دیں کہ وہ اتنا کہہ دیں کہ میں نے دونوں فریق میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو وہ رہتی دنیا تک سردار عرب کہلائیں گے۔

جناب سیدہ نے فرمایا کہ حسن ابھی بچہ ہے اور ایک بچے کو ان باتوں سے کیا سروکار۔

ابو سفیان کو جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو حضرت علی سے کہا کہ اگر آپ کچھ نہیں کر سکتے تو مجھے مشورہ ہی دیجیئے کہ مجھے اس نازک صورتحال میں کیا کرنا چاہیئے حضرت نے فرمایا کہ تم خود ہی تجدید صلح کا اعلان کر دو اور پھر مکہ چلے جاؤ۔ کہا کہ اس اعلان سے ہمیں کچھ فائدہ بھی پہنچے گا۔ فرمایا کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ تدبیر کارگر ہوگی یا بے نتیجہ ثابت ہو گی کہا کہ اچھا میں اعلان کیئے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر کہا کہ میں دونوں فریق میں معاہدہ صلح کی تجدید کرتا ہوں اور یہ کہہ کر مکہ روانہ ہو گیا۔

جب مکہ میں پہنچا تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا کارنامہ انجام دے کر آئے ہو۔ کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گیا مگر انہوں نے میری کسی بات کا جواب تک نہ دیا۔ پھر ابن قحافہ کے پاس گیا ان سے بھی کوئی کام نہ نکلا پھر ابن خطاب کے پاس گیا۔ وہ بھی دشمن ثابت ہوئے پھر علی

کے پاس گیا تو ان کا رویہ نرم رہا اور ان کے مشورہ پر میں نے بیچ بچاؤ کا اعلان کر دیا۔ قریش نے کہا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی اسے تسلیم کر لیا ہے؟ کہا کہ انہوں نے تو تسلیم نہیں کیا کہا کہ تم ہوش حواس رکھتے ہوئے اتنا نہ سمجھ سکے کہ تمہارے یک طرفہ اعلان صلح سے کیا ہوتا ہے جب تک دوسرا فریق بھی اسے تسلیم نہ کرے۔ علی نے تم سے اچھا مذاق کیا ہے جس کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

پیغمبر اکرمؐ قریش اور بنو بکر کی خونریزی و بدعہدی سے بہت متاثر تھے اور معاہدہ کی رو سے پابند تھے کہ بنو خزاعہ کی نصرت کریں چنانچہ آپ نے اہل مدینہ کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور بیرون مدینہ کے لوگوں کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ جنگی ہتھیاروں کے ساتھ مدینہ پہنچیں پیغمبرؐ کی آواز پر لوگ جوق در جوق مدینہ میں جمع ہونے لگے اور ہتھیاروں کی دیکھ بھال اور کوچ کی تیاریاں کرنے لگے۔ مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کدھر جانا ہے اور کس سمت بڑھنا ہے آنحضرتؐ نے اس کا پورا اہتمام کیا تھا کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے اور ایک دم ان کے سروں پر پہنچ جائیں صحابہ میں سے جنہیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مکہ پر چڑھائی کا ارادہ ہے انہیں یہ تاکید فرما دی تھی کہ وہ اسے مخفی رکھیں اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کریں تاکہ اہل مکہ کے کانوں تک اس کی بھنک نہ پڑنے پائے۔ مگر حاطب ابن ابی بلتعہ نے کی جس کے اہل و عیال مکہ میں تھے اس راز کو فاش کرنے کی سعی مذموم کی۔ اور ایک خط لکھ کر عمرو ابن عبد المطلب کی کنیز سارہ کو دیا کہ وہ اسے مکہ پہنچا دے۔ اور اس میں تحریر کیا کہ رسول اللہ مکہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعہ اس کی اطلاع ہو

گئی۔ آپ نے فوراً حضرت علیؑ اور زبیر ابن عوام کو اس کنیز کے تعاقب میں بھیجا کہ وہ اسے جہاں پائیں گرفتار کر کے لائیں ابھی وہ وادی حلیفہ تک پہنچی تھی کہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت علیؑ نے اس خط کے بارے میں دریافت کیا مگر اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس کوئی تحریر نہیں ہے۔ زبیر نے اس کے سامان کی تلاشی لی مگر اس میں سے کچھ نہ نکلا حضرت علیؑ نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کے پاس خط نہ ہو جب کہ رسول اللہ ہمیں خبر دے چکے ہیں اور ان سے غلط بیانی کا امکان ہی نہیں ہے یہ کہہ کر اس سے سختی کے ساتھ خط کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اگر تم نے ذرا بھی حیل و حجت سے کام لیا تو تمہاری جامہ تلاشی لی جائے گی اس دھمکی کا یہ اثر ہوا کہ اس نے سر کے بالوں میں سے خط نکال کر پیش کر دیا۔ حضرت علیؑ وہ خط لے کر پیغمبرؐ کی خدمت میں آئے اور تمام سرگزشت بیان کر دی۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے تاکیداً کہہ دیا تھا کہ اس اقدام کو مخفی رکھا جائے مگر تم میں سے ایک شخص نے راز کو فاش کرنے کی سعیٔ ناکام کی ہے اور قریش کو خط لکھ کر ہمارے ارادہ سے آگاہ کرنا چاہا ہے وہ خط پکڑا جا چکا ہے لہذا جس نے یہ نامناسب حرکت کی ہے وہ خود ہی بتا دے ورنہ وہ رسوا ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ حاطب نے یہ سنا تو لرزاں و ترساں کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ یہ غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ میں نے قریش کی دوستی اور اسلام کی دشمنی میں ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے یہ سوچا تھا کہ اس طرح قریش کو ممنونِ احسان کر کے اپنے بال بچوں کا تحفظ کروں جو ابھی تک قریش کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہے ہیں اس پر حضرت عمرؓ نے بگڑ کر کہا۔

یارسول اللہ دعنی فلا ضرب عنقہ فان الرجل قد ناق۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۲۸)

"یارسول اللہ مجھے اجازت دیجیئے کہ میں اس کی گردن اڑادوں یہ شخص منافق ہے۔"

مگر پیغمبر اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگزر سے کام لیا اور اسے معاف فرمادیا۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق ارشاد باری ہے۔

تسرون الیھم بالمودۃ و انا اعلم بما اخفیتم وما اعلنتم ومن یفعلہ فقد ضل سواء السبیل۔

"تم ہو کہ کفار کے پاس چوری چھپے دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر یا کھلم کھلا کرتے ہو میں اس سے بخوبی واقف ہوں اور تم میں سے جو بھی ایسا کرتا ہے وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے"۔

۱۰ ماہ رمضان ۸ھ کو رسول خدا دس ہزار مسلح مسلمانوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ چار سو صحابہ گھوڑوں پر سوار تھے اور باقی پیادہ چل رہے تھے جب لشکر اسلام کدیہ میں پہنچا تو پیغمبرؐ نے صحابہ کو روزہ افطار کر لینے کا حکم دیا اور خود بھی روزہ ختم کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اس میں پس و پیش کیا۔ پیغمبرؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ لوگ عاصی و گنہگار ہیں۔ اس پر سب نے روزہ افطار کر لیا۔ جب منزل بمنزل بڑھتے ہوئے ثنیۃ العقاب تک پہنچے تو عم رسولؐ عباس ابن عبدالمطلب اپنے اہل و عیال کے ساتھ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عباس نے اپنے متعلقین کو مدینہ بھجوا دیا اور خود پیغمبرؐ کے ساتھ ہو گئے مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر آنحضرتؐ نے پڑاؤ ڈالا تو عباس رسول خدا

کے خچر پر سوار ہو کر باہر نکلے اس خیال سے کہ اگر کوئی آدمی مل جائے تو
اس کے ہاتھ قریش کو یہ پیغام بھجوائیں کہ وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر
ہو کر امان کی درخواست کریں اور اسلام لا کر اپنی جانوں کا تحفظ کر لیں قریش
کو ابوسفیان کے ناکام واپس آنے کے بعد اس خطرہ کا احساس تو تھا ہی
کہ مسلمان انہیں عہد شکنی کی سزا دینے کے لئے لامحالہ کوئی قدم اٹھائیں گے
اس لئے وہ راتوں کو مکہ کے گرد چکر لگاتے اور حالات کا جائزہ لیتے اسی
مقصد سے ابوسفیان، حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقاء مکہ کے اطراف میں
گشت کر رہے تھے کہ مرالظہران کی جانب سے آگ کی روشنی اور لوگوں کی
نقل و حرکت دیکھ کر حیرت میں کھو گئے ابوسفیان نے کہا کہ یہ کون لوگ ہو سکتے
ہیں ؟ بدیل ابن ورقاء نے کہا کہ بنوخزاعہ کا لشکر ہو گا۔ ابوسفیان نے کہا کہ
بنوخزاعہ میں اتنا دم خم کہاں کہ وہ اپنے پرچم کے نیچے اتنا عظیم لشکر جمع کر سکیں
ابھی یہ لوگ قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ عباس ابن عبدالمطلب سے ملاقات
ہو گئی۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ فوج و سپاہ کیسی ہے ؟ کہا
کہ یہ فوج بیکراں پیغمبرؐ کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے۔ آنحضرتؐ دس ہزار مسلح
مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی جانب بڑھ رہے اور پو پھٹتے ہی مکہ پر حملہ کر دیں گے
اور قریش میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے ۔ یہ سن کر ابوسفیان کانپ
اٹھا اور کہا کہ پھر ہمارے بچاؤ کی کیا صورت ہو گی ۔

عباس نے کہا کہ تم میرے پیچھے میری سواری پر بیٹھ جاؤ میں آنحضرتؐ
سے کہہ سن کر تمہیں امان دلوا دوں گا۔ جب ابوسفیان کو ساتھ لئے ہوئے عباس
لشکر اسلام کی طرف سے گذرے تو حضرت عمر نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ وہ
دوڑتے ہوئے رسولؐ خدا کے پاس گئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ دشمن خدا آ رہا

ہے۔ مجھے حکم دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں عباس نے حضرت عمر کو قتل ابوسفیان پر زور دیتے ہوئے دیکھا تو کہا:۔

مھلا یا عمر فو اللہ ما تصنع بہ ھذا الا انہ رجل من بنی عبد مناف ولو کان من عدی ابن کعب ما قلت ھٰذا۔

ٹھہرو اے عمر! خدا کی قسم تم یہ اس لئے کہہ رہے ہو کہ وہ اولاد عبد مناف میں سے ہے اگر وہ تمہارے قبیلہ بنی عدی میں سے ہوتا تو تم کبھی ایسی بات نہ کہتے۔"

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۳۳۱)

آنحضرتؐ نے عباس سے فرمایا اسے آج کی رات اپنے خیمے میں ٹھہراؤ اور کل صبح میرے پاس لاؤ۔ جب دوسرے دن اسے رسول اللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو فرمایا اے ابوسفیان تمہیں اب بھی معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کہا کہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اگر اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو اس آڑے وقت میں میرے کام آتا فرمایا تم نے اب بھی نہیں پہچانا کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ کہا کہ اس بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہے عباس نے کہا کہ اے ابوسفیان اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو اسلام قبول کرو ورنہ کسی کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ جب اسے مسلمان ہوئے بغیر جان بچتی نظر نہ آئی تو بادلِ نخواستہ کلمہ پڑھا اور مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گیا عباس نے سفارش کی کہ یارسولؐ اللہ ابوسفیان جاہ پسند ہے اسے کوئی امتیازی حیثیت دے کر اس کی دلجوئی کی جائے۔ فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اس کے لئے امان ہے اور جو مسجد حرام میں پناہ لے اسے بھی امان

لے علامہ دمیری نے حیاۃ الحیوان میں تحریر کیا ہے کہ ایک عالم ابن ظلی صاحب

دی جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی محفوظ رہے گا" پھر فرمایا اے عباس اسے کسی ایسی جگہ پر لے جا کر کھڑا کرو جہاں سے یہ لشکر اسلام کے پھیلاؤ کو اچھی طرح دیکھ سکے عباس اسے ایسی جگہ پر لے گئے۔ اس نے جب انبوہ در انبوہ فوجوں اور ان کے چمکتے ہوئے ہتھیاروں کو دیکھا تو لرز اٹھا اور عباس سے کہا: لقد اوتی ابن اخیك ملكا عظیما۔

(پچھلے صفحہ سے حاشیہ) مشارق الضاعہ) نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ جب آپ لوگوں نے مکہ فتح کیا تو ابوسفیان کے گھر کو پناہ گاہ قرار دیا اور جب ابوسفیان کی اولاد پر سر اقتدار آئی تو اس نے فرزند رسول کو ان کے عزیز و اقارب سمیت بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالا اور کسی ایک کو بھی پناہ نہ دی حضرت علی نے فرمایا کہ ابن الصیفی (حیص بیص متوفی ۵۷۴ھ) کے اشعار تمہارے گوش گزار نہیں ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ تم اس کے ہاں جاؤ اور اس کا جواب سن لو۔ میں صبح کو بیدار ہوا تو سیدھا ابن الصیفی کے ہاں گیا اور اس سے اپنا خواب بیان کیا اور ان کے اشعار سنانے کی فرمائش کی جن کی طرف حضرت علیؑ نے خواب میں اشارہ کیا تھا۔ ابن الصیفی نے قسم کھا کر کہا کہ وہ اشعار میں نے آج ہی کی رات کہے ہیں اور ابھی کسی کو سنانے کی نوبت نہیں آئی۔ لو اب تم سنو!۔

ملکنا فکان العفو منا سجیۃ — فلما ملکتم سال بالدم ابطح

ہم برسرِ اقتدار آئے تو ہمارا شیوہ عفو و درگزر تھا اور تم برسرِ اقتدار آئے تو خون سے وادیاں چھلک اٹھیں۔

وحللتم قتل الاساری وطالما — عدونا علی الاسری فنعفو ونصفح

تم نے اسیروں کے قتل کو حلال جانا اور ہم نے اسیروں پر قابو پایا تو عفو و درگزر

تمہارا بھتیجا تو ایک عظیم سلطنت کا مالک ہوگیا ہے۔

عباس نے کہا: انہ لیس بملك انما ھی النبوۃ۔

یہ سلطنت نہیں ہے بلکہ نبوت کا شکوہ ہے۔"

ابوسفیان نے کہا کہ مجھے اس کا خیال نہیں رہا ایسا ہی ہوگا۔

ابوسفیان لشکر اسلام کی جھلک دیکھ کر مکہ آیا اور قریش سے کہا کہ محمدؐ ایک لشکر جرار کے ساتھ پہنچ گئے۔

لوگوں نے کہا کہ تم وہاں گئے تھے انہوں نے کچھ کہا بھی ہے؟

کہا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان دی جائے گی۔

لوگوں نے کہا کہ تمہارے گھر میں آدمی ہی کتنے آسکتے ہیں؟

کہا کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے گا یا مسجد حرام میں پناہ لے گا۔ اس کے لئے بھی امان ہے۔

پھر قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے گروہ قریش تم ان کا مقابلہ تو کر نہیں سکتے بہتر ہے کہ اسلام قبول کر کے اپنی جانیں بچالو۔

اس کی بیوی ہند بنت عتبہ نے سنا تو آگے بڑھ کر اس کی داڑھی پکڑ لی اور کہا: اقتلوا ھذا الشیخ الاحمق۔

اے لوگو اس بوڑھے احمق کو قتل کر ڈالو۔"

یہ پچھلے صفحہ سے حاشیہ ؛ سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا۔

حسبکم ھذا التفاوت بیننا　　　فکل اناء بالذی فیه ینضح

اس سے ہمارا اور تمہارا تفرقہ ظاہر ہے اور ہر ظرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اسکے اندر ہوتا ہے

ابوسفیان نے کہا کہ یاد رکھو کہ تم نے اسلام کے قبول کرنے میں بھی ذرا بھی پس و پیش کیا تو تمہاری گردن بھی اڑا دی جائے گی۔

قریش ابھی حیرت میں کھوئے ہوئے سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں کہ اسلام کے پرچم لہرانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مکہ کی فضا پر چھا گئے۔ سعد ابن عبادہ رایت اسلام اٹھائے حدود مکہ میں داخل ہوئے تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

الیوم یوم الملحمہ   الیوم تستحل الحرمہ

آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے   آج ہتک حرمت کا دن ہے

سعد کے یہ الفاظ غمازی کر رہے تھے کہ وہ آج قریش کے مظالم کا بدلہ چکائیں گے اور کشت و خون کئے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے۔ عباس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ سعید کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ خونریزی پر آمادہ ہیں۔ پیغمبرؐ کا کوئی ارادہ جنگ کا نہ تھا اور نہ جنگ کی ضرورت ہی تھی۔ آپ نے مناسب سمجھا کہ سعد سے علم لے لیا جائے۔ چنانچہ علیؑ کو بلایا اور ان سے کہا:

ادرکہ فخذ الرایۃ ولکن انت الذی تدخل بہا۔

تم سعد کے پاس جاؤ اور اس سے علم لے لو اور تم ہی علم لے کر مکہ میں داخل ہو۔   (تاریخ کامل۔ج۔ صہ ۱۶۶)

جناب امیر نے آگے بڑھ کر سعد سے علم لے لیا اور لشکر کی قیادت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے قریش میں تاب مقاومت ہی نہ تھی کہ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے ریلے کو روکتے۔ اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے اور کل جن کے لئے مکہ کے دروازے بند کئے تھے آج کے لئے فتح و کامرانی کے دروازے کھل گئے یہ اسلام کی امن پسندی اور حق و صداقت کی فتح تھی جس میں نہ جنگ کی

نوبت آئی اور نہ جنگ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ لیکن ہر جماعت میں کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی افتادِ طبیعت امن پسندی کے خلاف ہوتی ہے اور وہ ضرورت ہو یا نہ ہو سختی و تشدد کا مظاہر کیئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ خالد ابن ولید جو فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے اسلام لائے تھے اور ابھی اسلام نے ان کے دل و دماغ میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی تھی مکہ کے زیریں حصّہ سے آگے بڑھ رہے تھے کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مل کر بنو بکر سے جنگ چھیڑ دی۔ پیغمبر اکرمؐ کوہِ حجون سے گزرتے ہوئے تلواروں کی چمک دیکھی تو سخت برہم ہوئے۔ فرمایا کہ فوراً اس کشت و خون کو بند کیا جائے۔ مگر اتنے میں بنو بکر کے متعدد آدمی مارے جا چکے تھے۔

جب پیغمبر اکرمؐ مکہ کی بالائی سمت سے شہر میں داخل ہوئے تو سیدھے خانہ کعبہ کے پاس آئے اور طواف بجا لائے۔ طواف سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ عمائدِ قریش سر نہوڑائے چپ سادھے کھڑے ہیں یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے پیغمبرؐ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ آپ کو گھر سے بے گھر کیا اور غربت میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا اور پیہم خونریز حملے کرتے رہے آنحضرتؐ نے ان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم سے کیا سلوک کیا جائے گا سب نے ندامت سے سر نیچے ڈال دیئے۔ خطیب قریش سہیل ابن عمرو نے کہا: نظن خیرا ونقول خیرا اخ کریم وابن عم کریم

"آپ شریف بھائی اور شریف چچا کے بیٹے ہیں ہم آپ سے نیکی اور بھلائی ہی کی توقع رکھتے ہیں۔"

فرمایا: لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء
آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا جاؤ تم سب آزاد ہو۔" یہ پیغمبرؐ

کی بلند نفسی و وسعت قلبی کا کرشمہ تھا کہ جو لوگ ہر وقت دشمنی و عناد پر کمربستہ رہتے تھے اور آپ کی آواز پر کان دھرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے حلقہ بگوش اسلام ہو کر آپ کا کلمہ پڑھنے لگے اور کل کا یتیم اور آج کا فرمانروا نہ صرف ان کے جسموں پر بلکہ ان کے دل و دماغ اور ضمیر و وجدان پر حکومت کرنے لگا قریش کی دھاک دم توڑ کر فنا ہو گئی کفر کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور اسلام کا پرچم فضائے بطحا پر لہرانے لگا۔ اہل مکہ اگرچہ اسلام لے آئے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اسلام کی صداقت سے پہلے ہی سے متاثر رہے ہوں گے اور اب صدق دل سے اسلام قبول کیا ہو گا۔ مگر بلاشبہ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے بے بس ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ کیونکہ عقائد و نظریات میں یکلخت تبدیلی انسانی افتاد طبائع کیخلاف ہے۔ ان اسلامی لبادہ اوڑھنے والوں کے علاوہ کچھ لوگ وہ بھی تھے جو اپنے کفر پر بضد تھے اور وقتی طور پر مکہ سے چلے گئے تھے۔ یا ادھر ادھر چھپ گئے تھے۔ یہ لوگ اسلام کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ انہیں قرار واقعی سزا دے کر فتنہ و شر کو ابھرنے سے پہلے دبا دیا جائے گا۔ پیغمبرؐ اسلام نے اگرچہ عمومی طور پر امان کا اعلان کر دیا تھا مگر چند مفسدہ پرداز عناصر کے متعلق حکم دیا تھا کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو خواہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے چمٹے ہوئے کیوں نہ ہوں چنانچہ ان افراد میں سے عبداللہ ابن خطل اور اس کی کنیز جو رسولؐ اللہ کی ہجو گایا کرتی تھی حویرث ابن نقید اور مقیس ابن صبابہ اپنے کیفر کردار کو پہنچائے گئے اور کچھ لوگوں کی جان بخشی بھی کی گئی۔ چنانچہ عبداللہ ابن ابی سرح نے حضرت عثمان کی پناہ حاصل کر لی اور انہیں ہی کی سفارش پر اسے چھوڑ دیا۔ عکرمہ ابن ابی جہل یمن کی طرف بھاگ گیا اور اس کی بیوی ام حکیم نے اس کے لئے امان کی درخواست کی تو اسے بھی امان دے

دی گئی۔ اور ہبار ابن اسود، عمرو ابن عبدالمطلب کی کنیز سارہ اور ابن خطل کی ایک دوسری کنیز نے اسلام کی آڑ لے کر اپنی جانیں محفوظ کر لیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگوں سے بھی شر انگیزی کا اندیشہ تھا جو مکہ ہی میں چھپے ہوئے تھے چنانچہ حضرت علی کو یہ خبر ملی کہ حارث ابن ہشام اور قیس ابن سائب اور بنی مخزوم کے چند افراد ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں موجود ہیں آپ ام ہانی کے مکان پر آئے اور فرمایا کہ اس گھر میں جو لوگ چھپے ہوئے ہیں انہیں باہر نکالو۔ ام ہانی حضرت علیؑ کو پہچان نہ سکیں۔ کہا کہ اے شخص میں علیؑ کی حقیقی ہمشیرہ اور رسولؐ اللہ کی چچیری بہن ہوں۔

اگر تم نے ان لوگوں کو جو میری پناہ میں ہیں باہر نکلنے پر مجبور کیا تو میں رسولؐ اللہ سے تمہاری شکایت کروں گی۔ اتنے میں حضرت علیؑ نے سر سے خود اتارا تو ام ہانی نے انہیں پہچان لیا۔ دوڑ کر حضرت کے پاس آئیں اور کہا کہ میں قسم کھا چکی ہوں کہ رسولؐ اللہ سے شکایت کروں گی۔ فرمایا تم رسول خدا سے شکایت کر کے اپنی قسم پوری کر لو۔ جناب ہانی اسی وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اے ام ہانی کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں نے سسرال والوں میں سے کچھ لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے علیؑ انہیں اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔

فرمایا: اجرتُ من اجرتِ، "جسے تم نے پناہ دی اسے میں نے پناہ دی۔"

فتح مکہ کے واقعات کے سلسلہ میں حضرت علیؑ کا کردار از ابتدا تا انتہا ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کو ہر چیز پر مقدم سمجھا اور یہ جذبۂ اطاعت ان کے مزاج میں اس طرح رچ بس گیا

تھا کہ ان کا ہر قول و عمل حرکت و سکون اور خاموشی و گویائی آنحضرتؐ کے اشارہ چشم و ابرو سے وابستہ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ فتح مکہ کی تیاریوں کے سلسلہ میں پیغمبرؐ کے رازوں کے امین تھے مگر کسی موقع پر اپنی برتری جتلانے کے لئے لب کشائی نہیں کرتے جب کہ جنگ بدر اور بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والا ایک ممتاز صحابی اپنی بیوی بچوں کے تحفظ کے پیش نظر اس راز کو افشا کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے جس کا اخفاء لازمی تھا اور اس طرح قومی و اجتماعی جرم کا مرتکب ہوتا ہے اسی طرح جب ابوسفیان نے آپ سے خواہش کی کہ صلح کے بارے میں آنحضرتؐ سے سفارش کیجئے تو آپ نے پیغمبرؐ کے عزم و ارادہ کو دیکھتے ہوئے اشارۃً یا کنایۃً بھی کچھ کہنا گوارا نہ کیا۔ اور جب اس نے خود حضرت سے مشورہ طلب کیا تو حسن تدبیر کا ثبوت دیتے ہوئے گفتگو میں وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے طرزِ عمل سے مختلف تھا ان دونوں نے اسے سختی سے جھڑک دیا تھا۔ مگر آپ نے اپنا رویہ نرم رکھا جس کا اعتراف خود ابوسفیان نے بھی مکہ پہنچ کر قریش کے سامنے کیا۔ اس نرم روی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معاہدہ صلح کی تجدید سے پوری طرح مایوس ہو کر نہیں پلٹا۔ اگر وہ پوری طرح مایوس و ناکام ہو کر پلٹتا تو قریش کو یقین دلاتا کہ مسلمان حملہ آور ہوئے بغیر نہیں رہیں گے اور وہ مصلحت جو حملہ کو مخفی رکھنے میں ملحوظ رکھی گئی تھی فوت ہو جاتی۔ اور پھر ابوسفیان کے دریافت کرنے پر یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ اس مشورہ پر عمل پیرا ہونے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کچھ فائدہ بھی ہو گا حضرت کا یہ مشورہ ایک دفع الوقتی کی حیثیت رکھتا تھا مگر اس نے اسے بھی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھ کر غنیمت جانا تا کہ پلٹ کر قریش سے کچھ تو کہہ سکے۔

اس موقع پر بھی علم فتح و نصرت حضرت ہی کے ہاتھوں میں تھا جو اس

سے پہلے تمام جنگوں میں علمبردار ہوتے چلے آئے تھے اگرچہ ابتداء میں علم سعد ابن عبادہ کو دیا گیا تھا۔ مگر جب سعد کے طور طریقوں سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ وہ انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر جنگ کرنا چاہتے ہیں تو آنحضرت نے ان سے علم لے کر حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا۔ اگر پیغمبرؐ سعد سے علم لے کر کسی اور کو دینے کا ارادہ کرتے تو سعد اسے اپنی توہین و ذلت سمجھتے اور علم دینے میں پس و پیش کرتے مگر علیؑ کو علم دینا تو ایسا ہی تھا جیسے خود رسول اللہ کو دینا جس سے نہ سعد دل شکستہ ہوئے اور نہ آزردہ خاطر۔ امیر المومنین جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں قیادت کی اہلیت رکھتے تھے اور یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ جوش میں آکر کوئی ایسا اقدام کریں گے جو نبوت کی فتح کو کسرویت اور قیصریت کی فتح میں تبدیل کر دے حضرت کی سیرت کا یہ جاذب نظر پہلو ہے کہ جنگ کا موقع ہو تو ایسے جنگ آزما جیسے کبھی صلح سے واسطہ ہی نہ پڑا ہو۔ اور صلح کا محل ہو تو ایسے امن پسند جیسے حرب و ضرب کی کبھی ہمت ہی نہ ہوئی ہو۔

اس موقع پر حضرت علیؑ نے اپنی اصول پسندی کا بھی ثبوت دیا اور فرائض کی بجاآوری کے سلسلہ میں اپنی حقیقی بہن کے گھر میں پناہ لینے والوں کو اس وقت تک معاف نہیں کیا جب تک رسول اللہ نے ام ہانی کی قدر افزائی کرتے ہوئے ان کی پناہ کو اپنی پناہ قرار نہیں دے لیا یہ تھی حضرت کی آئین پسندی کہ آئین و قانون کے مقابلہ میں نہ اپنے اور غیر کی تمیز کی اور نہ اپنے طرز عمل میں لچک پیدا ہونے دی۔

تطہیر کعبہ

عمرو ابن لحی خزاعی نے ۲۰۰ء میں مصر و شام کے علاقہ میں عمالقہ کو بت پرستی کرتے دیکھا تو اسے بتوں کی پرستش میں اگرچہ کوئی فائدہ نظر نہ آیا تھا مگر تراشے ہوئے بتوں کی صنعت اسے بھا گئی اور چند بت اٹھا کر مکہ لے آیا اور انہیں خانہ کعبہ کے گرد و پیش نصب کر کے لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دی رفتہ رفتہ اہل مکہ کی اکثریت نے بت پرستی اختیار کر لی اور خانہ کعبہ صنم کدہ اور مکہ بت پرستی کا مرکز بن گیا۔ قریش کا سب سے بڑا دیوتا ہبل تھا جو خانہ کعبہ میں بلندی پر نصب تھا اور اس کے آس پاس سینکڑوں بت ایک دوسرے سے جڑے بندھے رکھے تھے اور سال کے ۳۶۰ دنوں میں ایک ایک دن ایک ایک کی پوجا کے لئے خاص کر دیا گیا تھا۔ اہل مکہ کی دیکھا دیکھی اطراف و جوانب کے لوگ بھی بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے اور جب حج کے لئے مکہ آتے تو حرم سے پتھر اٹھا کر ساتھ لے جاتے اور انہیں مکہ کے بتوں کی شکل و صورت میں تراش کرا اپنے ہاں نصب کر لیتے یہاں تک کہ تمام عرب میں بت پرستی عام ہو گئی اور ہر قبیلہ نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ بت بنا لیا۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر مقام نخلہ میں عزیٰ کی مورتی نصب تھی جو قریش اور بنی کنانہ کی عقیدت کا مرکز تھی طائف میں لات نصب تھا جو بنی ثقیف کا دیوتا تھا۔ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر منات نصب تھا جو اوس و خزرج اور غسان کا دیوتا کہلاتا تھا نجران میں قبیلہ ہمدان یعوق کی پوجا کرتا تھا۔ ینبع کے اطراف میں بنی ہذیل کا بت سواع نصب تھا اور دومۃ الجندل میں بنی کلب کا دیوتا ود تھا۔ اسی طرح مختلف دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا

ہوتی تھی کچھ بت پرست ان حس و حرکت سے خالی اور فہم و شعور سے عاری پتھروں کو اللہ کا شریکِ کار سمجھتے تھے اور ان کے سامنے گڑگڑاتے، جھولیاں پھیلاتے اور مرادیں مانگتے تھے اور یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ پتھر آخر پتھر ہے اس کی کیا طاقت کہ کسی کو کچھ دے سکے یا کسی سے کچھ چھین سکے۔ اور بعض انہیں وسیلہ مانتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ ہم ان کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید ان کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔

ہم ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔"

مکہ پر فوج کشی کا یہ مطلب نہ تھا کہ پیغمبرؐ اپنی مملکت کے حدود کو وسعت دیں اور فاتح و کشور کشا کہلائیں بلکہ اصل مقصد بت پرستی کو مٹاکر توحید کا پرچم بلند کرنا تھا۔ چنانچہ مکہ کو زیرنگیں کرنے کے بعد سب سے پہلے بتوں کی شکست وریخت کی طرف توجہ فرمائی۔ حالانکہ اس موقع پر یہ اندیشہ تھا کہ قریش کے بت پرستانہ جذبات بھڑک نہ اٹھیں اور وہ اپنے بتوں کی تذلیل و توہین دیکھ کر حملہ نہ کردیں مگر پیغمبرؐ نے اپنے فرض منصبی کے سامنے اس خطرہ کو قابل اعتناء نہ سمجھا اور پہلے دیواروں پر بنی ہوئی فرشتوں اور نبیوں کی تصویروں کو مٹایا اور پھر حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر نیچے والے بت توڑے جاچکے تو اوپر والے بتوں کو توڑنے کے لئے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علی تم میرے کاندھوں پر بلند ہوکر بتوں کو توڑو گے یا میں تمہارے شانوں پر سوار ہوکر انہیں توڑوں عرض کیا یارسولؐ اللہ آپ میرے کاندھوں پر سوار ہوکر انہیں توڑیں۔ جب پیغمبرؐ آپ کے کاندھوں پر سوار ہوئے تو آپ نے کمزوری و ضعف کا احساس کیا۔ پیغمبرؐ آپ کے کاندھوں سے اتر آئے اور فرمایا کہ اے علی تم میرے کاندھوں

پر سوار ہو جاؤ حضرت علیؑ دوش پیغمبرؐ پر بلند ہوئے اور چھوٹے موٹے بتوں کے علاوہ ہبل کو جو آہنی میخوں سے گڑا ہوا تھا جھٹکا دے کر اکھاڑ لیا اور زمین پر اس طرح پھینکا کہ پاش پاش ہو گیا۔ قریش کے لئے یہ منظر کتنا عبرت خیز ہو گا کہ کل تک جس کے آگے پیشانیاں رگڑتے رہے تھے اور احد میں جس کی جے کے نعرے لگاتے تھے آج اس کے ٹکڑے پیغمبرؐ کے قدموں میں پڑے ہوئے عجز و بے بسی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

حضرت علی اس صنم اکبر کو توڑنے کے بعد میزاب کی طرف سے نیچے اترے اور مسکراتے ہوئے پیغمبرؐ سے کہا کہ یارسول اللہ میں اتنی بلندی پر سے کودا ہوں مگر ذرا چوٹ نہیں آئی۔

فرمایا: رفعك محمد وانزلك جبرئيل

"اے علی چوٹ کیونکر آتی جب کہ محمدؐ نے تمہیں بلند کیا ہے اور جبرئیل امین نے تمہیں اتارا ہے۔"

یہ تھی علیؑ کی رفعت و بلندی کہ جن کے ہاتھوں سے کائنات کو اوج و عروج حاصل ہوا ان کے کاندھوں کا سہارا لے کر بلند ہوئے اور جن ہاتھوں سے لوح محفوظ کی بلندیوں سے قرآن اترا انہیں ہاتھوں سے سرزمین حرم پر اترے۔ گویا یہ علیؑ کی معراج تھی جو صاحب معراج کے کاندھوں پر ہوئی۔ خود حضرت کا ارشاد ہے۔

لو شئت لنلت افق السماء

اگر میں چاہتا تو آسمان کی بلندیوں کو چھو لیتا" ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

اس موقع پر اور لوگ بھی موجود تھے جنہیں یہ کام سپرد کیا جا سکتا تھا یا اس

میں شریک کیا جا سکتا تھا مگر پیغمبرؐ نے اس کارِ نبوت کی انجام دہی میں علیؓ
کے علاوہ کسی کی شرکت گوارا نہ کی کیونکہ ایک علیؓ ہی تھے جو کبھی بتوں کے
آگے نہ جھکے تھے اور ہمیشہ معبودِ حقیقی کے آگے سجدہ ریز رہے تھے۔ اور ان
کے علاوہ دوسرے افراد زندگی کے کسی نہ کسی دور میں مورتیوں کی پوجا کرتے
رہتے تھے اگر انہیں بت شکنی کا کام سپرد کیا جاتا یا اس میں شریک کیا جاتا تو ممکن
تھا کہ بتوں پر ہاتھ اٹھانے سے گھبراتے اور انہیں توڑنے میں جھجک محسوس
کرتے جیسا کہ اہل طائف نے مسلمان ہونے کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے
بتوں کو توڑنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے پیغمبرؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت
کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے بت خانہ کو ایک سال تک باقی رہنے
دیا جائے اور رسولِ خدا نے اسے منظور نہ کیا تو کہا پھر ہم اپنے ہاتھوں سے
اسے نہیں توڑیں گے کسی اور سے فرمائیے کہ وہ اسے توڑے۔

یومِ غمیصاء

فتح مکہ کے بعد پیغمبرؐ اسلام ابھی مکہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ آپ
نے اطراف و جوانب میں مختلف وفدوں کے بھیجنے کا اہتمام کیا تاکہ وہ لوگوں
کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کر کے دعوتِ اسلام دیں۔ اس سلسلہ میں خالد
ابن ولید کو تین سو پچاس افراد کی جمعیت کے ساتھ بنی جذیمہ کے پاس بھیجا
اور انہیں تاکید کر دی کہ وہ کسی پر ہاتھ نہ اٹھائیں اور نہ جنگ و قتال کریں بلکہ
اپنا دائرہ تبلیغ اسلام تک محدود رکھیں۔

ابن سعد تحریر کرتے ہیں۔

بعثه الی بنی جذیمه داعیا الی الاسلام ولم یبعثه مقاتلا۔
پیغمبرؐ نے خالد ابن ولید کو بنی جذیمہ کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا ان سے جنگ و قتال کے لئے نہیں بھیجا تھا۔"

(طبقات۔ ج ۲۔ صہ ۱۴۷)

زمانۂ قبل اسلام میں خالد کا چچا فاکہہ ابن مغیرہ اور عبدالرحمٰن کا باپ عوف یمن سے واپسی کے بعد بنی جذیمہ کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ قریش نے انتقام کے لئے ان پر چڑھائی کر دی مگر انہوں نے خوں بہا دے کر صلح صفائی کر لی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اب خالد کو وفد کی سربراہی کرتے ہوئے ان کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا تو ان کے انتقامی جذبات ابھر آئے اور وہ اپنے کو انتقام کشی سے باز نہ رکھ سکے چنانچہ جب یہ وفد مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر چاہ غمیضا پر پہنچا تو وہاں اتر پڑا۔ یہ کنواں بنی جذیمہ کی ملکیت تھا جس کے آس پاس وہ آباد تھے۔ جب انہوں نے خالد کو لشکر کے ہمراہ اپنے کنوئیں پر پڑاؤ ڈالے دیکھا تو انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ خالد کہیں جنگ نہ چھیڑ دیں۔ انہوں نے پیش بندی کرتے ہوئے ہتھیار باندھ لئے اور لڑنے بھڑنے پر تیار ہو گئے۔ خالد نے انہیں ہتھیار باندھے دیکھا تو کہا تم کون ہو؟ کہا کہ ہم مسلمان ہیں ہم نے اپنی آبادی میں مسجد تعمیر کر رکھی ہے جس میں اذانیں دیتے اور نمازیں پڑھتے ہیں خالد نے کہا کہ جب تم مسلمان ہو تو یہ ہتھیار کیوں باندھ رکھے ہیں؟ کہا کہ ہم نے یہ ہتھیار اس خیال سے باندھے ہیں کہ سابقہ عداوت کی بنا پر تم جنگ و قتال پر نہ اتر آؤ۔ کہا کہ تم مطمئن رہو ہم جنگ نہیں کریں گے اور اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو۔
انہوں نے کہا کہ:۔

لا ناخذ السلاح علی اللہ وعلی رسولہ ونحن مسلمون۔

جب ہم مسلمان ہیں تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔"

(تاریخ یعقوبی۔ ج ۳۔ صـ ۴۷)

یہ کہہ کر انہوں ہتھیار اتارنا چاہے کہ ان کے قبیلہ کے ایک شخص جحدم نے کہا کہ ہتھیار اتارنے سے پہلے سوچ سمجھ لو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالد ہتھیار اتروانے کے بعد تمہاری مشکیں باندھے گا اور پھر تمہیں تہ تیغ کر دے گا۔ میں ہرگز ہتھیار نہیں اتاروں گا اور تمہیں بھی مشورہ دوں گا کہ اپنے ہتھیار نہ اتارو۔ لوگوں نے اسے سمجھایا بجھایا کہ کیوں اپنی اور اپنے قبیلہ کی تباہی کا سامان کرتے ہو۔ جنگ کا دور ختم ہو چکا اب وہ بھی مسلمان ہیں اور ہم بھی اسلام لا چکے ہیں پھر اپنوں سے خطرہ کیا اور اندیشہ کس بات کا۔ غرض سب نے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے۔ خالد نے جب دیکھا کہ سب بے دست و پا ہو چکے ہیں تو انہوں نے اپنے ہمراہیوں کو جو زیادہ تر انہی کے قبیلہ کے تھے حکم دیا کہ سب کی مشکیں کس لو اور ہتھیار چھین لو۔ چنانچہ انہیں رسیوں میں جکڑ کر ان کے ہتھیار چھین لئے گئے اور پھر ایک ایک کر کے سب کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف جو اس مہم میں شریک تھے خالد کے اس اقدام پر بہت بگڑے اور دونوں میں تکرار شروع ہوگئی۔

عبدالرحمٰن نے کہا۔

عبد الرحمٰن بن عوف کذبت قد قتلت قاتل ابی ولکنک انما ثأرت بعمک الفاکہہ بن المغیرہ۔

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۳۴۲۔)

تم نے زمانہ اسلام میں دورِ جاہلیت کی حرکت کی ہے۔ خالد نے کہا کہ میں

نے تمہارے باپ عوف کا انتقام لیا ہے۔ عبدالرحمن نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو میں نے خود اپنے باپ کے قاتل کو قتل کیا تھا۔ تم نے اپنے چچا فاکہ ابن مغیرہ کے خون کا بدلہ لیا ہے۔"

مؤرخ یعقوبی نے تحریر کیا ہے:۔

قال عبدالرحمن ابن عوف واللہ لقد قتل خالد القوم مسلمین فقال خالد انما قتلتھم بابیک عوف ابن عبد عوف فقال له عبدالرحمن ولکنك قتلت بعمك الفاکھہ ابن المغیرة

عبدالرحمن ابن عوف نے کہا کہ خدا کی قسم خالد نے ان لوگوں کو تہِ تیغ کیا جو اسلام لا چکے تھے۔ خالد نے ان سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ عوف کے انتقام میں انہیں قتل کیا ہے۔ عبدالرحمن نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تم نے اپنے چچا فاکہ ابن مغیرہ کا انتقام لیا ہے۔"

(تاریخ یعقوبی ج ۲۔ صہ ۴۷)

جب پیغمبر اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی جذیمہ کے قتل کئے جانے کی خبر ہوئی تو بہت صدمہ ہوا اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا:۔

اللھم انی ابرء الیك مما صنع خالد ابن الولید

خداوندا میں تیری بارگاہ میں خالد ابن ولید کے اس فعل سے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔" (تاریخ طبری۔ ج ۲۔ صہ ۳۴۲)

پھر حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ تم یمن سے آیا ہوا مال لے کر بنی جذیمہ کے پاس چاہِ غمیضا پر جاؤ اور ایک ایک آدمی کا خون بہا ادا کرو۔ اور ان کا

جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کرو۔ حضرت علیؑ ان کے ہاں گئے مقتولین کے وارثوں کو ان کا خون بہا دیا اور ان کے تمام نقصانات کی تلافی کی۔ جب سب کا خون بہا ادا کر چکے تو پوچھا کہ اب کسی کا کوئی مطالبہ تو باقی نہیں رہا؟ کہا کہ اب ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ فرمایا کہ ابھی میرے پاس کچھ مال بچ رہا ہے میں اسے واپس لے جانا نہیں چاہتا وہ بھی تمہیں رسولؐ اللہ کی جانب سے دیتا ہوں۔ جب خون بہا اور باقی ماندہ مال تقسیم کر چکے تو واپس تشریف لائے اور پیغمبر اکرمؐ سے تمام واقعہ بیان کیا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔

فداك ابي وامي ما فعلت احب الي من حمر النعم

میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں تم نے جو کچھ کیا ہے وہ مجھے سرخ بالوں والے اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے"

(تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۴۷)

خالد ابن ولید کا یہ اقدام سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی تھا۔ اسلام اس کا قطعاً روادار نہیں ہے کہ کافر کو بھی بلاوجہ قتل کیا جائے۔ بلکہ میدانِ جنگ میں اگر کوئی کافر تلوار دیکھ کر کلمہ پڑھ لے تو اس پر بھی حملہ آور ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ اسامہ ابن زید نے ایک مہم میں ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے تلوار کو دیکھ کر کلمہ پڑھا تھا جب آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو اسامہ کو سرزنش کی۔ اسامہ نے کہا کہ اس نے تو تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا۔

فرمایا: هلا شققت قلبه؟"

کیا تم نے اس کے دل کے اندر جھانک کر دیکھ لیا تھا"؟

چہ جائیکہ جو مسجدیں تعمیر کرتے، اذانیں دیتے اور نمازیں پڑھتے ہوں، ان

سے فریب اور غلط بیانی سے ہتھیار رکھوائے جائیں اور پھر دور جاہلیت کے خون کا بدلہ لینے کے لئے ان کے خون سے ہولی کھیلی جائے حالانکہ پیغمبرؐ نے فتح مکہ کے موقع پر دور جاہلیت کے قتل کے انتقام کو ختم کرتے فرمایا تھا۔

کل دم او مأثرة او مال یدعی تحت قدمی هاتین

زمانہ جاہلیت کے خون کا انتقام، قومی مفاخر اور خون بہا میں نے اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالے ہیں۔" (تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۷۰)

اس موقع پر امیر المومنینؑ نے نہ صرف یہ کہ پیغمبرؐ کے حکم سے ایک ایک کا خون بہا ادا کیا بلکہ ان کے حق سے زیادہ دے کر ان کی دلجوئی کی۔ اگر حضرت اس طرح ان سے ہمدردی و مواسات نہ کرتے اور ان پر یہ واضح نہ کر دیتے کہ آنحضرتؐ اس قتل و خون ریزی سے قطعاً بری الذمہ ہیں تو کچھ بعید نہ تھا کہ وہ لوگ جو ابھی تازہ مسلمان ہوئے تھے اسلام ہی سے بدظن ہو جاتے۔ اور دوسروں کے دلوں میں بھی اسلام کی طرف سے بے اعتقادی پیدا کرتے۔ لیکن آپ نے خون بہا کے علاوہ بقیہ مال بھی انہی پر تقسیم کر کے ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھا اور پوری طرح سے ان کی تسلی و تشفی کی۔

غزوۂ حنین

شوال سنہ ہجری !

فتح مکہ کے موقع پر قریش نے پیغمبرؐ اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو تمام قبائل عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ان میں سے اکثر نے اسلام کے دامن میں پناہ لے لی۔ لیکن بنی ہوازن و بنی ثقیف کی شوریدہ سری میں ذرا کمی نہ آئی اور بدستور دشمنی و عناد پر تلے رہے۔ بنی ہوازن کے ایک سردار مالک ابن عوف نصری نے بنی جشم و بنی نصر کو اپنے ساتھ ملا کر لشکر ترتیب دیا اور فیصلہ کن جنگ کا تہیہ کر لیا۔ بنی ثقیف جنہوں نے پیغمبرؐ اکرم پر پتھر برسا کر انہیں طائف سے باہر نکالا تھا وہ بھی ان کے معاون و مددگار بن کر اٹھ کھڑے ہوئے مالک ابن عوف نے بنی سعد کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دیں بنی سعد نے جنگ پر آمادگی ظاہر نہ کی اور کہا کہ محمدؐ ہمارے قبیلہ میں پلے بڑھے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ ان کے مقابلہ میں صف آرا ہوں مگر ان پر زور دینے سے ان کے کچھ آدمی شریک ہو گئے اور لشکر کی تعداد چار پانچ ہزار تک پہنچ گئی مالک ابن عوف سپہ سالار اور ابو جرول علمبردارِ لشکر مقرر ہوا۔ اور بال بچوں مویشیوں اور بھیڑ بکری کے ریوڑوں کو ساتھ لے کر بڑے زور و شور سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس لشکر میں عرب کا مشہور ماہر فنون حرب درید ابن صمہ بھی شامل تھا اس کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھا مگر اسے ہودج میں بٹھا کر اس غرض سے ساتھ لے لیا تاکہ بر وقت اس کے تجربہ و اصابت رائے سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ جب لشکر نے وادیٔ اوطاس میں منزل کی تو اس نے پوچھا

کہ یہ کون سی جگہ ہے اسے بتایا گیا کہ یہ وادی اوطاس ہے اس نے کہا کہ یہ جگہ گھوڑوں کی آمدورفت اور حرب و پیکار کے لئے موزوں رہے گی اس لئے کہ یہ نہ زیادہ پتھریلی اور سخت ہے اور نہ زیادہ ریتلی اور نرم، اتنے میں اس کے کانوں میں بچوں کے رونے جھینکنے اور بھیڑ بکریوں کے ممیانے کی آوازیں آئیں اس نے مالک ابن عوف کو بلا کر پوچھا کہ یہ آوازیں کیسی ہیں اسے بتایا گیا کہ عورتیں بچے بھی ساتھ ہیں۔ کہا کہ انہیں کیوں ساتھ لائے ہو؟ کہا کہ ہاں بچوں کے ساتھ ہوتے ہوئے کوئی میدان چھوڑنے کا ارادہ نہ کرے گا۔ کہا کہ جب میدان سے قدم اکھڑ جاتے ہیں تو پھر عورتوں اور بچوں کا خیال اکھڑے ہوئے قدموں کو روک نہیں سکتا۔ دانشمندی کا تقاضا یہ تھا کہ تمام عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لاتے۔ اگر شکست ہوئی تو ایسی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جسے پشتوں تک مٹایا نہ جا سکے گا۔ پھر پوچھا کہ کیا بنی کعب اور بنی کلاب بھی تمہارے ساتھ ہیں؟ کہا کہ وہ تو شریک نہیں ہوئے۔ کہا کہ اگر تمہارا بخت یاور ہوتا تو وہ بھی شریک ہوتے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم اپنی بستیوں میں واپس چلے جائیں۔ اگر مسلمان ہم پر حملہ آور ہوئے تو ہم اپنا بچاؤ بھی کر سکیں گے۔ اور جن قبیلوں نے ہمارا ساتھ نہیں دیا اس صورت میں وہ بھی ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے مالک نے اس کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ درید نے کہا کہ تم جانو میں تمہارے کسی کام میں دخل نہیں دوں گا۔ مالک تو یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی کام میں دخل نہ دے تاکہ جنگ جیتنے کی صورت میں کامیابی کو اس کی رائے کا نتیجہ نہ سمجھا جائے چنانچہ اس نے ایک صائب رائے ٹھکراتے ہوئے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔

جب پیغمبر اکرمؐ کو اطلاع ہوئی کہ بنی ہوازن و بنی ثقیف جنگ کے ارادہ

سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو آپ نے عبداللہ ابن ابی حدرد کو ان کیطرف بھیجا تاکہ ان کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ انہوں نے گھوم پھر کر تمام حالات کا جائزہ لیا اور پلٹ کر آنحضرتؐ کو خبر دی کہ دشمن جنگ کا ارادہ کر چکا ہے ہمیں اس کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو بلایا اور ابن ابی حدود سے جو سنا تھا اس کا ذکر کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ ابن ابی حدرد کی بات کا اعتبار ہی کیا یہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس پر ابن ابی حدرد نے حضرت عمر سے مخاطب ہو کر کہا؛

ان تکذ بنی فطالما کذبت بالحق یا عمر

اے عمر اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو تم حق کو جھٹلانے کے خوگر رہ چکے ہو

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۳۴۶)

آنحضرتؐ نے ابن ابی حدرد کی اطلاع پر اعتماد کرتے ہوئے لشکر کو صف بندی کا حکم دیا۔ صفوان ابن امیہ سے جو ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا ایک سو زرہیں اور دوسرا سامان جنگ عاریۃً لیا اور ۶ شوال ۸ھ ہجری کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ان بارہ ہزار میں دس ہزار تو وہی مسلمان تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور باقی دو ہزار مکہ کے تازہ مسلمان تھے۔ مسلمانوں کی تعداد کفار کے لشکر سے تین گنا زائد تھی اس کثرت نے بیشتر مسلمانوں میں ایک نخوت کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے لشکرِ اسلام کی کثرت قوت کو دیکھ کر برملا کہا کہ

لن نغلب الیوم من قلت

آج تعداد کی کمی کی بناء پر ہم شکست نہیں کھائیں گے۔"

دشمن نے وادئ حنین میں پہنچ کر پہلے ہی سے دروں اور کھوؤں میں

مورچے سنبھال لئے تھے۔ حنین مکہ و طائف کے درمیان پھیلے ہوئے پہاڑوں کے اندر ایک وادی کا نام ہے جس میں ایک طرف مسطح و ہموار میدان ہے اور دوسری طرف گہرے کھڈ، پرپیچ گھاٹیاں اور دشوار گزار کھائیاں تھیں۔

جب مسلمان صبح ہی صبح وادی حنین میں پہنچے اور تنگ اور ڈھلوان راستوں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے تو دشمن نے کمینگاہوں سے نکل کر یکبارگی تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ کے لئے تیار نہ تھے لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی سب سے پہلے مقدمۃ الجیش نے راہ فرار اختیار کی جس کے سربراہ خالد ابن ولید تھے۔ جب عقب میں آنے والوں نے خالد کو اپنے دستہ سپاہ کے ساتھ بھاگتے دیکھا تو وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی اور جدھر جس کا رخ ہوا ادھر نکل گیا۔ ابو قتادہ جوان بھاگنے والوں میں شامل تھے بیان کرتے ہیں۔

انهزم المسلمون و انهزمت معهم فاذا بعمر ابن الخطاب فی الناس فقلت ما شان الناس قال امر الله۔

مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگ نکلا۔ اچانک میں نے ان لوگوں میں عمر ابن خطاب کو دیکھا تو کہا کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو۔ کہا کہ اللہ کی مرضی ،، (صحیح بخاری ج ۳ صد ۴۵)

حدیث و سیر کی کتابوں میں تو اس فرار کا تذکرہ ہوا ہی ہے خود قرآن نے بھی اس پر واشگاف لفظوں میں تبصرہ کیا ہے:

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔

اور حنین کا دن یاد کرو جب کہ کثرتِ تعداد نے تمہیں مغرور بنا دیا تھا مگر

مگر اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوئی اور تم پیٹھ پھرا کر چل دیئے۔"

ابو سفیان نے مسلمانوں کو بھاگتے دیکھا تو کہا

لا تنتھی ھزیمتھم دون البحر

"ابھی کیا ہے یہ لوگ شکست کھا کر سمندر تک بھاگیں گے۔"

کلاہ ابن حنبل نے کہا؛

الا بطل السحر الیوم۔

"آج اسلام کا سحر ٹوٹ گیا ہے"

کچھ لوگوں نے کہا کہ آج لات وہبل نے اپنی پامالی کا بدلہ لے لیا ہے۔"

یہ لوگ اگرچہ لشکر اسلام میں شامل تھے مگر دل سے شریک نہ ہوتے تھے اور نہ ان سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ جنگ کا نقشہ بگڑنے کی صورت میں پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ مگر تعجب تو اس امر پر ہے کہ بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے اور موت پر پیمان باندھنے والے بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ دیکھتے دیکھتے بارہ ہزار کا جم غفیر چھٹ گیا اور پیغمبرؐ کے پاس معدودے چند آدمی رہ گئے۔ ایک روایت کی بناء پر علی ابن طالب، عباس ابن عبد المطلب، اور ابو سفیان ابن حارث اور عبد اللہ ابن مسعود صرف چار آدمی ثابت قدم رہے اور ایک روایت کی بناء پر دس آدمی باقی رہے علی ابن ابی طالب، عباس ابن عبد المطلب، فضل ابن عباس، ابو سفیان ابن حارث، ربیعہ ابنِ حارث عبد اللہ ابن زبیر ابن عبد المطلب اور عتبہ و معتب پسران ابولہب اور ایمن ابن عبید پیغمبر اسلامؐ خچر پر سوار میدان میں کھڑے تھے۔ عباس اور فضل آپ کے دائیں بائیں ایستادہ تھے۔ ابو سفیان عقب سے زین پکڑے ہوئے تھے اور حضرت علی

پیغمبرؐ کے سامنے تلوار سے دشمن کی یلغار روک رہے تھے اور باقی جانباز آنحضرتؐ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے دشمن کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ مالک ابن عوف پیغمبرؐ پر حملہ کے ارادہ سے بڑھا، ایمن ابن عبید نے اس کا حملہ روکا اور دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

تاریخ کا بیان ہے کہ قوتِ برداشت، صبر و تحمل اور اطمینان و ثبات قدم میں پیغمبرؐ سے بڑھ کر کوئی دیکھنے میں نہیں آیا اس وقت آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے جو آپ کے اطمینان و سکون قلب کے ترجمان ہیں۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

"میں نبی ہوں جس میں جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا فرزند ہوں"

آپ نے مسلمانوں کو میدان چھوڑ کر جاتے دیکھا تو داہنی طرف اور بائیں طرف رخ کر کے انہیں آواز دی۔

" اے اللہ کے بندو کہاں جا رہے ہو؟"

جب اس آواز پر کوئی پلٹتا نظر نہ آیا تو عباس سے کہا کہ چچا تم انہیں بلند آواز سے پکارو۔

عباس نے یا معشر الانصار یا اصحاب الشجرۃ۔

" اے گروہ انصار اے بیعت رضوان میں شریک ہونے والو" کہہ کر انہیں پکارا۔ اس آواز پر کچھ لوگ پلٹے۔ حضرت علیؑ نے انہیں اپنے پرچم کے نیچے جمع کیا اور دشمن پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھے۔ ادھر دشمن بھی جنگ کے لئے تیار تھا۔ دونوں فریق ایک دوسرے پر تلواریں سروں سے ٹکرا کر چنگاریاں برسانے لگیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا: الان حمی الوطیس

"اب جنگ کا تنور گرم ہوا ہے۔"

بنی ہوازن کا علمبردار ابو جرول اونٹ پر سوار تھا۔ سیاہ پرچم کو لہراتا جوش میں رجز پڑھتا اور حملوں پر حملے کرتا ہوا آگے بڑھا۔ حضرت علی اس کی تاک میں تھے۔ عقب سے اس کے اونٹ کے پیروں پر تلوار ماری۔ اونٹ زمین پر گرا ابو جرول ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ آپ نے اس پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ابو جرول کا قتل ہونا تھا کہ دشمن کی رہی سہی ہمت ختم ہو گئی۔ قدموں کا جماؤ اکھڑ گیا اور گرتے پڑتے بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن کی صفوں کو منتشر ہوتے دیکھ کر وہ لوگ جو کونے کھدروں میں دبکے پڑے تھے پلٹ آئے اور سب نے مل کر دشمن کو تلوار کی باڑ پر رکھ لیا۔ کچھ قتل ہوئے کچھ اسیر کر لئے گئے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ جائت کا وقت ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اب ہاتھ روک لیا جائے اور اسیران جنگ کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر پیغمبرؐ کے روکنے اور منع کرنے کے باوجود دو[2] اسیر قتل کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک ابن اکوع تھا جو فتح مکہ کے موقع پر بنی ہذیل کی طرف سے جاسوسی کا کام کرتا تھا۔ حضرت عمر نے اسے بے دست و پا دیکھا تو ایک انصاری کو اشارہ کیا اس نے اسے قتل کر دیا اور دوسرا جمیل ابن معمر تھا۔ یہ بھی ایک انصاری کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جب رسولؐ خدا نے اس سے جواب طلبی کی تو اس نے کہا کہ مجھ سے عمر ابن خطاب نے کہا کہ اسے قتل کر دو۔ آنحضرت نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اسیروں کے قتل کرنے سے منع نہیں کیا تھا۔ اور پھر خفگی و ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عمر کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ آخر کچھ دنوں کے بعد عمیر ابن وہب کے کہنے سننے سے ان کی غلطی سے درگزر فرمایا۔

اسی طرح ایک عورت کے قتل پر آنحضرتؐ کبیدہ خاطر ہوئے۔ اور اس

کی لاش دیکھ کر پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے ؟ لوگوں نے بتایا کہ خالد ابن ولید نے۔ آپؐ نے ایک آدمی سے کہا کہ خالد کے پاس جاؤ اور اسے کہو:

ان رسول اللہ ینھاک ان تقتل امرأۃ او ولید او عسیفا

رسول خدا تمہیں عورتوں، بچوں اور مزدوروں کو قتل کرنے سے منع کرتے ہیں۔" (تاریخ کامل۔ ج ۲، صفحہ ۱۸۰)

جنگ ختم ہو گئی مگر مسلمانوں نے کفار کا تعاقب جاری رکھا اور ان کے چوپاؤں بھیڑ بکریوں اور دوسرے سازوسامان کو اپنی تحویل میں لے لیا اور بقیۃ السیف میں سے ایک بڑی تعداد کو جن میں عورتیں بچے بھی شامل تھے جنگی اسیر بنالیا۔ آنحضرتؐ نے بنی سعد کے ایک شخص بجاد کے بارے میں حکم دیا تھا کہ اسے جہاں پاؤ زندہ گرفتار کر لو۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسے اور اس کے خاندان والوں کو گرفتار کر لیا۔ ان اسیروں میں پیغمبر اکرمؐ کی رضاعی بہن شیما بنت حارث بھی تھیں۔ جب قیدیوں کے ساتھ ان پر بھی کچھ سختی ہوئی تو انہوں نے کہا:

مسلمانو! میں تمہارے رسول کی دودھ شریک بہن ہوں میں نے تمہارے رسولؐ کو کھلایا انہیں لوریاں دیں اور میری ماں نے انہیں دودھ پلایا ہے مسلمانوں کو اس پر یقین نہ آیا۔ جب انہیں رسول اللہؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپؐ کی میں بہن شیما بنت حلیمہ ہوں۔ آپ نے ایک مرتبہ میری پشت پر کاٹا تھا اس کا نشان اب تک باقی ہے آنحضرتؐ نے انہیں پہچان لیا اور اپنی ردا بچھا کر اس پر بٹھایا۔ اور کہا کہ تم ہمارے ہاں رہنا چاہتی ہو یا اپنے قبیلہ کے پاس جانا چاہتی ہو۔ انہوں نے اپنے قبیلہ کے ہاں جانا پسند کیا آنحضرتؐ نے انہیں ایک غلام اور کچھ اونٹ اور چند بکریاں دے کر عزت و احترام سے رخصت کر دیا۔

اس غزوہ میں چار مسلمان شہید ہوئے ستر کفار مارے گئے اور ہزاروں اسیر ہوئے۔ مالِ غنیمت بھی بڑی کثیر مقدار میں حاصل ہوا۔ اس میں چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار سے زائد بھیڑ بکریاں اور چالیس ہزار اوقیہ چاندی شامل تھی مالِ غنیمت اور اسیروں کو وادی جعرانہ میں بدیل ابن ورقا خزاعی کی نگرانی میں محفوظ کر دیا گیا۔ جو لوگ جان بچا کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے ان میں سے اکثر طائف میں چلے آئے تھے بنی ہوازن مالک ابن عوف بھی انہیں میں شامل تھا ایک گروہ وادی اوطاس میں چلا آیا اور کچھ لوگ نخلہ کی طرف چلے گئے۔

غزوۂ حنین مسلمانوں کے لئے ایک کڑی آزمائش تھا۔ انہوں نے شروع میں دشمن کے اچانک حملہ سے ہراساں ہو کر پسپائی کا مظاہرہ کیا اور کثرت اور قوت کے غرور میں یہ نہ سوچا کہ دشمن کھوؤں اور دروں میں چھپا ہو گا۔ اور بے خبری میں حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اگر وہ احتیاط برتتے اور دشمن کی طرف سے غافل نہ رہتے تو نوبت وہاں تک نہ پہنچتی جہاں تک پہنچی بیشک لشکر اسلام میں فتح مکہ کے نتیجہ میں مسلمانوں ہونے والوں کی بھی ایک جمعیت تھی جو اسلام کی سربلندی کے لئے جان کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھی مگر اکثریت تو انہی مسلمانوں کی تھی جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے اور پیغمبرؐ کے ہمرکاب رہ کر جنگوں میں شریک بھی ہو چکے تھے۔ مگر فتح مکہ سے پہلے کے مسلمان ہوں یا بعد کے کسی نے بھی اسلام کی شکست میں کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اگر اس موقع پر پیغمبرؐ اکرم اور ان کے گنتی کے چند عزیز و اقارب بھی میدان سے ہٹ جاتے تو پھر ایسی شرمناک شکست ہوتی کہ سابقہ فتوحات پر بھی پانی پھر جاتا۔ اور مسلمانوں کی جو دھاک قبائل عرب پر بیٹھ چکی تھی ایک دم ختم ہو جاتی۔

اس فتح و کامرانی میں سب سے زائد حصہ حضرت علیؑ کا ہے جنہوں نے

ایک لمحہ کے لئے بھی میدان سے ہٹنا گوارا نہیں کیا اور پیغمبرؐ کے سینہ سپر بن کر دشمن کے حملوں کو روکتے رہے بلکہ انہیں کے استقلال و ثبات قدم کی وجہ سے باقی نو آدمیوں کے قدم جمے رہے۔ کیونکہ ان میں کوئی نہ ہمت اور شجاعت میں آپ سے بڑھ کر تھا اور نہ آپ سے زیادہ حرب و ضرب کے معرکے جھیلے ہوئے تھا اور انہی کے ثباتِ قدم سے متاثر ہو کر جانے والے واپس پلٹے اور پھر آپ ہی نے لشکر کفار کے علمبردار کو قتل کر کے مسلمانوں کے حوصلے بلند کئے اور ستر مقتولین میں سے چالیس جنگجوؤں کو تہ تیغ کر کے ایک طرف اپنی شجاعت و پر جگری کی دھاک بٹھائی اور دوسری طرف اسلام کو نمایاں فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

غرض اللہ کی تائید و نصرت پیغمبرؐ کے استقلال و استقامت اور علیؑ مرتضیٰ کی جرأت و نبرد آزمائی سے مسلمانوں کو ہزیمت کے بعد سرخروئی حاصل ہوئی اور پھر طاغوتی طاقتوں کو ان کے مقابلہ میں جتھا بندی کی جرأت نہ ہو سکی۔

محاصرۂ طائف

شہ ہجری !

بنی ثقیف اور ان کے سردار مالک ابن عوف نصری نے حنین سے بھاگ کر طائف میں پناہ لی اور سال بھر کا سامانِ رسد اور آلات حرب و ضرب جمع کر کے قلعہ بند ہو گئے لشکرِ اسلام نے آنحضرتؐ کی سربراہی میں طائف کا رخ کیا اور قلعہ کے سامنے پڑاؤ ڈال کر انہیں محاصرہ میں لے لیا۔ دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا مگر مسلمان کھلے میدان میں پڑے تھے اور کفار قلعہ بند ہونے کی وجہ سے بڑی حد تک محفوظ تھے۔ انہوں نے قلعہ کے اوپر سے اس قدر تیر برسائے کہ کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ جب دشمن کو زیر کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو سلمان فارسی نے منجنیق کے ذریعہ قلعہ کی دیوار پر سنگ باراں کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ منجنیق کے ذریعہ پتھر برسا کر قلعہ کی دیوار میں شگاف ڈال دیا۔ جب مسلمانوں نے اس شگاف کے راستے سے قلعہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو کفار نے دہکتی ہوئی آہنی سلاخیں اوپر پھینکیں مسلمان مجبور ہو کر پیچھے ہٹے اور قلعہ کو سر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اسی دوران میں پیغمبرؐ اکرم نے حضرت علیؑ کو طائف کے گرد و نواح میں جانے کے لئے کہا اور انہیں مامور فرمایا کہ جہاں کہیں بتخانہ نظر آئے اسے مسمار کر دیں۔ حضرت علیؑ ایک دستہ سپاہ کے ساتھ چل دیئے ابھی رات کی تاریکی چھٹنے نہ پائی تھی کہ قبیلہ بنی خثعم کی طرف سے گزر ہوا انہوں نے مزاحمت کی اور ان میں کا ایک نامور جنگجو آگے بڑھ کر مبارز طلب ہوا۔ حضرت علیؑ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم میں سے کوئی آگے بڑھ کر اسے ٹھکانے لگائے مگر کسی کو ہمت

نہ ہوئی۔ جب کوئی آمادہ نہ ہوا تو آپ خود تیار ہوئے۔ ابوالعاص ابن ربیع نے آپ کو تیار ہوتے دیکھا تو کہا کہ آپ ٹھہریئے میں جاتا ہوں۔ فرمایا اب مجھے ہی جانے دو۔ اگر میں کام آگیا تو اس دستہ کے سربراہ تم ہوگے۔ یہ کہہ کر حضرت اس پر جھپٹے اور پہلے ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔

بنی خثعم نے اسے قتل ہوتے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور پھر کسی کو بھی مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت نے قدم آگے بڑھایا اور بنی ہوازن و بنی ثقیف کا جو بھی بت خانہ نظر آیا اسے توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دیا جب تمام علاقہ بتوں سے پاک ہو گیا تو واپس پلٹے۔ پیغمبر اکرم نے انہیں آتے دیکھا تو بلند آواز سے تکبیر کہی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشہ میں لے گئے اور دیر تک کچھ راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے کچھ لوگوں کو یہ رازدارانہ انداز گفتگو ناگوار ہوا۔ کہنے لگے: لقد طال نجواہ مع ابن عمہ

آج تو ابنِ عم سے سرگوشیوں کا سلسلہ دراز ہو گیا ہے۔ حضرت عمر سے نہ رہا گیا تو انہوں نے رسول اللہ سے برملا کہہ دیا آپ علیؑ سے خلوت میں باتیں کرتے ہیں اور ہمیں قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتے۔ فرمایا:۔

ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ۔

میں نے علی سے راز کی باتیں نہیں کی ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی ہیں۔

(صحیح ترمذی۔ ص ۴۷۷)

انہی ایام محاصرہ میں نافع ابن عیلان بنی ثقیف کے چند سواروں کو لے کر قلعہ سے باہر نکلا۔ حضرت نے اس کا تعاقب کر کے طائف کی ایک وادی وج میں اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر محصورین میں سے کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہو سکی اس عرصہ میں طائف

کے اطراف میں رہنے والوں نے اسلام قبول کر لیا اور بنی ثقیف کے چند غلام بھی قلعہ سے باہر نکل کر آزادی کے وعدہ پر مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں کو محاصرہ کئے بیس دن سے زائد ہو چکے تھے اور ابھی تک قلعہ فتح ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ آنحضرتؐ نے نوفل ابن معاویہ وئلی سے محاصرہ کے طویل ہونے کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہؐ لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے اگر تھوڑا انتظار کیا جائے تو اسے پکڑا جا سکتا ہے اور اگر چھوڑ دیا جائے تو کسی ضرر کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے بنی ثقیف کو ان کی حالت پر چھوڑ کر محاصرہ اٹھا لینا مناسب سمجھا اور اعلان فرمایا کہ کل ہم یہاں سے چل دیں گے چنانچہ دوسرے دن صحابہ نے محاصرہ اٹھا لیا اور روانگی کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عینیہ ابن حصن فرازی نے جب مسلمانوں کو محاصرہ اٹھاتے اور بنی ثقیف کو اپنے تحفظ میں کامیاب ہوتے دیکھا تو بنی ثقیف کو اچھے الفاظ سے یاد کیا جس پر ایک شخص نے کہا کہ تم سپاہ اسلام میں شامل ہوتے ہوئے دشمن کی مدح و توصیف کرتے ہو۔ کہا؛

انی واللہ ما جئت لاقاتل معکم ثقیفا ولکنی اردت ان یفتح محمدؐ الطائف نا صیب من ثقیف جاریۃ۔

خدا کی قسم میں اس لئے نہیں آیا تھا کہ تمہارے ساتھ مل کر بنی ثقیف سے لڑوں بلکہ میری غرض یہ تھی کہ محمدؐ طائف کو فتح کر لیں گے تو میں بنی ثقیف کی کسی عورت کو کنیز ہی میں لے سکوں گا"

(تاریخ طبری۔ ج ۲ صد ۳۵۵)

کچھ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہؐ بنی ثقیف کے لئے بد دعا ہی کرتے جایئے۔ آنحضرتؐ نے بد دعا کے بجائے یہ الفاظ فرمائے۔

اللھم اھد ثقیفا و ائت بھم۔

۔ خدایا بنی ثقیف کو ہدایت فرما اور انہیں میرے پاس حاضر کر۔

(تاریخ کامل ج ۲۔ صد ۱۱۸)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی قبولیت تھوڑے ہی عرصہ بعد ظاہر ہو گئی اور بنی ثقیف کا ایک نمائندہ وفد مدینہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہا کہ یارسولؐ اللہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں مگر ہماری یہ استدعا ہے کہ تین برس تک بنی ثقیف کے بت لات کو توڑا نہ جائے۔ پیغمبرؐ نے اسے منظور نہ کیا تو پھر دو سال پھر ایک سال اور پھر ایک ماہ کے لئے کہا مگر پیغمبرؐ نے ہر مرتبہ انکار کیا۔ کہا اگر آپ یہ نہیں مانتے تو کسی اور کو حکم دیجئے کہ وہ اسے توڑے ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے آنحضرتؐ نے اسے منظور فرمایا پھر کہنے لگے کہ یارسولؐ اللہ ہمیں نماز سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ فرمایا۔

جس دن میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

پھر انہیں تنبیہہ و تہدید کرتے ہوئے فرمایا۔

لتسلمن او لابعثن رجلا منی او قال، مثل نفسی فلیضربن اعناقکم ولیسبین ذراریکم ویاخذن اموالکم

تم اسلام قبول کرو ورنہ میں اس شخص کو جو مجھ سے ہے (یا یہ فرمایا) کہ جو مثل میرے نفس کے ہے تمہاری طرف بھیجوں گا جو تمہاری گردنیں مارے گا تمہارے بچوں اور عورتوں کو اسیر کرے گا اور تمہارا مال و متاع چھین لے گا۔ (استیعاب ج ۲۔ صد ۴۷۷)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آنحضرتؐ

میرے بارے میں فرمائیں کہ وہ یہ ہے مگر آپؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر دو مرتبہ کہا " وہ یہ ہے، وہ یہ ہے "

اس وفد نے پلٹ کر اپنے قبیلہ سے یہ تمام گفتگو کی اور وہ سب کے سب غیر مشروط طور پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس مہم میں بھی امیر المومنینؑ دوسری مہموں کی طرح اپنی کارکردگی کے اعتبار سے ممتاز نظر آتے ہیں اور فریضۂ جہاد کے ساتھ فریضۂ تبلیغ کی انجام دہی میں بھی مستعد دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے محاصرہ کے دوران بنی ثقیف و ہوازن کے بتوں کو توڑا اور اطراف و جوانب کے لوگوں میں ذہنی تبدیلی پیدا کر کے انہیں اسلام کی پذیرائی کے لئے آمادہ کیا بنی خثعم کے ایک جنگجو کو قتل کر کے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کیا اور نافع ابن غیلان کو تہ تیغ کر کے بنی ثقیف کے سواروں کو مار بھگایا اور آخر میں انہی کے نام سے مرعوب و متاثر ہو کر انہوں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی۔

اس موقع پر امیر المومنینؑ کی فضیلت کے بعض پہلو بھی صبح درخشاں کی طرح عیاں ہیں۔ پیغمبرؐ نے انہیں راز کی گفتگو کا شرف بخشا جس کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ دوسروں کے چیں بر جبیں ہونے پر آنحضرتؐ نے اس کی نسبت اللہ کی طرف دی کہ علیؑ صرف میرے رازوں کے امین نہیں بلکہ اللہ کے رازوں کے بھی امین ہیں اور پھر انہیں اپنے نفس کے مانند قرار دے کر دوسروں پر ان کی فضیلت کو واضح کیا۔ کیونکہ جو نفس مثلِ رسول ہو گا اس کی فوقیت بھی اسی طرح ناقابلِ انکار ہو گی جس طرح خود رسولؐ اللہ کی فضیلت و فوقیت ناقابلِ انکار ہے۔

تقسیم غنائم

ذی قعد ۸ھ ہجری!

جب پیغمبر اکرمؐ طائف سے پلٹ کر ۵ ذی قعدہ کو وادی جعرانہ میں قیام فرما ہوئے تو بنی ہوازن کا ایک وفد اسلام لا کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کی کہ ہمارے اسیروں کو رہا کر دیا جائے۔ بنی سعد کے ایک رئیس زہیر ابن صرو نے کہا کہ یا رسول اللہ ان قیدیوں میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں جنہوں نے آپؐ کو گودیوں میں کھلایا ہے۔ اگر کسی سردار عرب نے ہمارے قبیلہ کی کسی خاتون کا دودھ پیا ہوتا تو وہ یقیناً اس کا لحاظ کرتا اور حسن سلوک سے پیش آتا۔ آپ بھی ہم سے حسن سلوک کریں اور آپ سے بڑھ کر حسن سلوک کی کس سے امید کی جا سکتی ہے۔

آنحضرت نے فرمایا کہ جب مسلمان جمع ہوں تو تم ان سے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں کہنا میں اس موقع پر اپنے اور اولاد عبد المطلب کے حصہ میں آنے والے اسیروں کی رہائی کا اعلان کر دوں گا۔ چنانچہ جب مسلمان نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے مسلمانوں رسولِؐ خدا نے ہمارے قبیلہ کی ایک خاتون کا دودھ پیا ہے تم ہمارے اسیروں کو چھوڑ دو۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں اپنا اور بنی عبد المطلب کا حصہ تمہیں بخشتا ہوں۔ مہاجرین و انصار نے کہا کہ ہمارا مال رسولؐ اللہ کا مال ہے ہم ان قیدیوں سے دستبردار ہوتے ہیں۔ البتہ اقرع ابن حابس عباس ابن مرداس اور عیینہ ابن حصن نے اس میں سے کچھ پس و پیش کیا۔ جب اسیر رہا ہو گئے تو آنحضرتؐ نے ارکان وفد سے مالک ابن عوف نصری کے بارے میں پوچھا کہ

وہ کہاں ہے کہ وہ بنی ثقیف کے ہمراہ طائف میں مقیم ہے۔ فرمایا کہ مالک کو پیغام بھیجو کہ اگر وہ یہاں آئے گا تو اس کے اہل وعیال واپس کر دیئے جائیں گے جب مالک کو یہ پیغام ملا تو وہ چپکے سے راتوں رات نکل کھڑا ہوا اور جعرانہ میں پہنچ کر خدمت رسولؐ میں باریاب ہوگیا اور اسلام قبول کرلیا۔ پیغمبرؐ نے اس کا مال اور اس کے اہل عیال اس کے سپرد کئے اور سو اونٹ بھی عطا فرمائے۔

جب اسیران ہوازن کو واپس کر دیا گیا تو مسلمانوں نے مالِ غنیمت کی تقسیم پر اصرار کیا اور کہا یارسول اللہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو ہمیں پر بانٹ دیجیئے۔ پیغمبرؐ نے اجازت دی اور تقسیم شروع ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے اپنے حصہ خمس میں سے تازہ مسلمانوں کو ان کی دلجوئی اور تالیف قلب کے لئے سو سو اونٹ دیئے۔ ابوسفیان اور اس کے دونوں بیٹوں معاویہ اور یزید کو بھی سو سو اونٹ دیئے۔ ان کے علاوہ اقرع ابن، عیینہ ابن حصن اور کچھ اور لوگوں کو بھی سو سو اونٹ ملے اور کچھ لوگوں کو پچاس پچاس۔ اور عام طور پر ہر شخص کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں دی گئیں۔ انصار کو بھی یہی کچھ ملا جس پر انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آنحضرتؐ نے اپنے قوم و قبیلہ والوں سے ترجیحی سلوک کیا ہے حالانکہ ہم نے اس وقت دست تعاون بڑھایا جب ان کا کوئی معاون و مددگار نہ تھا اور وہ قریش ہی تھے جو ان کی جان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کے کانوں تک انصار کا یہ شکوہ پہنچا تو انہیں جمع کر کے سمجھایا کہ ان لوگوں سے یہ برتاؤ محض اس لئے کیا گیا ہے تاکہ وہ ثابت قدم رہیں اور بددل ہو کر اسلام سے برگشتہ

نہ ہو جائیں۔ اے گروہِ انصار تم اس سے خوش نہیں ہو کہ ان کے ہمراہ اونٹ اور بکریاں ہوں اور تمہارے ہمراہ اللہ کا رسولؐ ہو۔ یہ سننا تھا کہ انصار کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہنے لگے یا رسولؐ اللہ ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ ان کے حصہ میں مال دنیا ہو اور ہمارے حصہ میں آپ ہوں۔ آنحضرتؐ نے انصار کے اس رویہ سے خوش ہو کر ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

عباس ابن مرداس اسلمی بھی عام حصہ سے زیادہ کا خواہشمند تھا اور اس نے چند شکوہ آمیز اشعار کہہ کر اس تقسیم پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان میں سے دو شعر یہ ہیں: ۔

وما کان حصن وحابس　　　یفوقان مرداس فی المجمع

حصن اور حابس کسی بزم میں میرے باپ مرداس سے فائق نہ تھے۔

وما کنت دون امرء منهما　　　ومن تضع الیوم لا یرفع

اور نہ میں ان دونوں (عینیہ اور اقرع) سے پست ہوں آج جسے آپ گرائیں گے وہ بلند نہ ہو سکے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا اقطعوا عنی لسانہ "اس کی زبان قطع کرو" پیغمبرؐ کا مقصد یہ تھا کہ اسے کچھ اور دے کر اس کی زبان درازی ختم کی جائے۔ مگر وہ یہ سمجھا کہ پیغمبرؐ نے اس کی زبان قطع کرنے کا حکم دیا ہے وہ یہ سن کر کانپ اٹھا اور جب حضرت نے اسے اپنے ہمراہ چلنے کے لئے کہا تو اس نے پوچھا کہ آپ مجھے کہاں لئے جاتے ہیں؟ فرمایا رسولِ خدا نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرنے کے لئے۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ ہو لیا اور اس جگہ پر پہنچ کر جہاں غنیمت کے اونٹ چر رہے تھے۔

آپ نے کہا کہ ان اونٹوں میں سے اور اونٹ لے کر سو کی تعداد پوری کر لو اور مولفتہ القلوب میں شامل ہو جاؤ یا انہی چار اونٹوں پر قناعت کر کے مہاجرین میں شامل رہو کہا کہ میرے پاس وہی چار اونٹ رہنے دیجئے جو میرے حصہ کے ہیں یہ میں گوارا نہیں کر سکتا کہ زیادہ اونٹ لے کر مؤلفتہ القلوب میں شمار ہونے لگوں۔

امیر المومنین ع نے اس کے سامنے دونوں صورتیں اور ہر صورت میں مرتب ہونے والا نتیجہ واضح کر کے اسے دے دیا کہ چاہے وہ شرفِ ہجرت کو برقرار رکھے اور چاہے اس شرف سے دستبردار ہو کر اونٹوں کی گنتی بڑھائے اگر حضرت ع کچھ کہے سنے بغیر فوراً اونٹ اس کے حوالے کر دیتے تو اسے مال کی طبعی محبت میں یہ نہ سوجھتا کہ یہ طمع اور حرص اسے کس پستی میں لے جا رہی ہے مگر حضرت ع نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر اسے یہ سوچنے کا موقع دیا کہ وہ کون سی راہِ عمل اختیار کرے وہ کہ جس میں بلندی نفس برقرار رہتی ہے یا کہ وہ جس میں عزتِ نفس پامال ہو جاتی ہے چنانچہ اسی احساس دلانے کا یہ اثر تھا کہ اس نے بلندی سے پستی میں گرنے سے اپنے کو بچا لیا اور چند اونٹوں کی خاطر مولفتہ القلوب میں شمار ہونا گوارا نہ کیا۔

اس تقسیم سے فارغ ہو کر پیغمبر اکرم ص مکہ میں تشریف فرما ہوئے اور مناسکِ عمرہ بجا لائے۔ عتاب ابن اسید کو عاملِ مکہ مقرر کیا اور معاذ ابن جبل کو قرآن و احکام شرعیہ کی تعلیم پر مامور فرمایا اور مکہ سے روانہ ہو کر اوائل ذی الحجہ میں مدینہ پہنچ گئے۔

یمن میں نشرِ اسلام

۸ھ ہجری میں پیغمبر اکرمؐ نے خالد ابن ولید کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لئے یمن روانہ کیا جہاں ان لوگوں نے چھ مہینے قیام کیا۔ اور اس عرصہ میں وہاں کے باشندوں کو دعوتِ اسلام دیتے رہے مگر ان کی تبلیغی کوششیں بار آور نہ ہوئیں۔ نہ کسی نے ان کی باتوں پر کان دھرا اور نہ کسی نے کوئی اثر لیا۔ براء ابن عازب جو اس جماعت میں شریک تھے وہ کہتے ہیں۔

بعث رسول اللہ خالد ابن الولید الی اھل الیمن یدعوھم الی الاسلام فکنت فیمن سار معہ فاقام علیہ ستۃ اشھر لا یجیبونہ الی شئی۔ رسولِ خدا نے خالد ابن ولید کو اہل یمن کی طرف بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ ان کے ساتھ جانے والوں میں میں بھی شامل تھا۔ وہ چھ مہینے وہاں ٹھہرے مگر کسی نے ان کی کوئی بات نہ مانی۔"

(تاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۳۸۹)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس تبلیغی مشن کی ناکامی کا علم ہوا تو آپ نے علی ابن ابی طالب کو اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے بھیجا۔ اور فرمایا کہ خالد اور ان کے ہمراہیوں کو واپس بھیج دو اور اگر کوئی اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ رہنا چاہیے تو وہ رہ جائے، براء ابن عازب کہتے ہیں کہ میں نے واپس آنے کے بجائے حضرت کے ساتھ رہنا پسند کیا جب اہل یمن کو یہ اطلاع ہوئی کہ خالد اور ان کے ہمراہی واپس جا رہے

ہیں۔ اور حضرت علیؑ ایک داعی و مبلغ کی حیثیت سے آئے ہیں تو وہ سب ایک جگہ پر جمع ہو گئے۔ حضرت علی نماز صبح سے فارغ ہو کر ان کے ہاں گئے اور رسولؐ خدا کا خط جو اہل یمن کے نام تھا پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد اسلام کے محاسن پر ایک خطبہ دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ جو لوگ خالد کی چھ ماہ کی تبلیغ سے ٹس سے مس نہ ہوتے تھے اسلام کی خوبیوں کے معترف ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

مورخ طبری نے تحریر کیا ہے:۔

اسلمت همدان كلها في يوم واحد۔

تمام قبیلۂ ہمدان ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔"

(تاریخ طبری ج ۲۔ صہ ۳۹۰)

حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ کو قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی اطلاع دی تو آنحضرتؐ سجدۂ شکر بجا لائے اور تین مرتبہ فرمایا:۔

اسلام علیٰ ہمدان۔"

"ہمدان پر میرا سلام ہو۔"

جنگ صفین میں یہ قبیلۂ ہمدان حضرت علیؑ کا بازوئے شمشیر زن تھا اور آپ نے ان کی جانفشانیوں اور معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر فرمایا تھا۔

ولو كنت بوابا على باب جنة   لقلت لهمدان ادخلوا بسلام

اگر میں جنت کے دروازہ کا دربان ہوتا تو قبیلۂ ہمدان سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔"

قبیلہ ہمدان کے اسلام کے بعد یمن میں اسلام کی ترقی و فروغ کی تمام راہیں کھل گئیں لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور

دیکھتے ہی دیکھتے کفر کی گھٹائیں چھٹ گئیں۔ آفتاب ہدایت کی درخشندگیوں سے ظلمت کدۂ کفر میں اجالا ہو گیا۔ ہر طرف توحید کی صدائیں گونجنے لگیں اور نسیم ایمان کے جھونکوں سے دل و دماغ تر و تازہ ہو گئے۔

امارتِ یمن

حضرت علیؑ کی یک روزہ تبلیغ سے گو اہل یمن مسلمان ہو گئے مگر ابھی اسلام کی تعلیمات سے پوری طرح باخبر نہ ہوئے تھے اس لئے ضرورت تھی کہ انہیں حلال و حرام کی تعلیم دی جائے واجبات و محرمات بتائے جائیں اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان کے مقدمات فیصل کئے جائیں آنحضرتؐ نے ان امور کو سر انجام دینے کے لئے حضرت علیؑ کو دوبارہ یمن جانے کا حکم دیا۔ اس اہم منصب کے لئے ذہن رسا فکر بلند اور تجربہ و مہارت کی ضرورت ناقابل انکار ہے۔ حضرت علیؑ کی ذہنی و فکری بلندی سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر سرزمین حجاز سے باہر نکل کر اس طرح کے کام کا پہلا تجربہ تھا۔ اس لئے اس عظیم ذمہ داری کے قبول کرنے میں کچھ متردد ہوئے اور پیغمبر اکرمؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ابھی میرا سن زیادہ نہیں ہے اور اس قسم کے کاموں سے نہ سابقہ پڑا ہے اور نہ ہی تجربہ ہے کیا کسی مشیر کار کے بغیر اس مہم کو سر کر لوں گا۔

آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ علیؑ کے سینہ پر رکھا اور فرمایا۔

اللھم اھد قلبہ وسدد لسانہ

اے اللہ علیؑ کے دل کو ہدایت آشنا اور زبان کو عیب و غلطی سے

پاک رکھ۔ (استیعاب ۔ ج ۳ ۔ صہ ۳۶)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کبھی شک و تردد لاحق نہیں ہوا اور یقین و خود اعتمادی کا جوہر میرے اندر پیدا ہوگیا۔

اس موقع پر مہاجرین و انصار اور صحابہ کبار موجود تھے مگر حضرتؐ نے آپ کو جوانی کی منزل میں ہونے کے باوجود امارت یمن کے لئے نامزد کیا اس سلسلہ میں نہ کسی سے مشورہ لیا اور نہ کسی کی رائے دریافت کی اس لئے کہ پیغمبرؐ کو اعتماد و وثوق تھا کہ علیؑ اس منصب کے سزاوار ہیں اور جو کام انہیں سپرد کیا گیا ہے اسے باحسن وجوہ سرانجام دیں گے اسی اعتماد کی بنا پر پیغمبرؐ نے انہیں اپنی زندگی میں بھی امور امت کے حل و انصرام اور فصل قضایا کا کام سپرد کیا اور زندگی کے بعد کے لئے بھی ان امور کی انجام دہی آپ سے متعلق کر گئے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے:۔

تبین لامتی ما اختلفوا فیہ بعدی

"اے علیؑ! تم میرے بعد میری امت کے باہمی اختلافات کا تصفیہ کرو گے۔" (مستدرک حاکم ج ۳ صہ ۱۲۲)

اگر امامت صلوٰۃ کو خلافت کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے تو امارت یمن سے حضرت علیؑ کے استحقاقِ خلافت پر کیوں دلیل قائم نہیں ہو سکتی جب کہ امامت نماز اور قیادت امت دو الگ الگ چیزیں ہیں اور امارت و خلافت کے فرائض ایک سے ہیں چنانچہ اسلامی تمدن کا تحفظ مملکت کا نظم و انضباط اور فصل قضایا ایسے امور ہیں جو امارت سے بھی وابستہ ہیں اور خلافت سے بھی۔ لہذا جیسے امارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا

اہل قرار دیا تھا اسے ہی خلافت کا اہل سمجھا جا سکتا ہے۔

سریہ وادی الرمل

وادی الرمل میں کچھ لوگوں نے جمع ہو کر مدینہ پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا ابھی وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھے کہ ایک شخص کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ یہ لوگ منظم اور باقاعدہ فوج کی صورت میں نہ تھے بلکہ راہزنوں اور قزاقوں کا ایک جتھا تھا۔ جو قتل و غارت اور لوٹ مار کے لئے جمع ہو گیا تھا۔

آنحضرتؐ نے انہیں پراگندہ و منتشر کرنے کے لئے حضرت ابوبکر کو علم دے کر ایک دستہ سپاہ کے ساتھ ان کے تعاقب میں بھیجا۔ جب یہ دستہ وادی الرمل میں پہنچا تو وہ کمین گاہوں میں چھپ گئے۔ مسلمانوں نے اِدھر اُدھر دیکھا بھالا مگر ان میں سے کوئی دکھائی نہ دیا مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ وہ سپاہ اسلام کو دیکھ کر یہاں سے چل دیئے ہیں۔ مسلمان تھکے ماندے تو تھے ہی رات بسر کرنے کے لئے وہیں پر اتر پڑے دشمن کی طرف سے مطمئن تو تھے ہی پڑ کر سو رہے ابھی سوتے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ دشمن نے کمین گاہوں سے نکل کر اچانک حملہ کر دیا۔ سب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ہتھیار ٹٹولے اور پھر سنبھل کر کچھ دیر لڑے مگر نتیجہ میں کچھ لوگ مارے گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ بھاگ کھڑے ہوئے

ان لوگوں کی واپسی پر آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو علم دے کر بھیجا دشمن کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اس نے فوج کو آتے دیکھا تو کمین گاہوں

سے نکل کر حملہ آور ہوئے اور اس طرح تابڑ توڑ حملے کئے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے ان دو ہزیمتوں کے بعد عمرو ابن عاص نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجیئے کہ میں دشمن کی سرکوبی کے لئے جاؤں۔

آنحضرتؐ نے ان کی خواہش پر انہیں سردار لشکر بنا کر بھیجا مگر نتیجہ وہی ہوا جو اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ ان پے درپے ہزیمتوں کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو سالار لشکر بنا کر بھیجا اور ہزیمت خوردہ لوگوں کو بھی ان کی سپاہ میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ نے پہلے تو یہ کیا کہ وہ راستہ تبدیل کر دیا جس راستے سے پہلے لوگ گئے تھے اور پھر دن کا قیام اور رات کا سفر اختیار اور خاموشی سے آگے بڑھتے ہوئے اچانک دشمن کے سر پر پہنچ گئے ابھی سورج کی کرنوں نے پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیوں کو چھوا نہ تھا کہ ان کے سروں پر تلواریں چمکنے لگیں۔ دشمن اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمان فتح کا پرچم لہراتے ہوئے مدینہ کی طرف چل دیئے پیغمبر اکرمؐ نوید فتح سن کر مدینہ سے باہر استقبال کے لیے نکلے اور فتح و کامرانی پر اظہار مسرت کے بعد فرمایا:۔

یا علی لولا اننی اشفق ان تقول فیك طوائف من امتی ما قالت النصاری فی المسیح عیسی ابن مریم لقلت فیك الیوم مقالا لا تمر بملاء من الناس الا اخذوا التراب من تحت قدمیك۔

اے علیؑ اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت کے کچھ لوگ تمہارے بارے میں وہ کہیں گے جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے بارے میں کہتے ہیں تو میں تمہارے بارے میں وہ بات کہتا کہ تم جدھر سے ہو کر گزرتے لوگ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی تک اٹھاتے۔ (ارشاد شیخ مفید ص۷۶)

اس مہم کی کامیابی حضرت علیؑ کے تدبر اور جنگی سوجھ بوجھ کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے سابقہ مہموں کی ناکامی کے وجوہ و اسباب پر نظر کی اور وہ طریقہ اختیار کیا جس کے نتیجہ میں کامیابی کی صورت باآسانی نکل سکتی تھی۔ پہلی مہم نے سستی و غفلت سے کام لیا اور دشمن کی قیام گاہ پر پہنچ کر یہ خیال نہ کیا کہ وہ یہیں آس پاس چھپے ہوں گے وہ پہلے چھپنے کی جگہوں کو دیکھتے اور پھر سب کے سب سو نہ جاتے بلکہ کچھ سوتے اور کچھ جاگتے تاکہ بروقت دشمن کے حملہ کو روک سکتے۔ اس طرف توجہ نہ دی گئی اور آخر اس غفلت کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور دوسری اور تیسری سپاہ سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے وہی عام سا راستہ اختیار کیا جس پر دشمن کی نگاہیں برابر لگی رہتی تھیں امیر المومنینؑ نے جہاں راستہ تبدیل کیا وہاں سفر کے اوقات بھی بدل دیئے اور اس وقت حملہ کیا جب دشمن مطمئن اور اس کی آنکھوں میں رات کی نیند کا خمار باقی تھا تاکہ دشمن کے سنبھلنے سے پہلے جکڑ لیا جائے۔ اگر آپ بھی وہی طریق کار اختیار کرتے جو پہلے اختیار کیا جاتا رہا تھا تو پھر اس قدر آسانی سے کامیابی نہ ہوتی۔

سریۂ بنی طے

فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ سے بتوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ غزوۂ طائف کے دوران بنی ثقیف و بنی ہوازن کے بت توڑے جا چکے تھے اور مختلف قبیلوں اور علاقوں کے صنم کدے ویران ہو چکے تھے مگر بنی طے کا بت خانہ ابھی جوں کا توں باقی تھا۔ جس میں فلس نامی بت ان کی عقیدت اور ارادت کا مرکز تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اسے بھی منہدم کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت علیؑ کو ربیع الآخر ۹ھ ہجری کو بنی طے کی بستیوں کی طرف بھیجا تاکہ ان کے بت خانہ کو مسمار کریں اور صنم پرستی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دیں۔ حضرت علیؑ نے ڈیڑھ سو انصار کی جمعیت کے ساتھ بنی طے کی بستیوں کا رخ کیا۔ بنی طے کا سردار عدی ابن حاتم لشکر اسلام کی آمد پر اپنے اہل و عیال کو لے کر شام کی طرف نکل گیا اور وہاں پناہ لے لی۔ حضرتؑ نے محلہ آلِ حاتم پر حملہ کر کے ان کے بت خانہ کو پیوند زمین کر دیا۔ اس بت خانہ سے تین قیمتی زرہیں اور تین تلواریں رسوب مخذوم اور یمانی دستیاب ہوئیں۔ ان میں سے رسوب اور مخذم عرب کی مشہور تلواریں تھیں۔ جنہیں حارث ابن ابی شمر نے بت خانہ کی نذر کیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سا مالِ غنیمت چند اسیر اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ حضرت علیؑ نے کچھ مال غنیمت شرکاء مہم پر حصہ رسدی تقسیم کر دیا اور بقیہ مالِ غنیمت اور اسیروں کو لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان اسیروں میں حاتم کی بیٹی سفانہ بھی تھی جسے

مسجد سے متصل جہاں کنیزیں ٹھہرائی جاتی تھیں ٹھہرایا گیا انہی ایام میں آپ ؑ کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ؐ میرا باپ مر چکا ہے اور کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ مجھ پر احسان کیجیے اور مجھے چھوڑ دیجیے خدا آپ کو اس احسان کا بدلہ دے گا۔ فرمایا تم کون ہو؟ کہا کہ میں عدی ابن حاتم کی بہن سفانہ ہوں۔ فرمایا وہی عدی جو اللہ اور اس کے رسول ؐ سے منہ موڑ کر چل دیا ہے اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے دوسرے دن پھر گزر ہوا تو اس نے رہائی کی التجا کی آپ نے وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے اور آگے نکل گئے۔ سفانہ کہتی ہے کہ اب مجھے رہائی سے ناامیدی ہو گئی۔ تیسرے دن جب رسول ؐ اللہ ادھر سے گزرنے لگے تو مجھے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ دو دفعہ میری التجا کو ٹھکرایا جا چکا تھا۔ میں ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ کچھ عرض کروں یا خاموش رہوں کہ آنحضرت ؐ کے عقب سے ایک شخص نے مجھے اشارہ کیا کہ میں پیغمبر ؐ سے رہائی کے بارے میں پھر کہوں۔

میری ہمت بندھی اور میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول ؐ اللہ مجھے میری قوم میں رسوا نہ کیجیے میں بنی طے کے سردار حاتم کی بیٹی ہوں میرا باپ فیاض اور سخی تھا۔ قیدیوں کو چھڑانا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور حاجتمندوں کی ضرورت پوری کرنا اس کا کام تھا۔ فرمایا کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ یہ اس باپ کی بیٹی ہے جو کریم اور بلند اخلاق کا مالک تھا۔ پھر سفانہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم چند دن صبر کرو۔ جب قابلِ اعتماد لوگ مل جائیں گے تو تمہیں ان کے ساتھ بہ حفاظت تمہارے عزیزوں تک پہنچا دیا جائے۔ سفانہ کہتی ہے کہ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کون تھا جس نے مجھے اشارہ کیا تھا کہ میں پیغمبر ؐ سے پھر درخواست کروں۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ ابن عم رسول ؐ

علیؑ ابن ابی طالب تھے۔ چند دنوں کے بعد بنی قضاعہ کا ایک قافلہ مدینہ آیا۔ سفانہ نے پیغمبرؐ اکرم سے عرض کیا کہ مجھے ان کے ساتھ جانیکی اجازت دی جائے۔ پیغمبرؐ نے اس کے لئے زاد وراحلہ کا سروسامان کیا اور چند پارچے دے کر اسے ان لوگوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

جب سفانہ اپنے بھائی عدی کے پاس شام پہنچی تو پہلے اس سے شکوہ کیا کہ تم مجھے تنہا چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ اور پھر حضرت علیؑ کے اشارہ کا جس کے نتیجہ میں رہائی نصیب ہوئی تھی اور پیغمبر اکرمؐ کے حسن سلوک کا ذکر کر کے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم جلد ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ اگر وہ نبی ہیں تو تمہیں ایمان لانے والوں کی صف اول میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو تم ان کے قرب سے دنیوی عزو وقار حاصل کر سکو گے۔ عدی کہتا ہے مجھے یہ رائے پسند آئی اور میں مدینہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ جب میں مسجد نبویؐ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں باریاب ہوا تو عرض کیا کہ میں عدی ابن حاتم ہوں۔ آنحضرتؐ میری آمد پر خوش ہوئے اور مجھے ساتھ لے کر گھر کی طرف چل دیئے۔ راستے میں ایک ضعیفہ کے کہنے پر ٹھہر گئے اور دیر تک اس کی داد فریاد سنتے رہے۔ میں نے دل میں کہا کہ ایسا آدمی جس میں ذرا سا شاہانہ رکھ رکھاؤ اور خو بو نہ ہو وہ بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ اور جب میں ان کے ہمراہ گھر میں داخل ہوا تو میرے لئے اپنی مسند بچھا دی اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے پھر اپنے دل میں کہا کہ یہ طرز عمل بھی شاہوں کا طرز عمل نہیں ہے۔ ابھی میں ذہنی طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے عدی تم غنائم میں چوتھا حصہ لیتے ہو حالانکہ تمہارے مذہب عیسوی میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ شاید تم اس لئے

اسلام سے گریزاں ہو کر ہمارے ہاں غربت ہے اور گرد و پیش دشمنوں کی کثرت ہے۔ مگر یہاں بھی مال کی اتنی فراوانی ہے کہ ڈھونڈے سے بھی کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ عورتیں گھروں سے تن تنہا زیارت بیت اللہ کے لئے آئیں گی اور انہیں کوئی خطرہ نہ ہوگا اور تم سنو گے کہ بابل کے قصر ابیض مفتوح ہو کر مسلمانوں کو جولانگاہ بن گئے ہیں۔

عدی نے اپنی آنکھوں سے اس خلق مجسم کے اخلاق و اطوار دیکھے اور دل میں اتر جانے والی باتیں سنیں تو اسی وقت آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مسلمان ہو گیا اور پھر امیر المومنینؑ کے اصحاب مخلصین میں شامل ہو کر جمل و صفین اور نہروان کے معرکوں میں آپ کے ہمرکاب رہا۔

غزوۂ تبوک

شام کے ایک کاروانِ تجارت کے ذریعے مدینہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ قیصر روم ہرقل مدینہ پر فوج کشی کر رہا ہے اور عیسائی قبائل بنی غسان بنی لخم بن جزام اور بنی عاملہ اس کے پرچم کے نیچے جمع ہو گئے ہیں اور بنی غسان نے اپنی مملکتِ شام کو چھاؤنی قرار دے کر روم و شام کی فوجوں کو جمع کر لیا ہے اور مقدمۃ الجیش بلقاء کے حدود تک پہنچ چکا ہے۔ آنحضرتؐ نے ان اطلاعات کی بناء پر مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمانوں نے اب تک جتنی جنگیں لڑی تھیں وہ اندرون ملک تک محدود تھیں۔ اور کسی بیرونی غنیم سے مقابلہ کی نوبت نہ آئی تھی۔ اور یہ جنگ نہ صرف بیرون ملک لڑی جانے والی تھی بلکہ اس دور کی سب سے بڑی شہنشاہیت سے تھی جس کی فتوحات کا سلسلہ فارس تک پہنچا ہوا تھا۔ انہوں نے پیغمبرؐ کا حکم سنا تو جوش و سرگرمی کے بجائے افسردگی و بددلی کا مظاہرہ کیا۔ اس بددلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کچھ عرصہ سے خشک سالی کے باعث پیداوار کم ہو رہی تھی۔ فصلیں تیار کھڑی تھیں اور کٹائی کے دنوں میں پکی ہوئی کھیتیوں اور پھلوں سے لدے ہوتے درختوں کو چھوڑ کر سفر جنگ پر نکلنا شاق گزر رہا تھا۔ اس کے علاوہ تڑاقے کی گرمی پڑ رہی تھی۔ دور کا سفر اور سواریوں کی بڑی قلت تھی۔ مسلمان ان صبر آزما حالات میں جی چھوڑ بیٹھے اور جنگ سے بچنے کے لئے حیلے بہانے کرنے لگے۔

قرآن مجید میں ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے ۔

يا ايها الذين امنوا ما لكم اذا قيل لكم انفروا في سبيل الله اثاقلتم الى الارض ارضيتم بالحيوٰة الدنيا من الاٰخرة ۔

اے ایمان لانے والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو تمہارے قدم زمین میں گڑ جاتے ہیں ۔ کیا آخرت کے بجائے تم اسی دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو ۔

جب تہدیدی آیتوں کے ذریعہ مسلمانوں پر دباؤ پڑا اور انہیں قدم بڑھائے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا تو کچھ خوش خوش اور کچھ مارے بندھے اس مہم پر جانے کے لئے اور آمادہ ہو گئے اور کچھ جھوٹی سچی باتیں بنا کر گھروں کے گوشوں میں پڑے رہے ۔ آنحضرتؐ نے مدینہ و اطراف مدینہ سے مالی و فوجی کمک لے کر تیس ہزار کا لشکر ترتیب دیا اور ماہ رجب ۹ھ میں مدینہ سے حرکت کی اور ثنیۃ الوداع میں پہلا پڑاؤ ڈالا ۔ عبداللہ ابن ابی بھی اپنے گروہ کو لے کر نکلا اور ثنیۃ الوداع کے نشیبی حصہ میں خیمہ زن ہوا ۔ مگر جب رسول اللہ لشکر کو لے کر آگے بڑھے تو وہ اپنی جماعت سمیت واپس آگیا ۔

مسلمانوں کی اس عظیم اکثریت کے چلے جانے کے بعد ان منافقین سے جو مدینہ میں رہ گئے تھے یا منزل پر پہنچنے سے پہلے راستے ہی سے واپس آرہے تھے یہ قوی اندیشہ تھا کہ اگر سپاہ اسلام کو شکست ہوئی جیسا کہ عبداللہ ابن ابی کا خیال تھا یا سفر کی مدت طویل ہو گئی تو آنحضرتؐ کا گھر بار لوٹ لیں گے اور ان کے اہل و عیال کو شہر سے باہر نکال دیں گے اسی طرح ان لوگوں سے بھی خطرہ تھا جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے یا اہل اسلام کے مقابلہ میں شکست کھا چکے تھے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ پر تاخت و تاراج کریں

اور اسلامی دار السلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیں۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر تدبر و دور اندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ مدینہ کے اندر ایک ایسے شخص کو نگران کے طور پر چھوڑا جائے۔ جو بہادر نڈر اور دشمن کے عزائم کو کچلنے پر قادر ہو۔ چنانچہ اسی ضرورت کی بناء پر پیغمبر اکرمؐ حضرت علیؑ کو جو اپنے زورِ بازو کی دھاک عرب پر بٹھا چکے تھے۔ اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑ گئے تاکہ کفر و نفاق کی طاغوتی طاقتوں کو ابھرنے کا موقع نہ ملے۔ اور اگر کچھ فتنہ پرداز فتنہ برپا کرنا چاہیں تو انہیں کچل کر رکھ دیا جائے۔ منافقین مدینہ کو حضرت کی یہ موجودگی بری طرح کھلی۔ وہ کوئی بات نہ بنا سکے تو یہ کہنے لگے۔

ماخلفه الا استثقالاله وتخففا منه۔

پیغمبرؐ انہیں بار خاطر سمجھتے ہوئے اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۶۸)

حضرت علی جو کفار کو پیہم شکست دیتے چلے آ رہے تھے اس غزوہ میں اپنی عدم شمولیت کو محسوس تو کر ہی رہے تھے جب منافقین کی زبان سے یہ طنزیہ بات سنی تو آپ سے رہا نہ گیا فوراً ہتھیار سجے اور لشکر کے عقب میں چل دیئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر وادیٔ جرف میں پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ علی کیسے آئے؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ منافق یہ کہتے ہیں کہ آپ مجھے بار خاطر سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں اور وہ اس سے پہلے بھی مجھ پر جھوٹ باندھتے رہے ہیں۔ میں تمہیں مدینہ اس لئے چھوڑ جاتا ہوں کہ اس کا نظم و ضبط میرے یا تمہارے بغیر برقرار نہیں رہ سکتا اور تم میرے اہلبیت اور میری امت میں میرے جانشین و قائم مقام ہو۔

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه

لا نبی بعدی۔

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضرت علیؑ یہ نوید سن کر خوش خوش مدینہ واپس چلے آئے۔ اور پیغمبر اکرمؐ لشکر کو لے کر سرحد شام کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس راہ میں قوم ثمود کی ویران بستیاں پڑتی تھیں۔ جب پیغمبرؐ اس زمین پر پہنچے تو لشکر والوں کو حکم دیا کہ وہ یہاں کے کنوؤں سے پانی نہ لیں نہ اس سے وضو کریں اور نہ کھانے پینے کے کام میں لائیں۔

اور جب وہاں کے کھنڈروں پر نظر پڑی تو اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور سواری کو مہمیز کر کے تیزی سے آگے نکل گئے۔ دوسرے دن مسلمانوں کے پاس پانی نہ رہا تو انہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے ہمیں پانی لینے سے منع کیا تھا اب اس صحرائے بے آب میں پانی کہاں سے آئے گا۔ آنحضرتؐ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے دعا کے ختم ہوتے ہی افق پر بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ لشکر والوں نے پانی پیا اور اپنے مشکیزے بھر لئے۔

یہ خشک اور بے آب صحراؤں کا طویل سفر انتہائی تکلیف تھا۔ پندرہ بیس آدمیوں میں ایک سواری آتی تھی جس پر باری باری سوار ہوتے اور زیادہ مسافت پیادہ پا طے کرتے۔ پیٹ بھرنے کے لئے سوکھے ٹکڑے میسر نہ تھے اور پانی بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ ان صعوبتوں کو جو لوگ برداشت نہ کر سکتے وہ واپس چلے جاتے۔ آنحضرتؐ کو ان جانے والوں کی اطلاع دی جاتی تو فرماتے اگر ان میں بھلائی ہوگی تو پلٹ آئیں گے۔ اور اگر نہیں تو ہمارے سر سے بوجھ اترا۔

حضرت ابوذر غفاری اونٹ کے خستہ ہو جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تو لوگوں

نے ان کے بارے میں بھی کہا کہ یا رسول اللہ ابوذر بھی گئے۔ آپ نے ان کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ اگر ان میں نیکی کا جذبہ ہوگا تو وہ تم سے آکر مل جائیں گے ادھر حضرت ابوذر نے جب یہ دیکھا کہ اونٹ چلنے سے رہ گیا ہے تو انہوں نے اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور پیادہ پا چل دیئے۔ لشکر کے کچھ آدمیوں نے دور سے آتے دیکھا تو کہا یہ کون ہو سکتا ہے جو اکیلا چلا آرہا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوذر ہوں گے۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو کہا ہاں یا رسول اللہ ابوذر ہی ہیں۔

فرمایا۔

یرحم اللہ ابوذر یمشی وحدہ ویموت وحدہ ویبعث وحدہ

" خدا ابوذر پر رحم کرے وہ اکیلے آرہے ہیں اور اکیلے مریں گے اور اکیلے ہی قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔"

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۳۷۱)

جب لشکر اسلام تبوک میں پہنچا تو وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ مگر دور دور تک نہ رومی عساکر نظر آئے اور نہ ایسے آثار دکھائی دیئے جن سے دشمن کے جنگی عزائم کی نشاندہی ہوتی۔ پیغمبرؐ نے بیس دن وہاں قیام کیا مگر کسی سمت سے فوجوں کی نقل و حرکت کی خبر نہ آئی اور شامی تجار کی پھیلائی ہوئی خبر بے حقیقت اور ان کی غلط خیالی و غلط فہمی کا نتیجہ ثابت ہوئی۔

اس عرصہ میں آنحضرتؐ نے اطراف و جوانب کے سرداروں کے پاس وفود بھیجے کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دے کر اسلامی رعایا میں داخل ہوں ایلہ کا سردار یوحنا ابن رؤبہ آنحضرتؐ کے آنے کی خبر سن کر فوراً حاضر ہوگیا اور تین سو دینار جزیہ پر اس نے مصالحت کر لی اسی طرح جرباء اذرح اور مقنا کے عیسائی جزیہ پر راضی ہوگئے اور پیغمبر اکرمؐ سے امان نامے حاصل کر لئے۔ دومۃ الجندل کے

حاکم اکیدر ابن عبدالملک کو اسیر کر کے لایا گیا اور آخر اس نے بھی جزیہ قبول کر کے رہائی حاصل کر لی۔ جب پیغمبر اکرمؐ دشمن کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو لشکر کو واپس مدینہ جانے کا حکم دے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ لشکر بھی اٹھ کھڑا ہوا اور مدینہ کی طرف راہ سپار ہو گیا۔ مدینہ و تبوک کی گزرگاہ میں ایک وادی پڑتی تھی جس کا نام مشقق تھا۔ یہاں ایک چشمہ تھا جس سے پانی کم مقدار میں رستا تھا۔ آنحضرت نے حکم دیا کہ جو لوگ وادی مشقق میں ہم سے پہلے پہنچیں وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے پانی نہ پئیں۔ مگر چند آدمی جو پہلے پہنچ گئے تھے انہوں نے تمام پانی جو رس رس کر جھری میں پہنچ چکا تھا ختم کر ڈالا۔ جب پیغمبرؐ وہاں آئے تو دیکھا کہ گڑھا خالی پڑا ہے پوچھا کہ یہاں پہلے کون آیا تھا؟ لوگوں نے پہلے آنے والوں کے نام لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کیا ہم نے منع نہیں کیا تھا کہ جب تک ہم نہ آجائیں اس میں سے پانی نہ لیں۔

علامہ طبری لکھتے ہیں۔

ثم لعنهم رسول الله ودعا عليهم۔

"پھر رسول اللہ نے ان پر لعنت اور انہیں بددعا دی"

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۷۳)

آنحضرتؐ نے پانی کی کمی کو دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اس رستے ہوئے پانی کے نیچے اوک کی صورت میں پھیلا دیا۔ جب ہاتھوں میں پانی بھر گیا تو دعا پڑھ کر اس میں انڈیل دیا۔ دعا نے اپنا اثر دکھایا زمین کے بندھن ٹوٹے پانی جوش مارتا ہوا پھوٹ نکلا۔ اور خشک لبوں کی سیرابی کا سامان ہو گیا۔

اس واپسی کے موقع پر ایک اور افسوس ناک واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ جب پیغمبر اکرمؐ عقبہ ذی فتق کے قریب پہنچے تو اس خیال سے کہ پہاڑیوں کے

بیچ میں سے ہوکر گزرنے والا راستہ پُر پیچ، تنگ اور انتہائی خطرناک ہے اگر سواری دوسری سواریوں کو دیکھ کر بھڑک اٹھی تو رات کے اندھیرے میں کسی کھڈ میں گرنے کا قوی اندیشہ ہے۔ آنحضرت کی طرف سے اعلان ہوا کہ کوئی شخص اس گھاٹی پر سے نہ گزرے۔ جب تک رسول اللہ کی سواری گزر نہ جائے۔ مگر کچھ لوگوں نے مل کر منصوبہ بنایا کہ آنحضرتؐ کی سواری کو بھڑکا دیا جائے۔ چنانچہ پیغمبرؐ ناقہ پر سوار حذیفہ ابن یمان مہار تھامے اور عمار ابن یاسر پیچھے ہنکاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ بجلی کے کوندے میں بارہ سوار دکھائی دیئے جو چہروں پر نقاب ڈالے گھاٹی کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے۔ حذیفہ نے آنحضرت کو ادھر متوجہ کیا۔ آپ نے ان لوگوں کو ڈانٹا ڈپٹا اور حذیفہ اور عمار نے ان کے اونٹوں کو مار پیٹ کر انہیں بھگا دیا۔ آنحضرتؐ نے حذیفہ سے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے؟

حذیفہ نے عرض کیا کہ میں نے نہیں پہچانا۔ فرمایا کہ یہ منافق ہیں اور ہمیشہ منافق رہیں گے۔ یہ اس ارادہ سے آئے تھے کہ میری سواری کو بھڑکائیں اور اس طرح میرا خاتمہ کر دیں۔ پھر آپ نے حذیفہ کو ایک ایک کا نام بتایا اور انہیں تاکید کی کہ ان ناموں کو پردۂ اخفا میں رکھیں۔ مگر اس تاکید کے باوجود بعض لوگوں کے نام چھپ نہ سکے اور موقع بہ موقع ظاہر ہوتے رہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ امام حسنؑ نے معاویہ ابن ابی سفیان سے فرمایا:

يوم وقفوا الرسول الله صلى الله عليه وسلم في العقبة ليستنفروا ناقة كانوا اثنى عشر رجلا منهم ابو سفيان ۔

تمہیں وہ دن یاد ہوگا کہ جب کچھ لوگ گھاٹی میں رسول اللہؐ کے ناقہ کو بھڑکانے کے لئے جمع ہوئے تھے جو تعداد میں بارہ تھے اور ان میں ایک ابوسفیان

بھی تھے۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۰۳)

پیغمبر اکرمؐ جب تبوک کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو کچھ بد باطن لوگوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے ایک مسجد تعمیر کی ہے تا کہ بیمار اور لاچار جو بارش اور سردی کے دنوں میں دور نہیں جا سکتے وہاں نماز پڑھ لیا کریں۔ آپ وہاں چل کر نماز پڑھا دیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت آمادہ سفر ہوں کسی دوسرے موقع پر دیکھا جائے گا۔ جب آپ تبوک کی مہم سے فارغ ہو کر مدینہ کے قریب مقام ذی اوان میں پہنچے تو یہ آیت نازل ہوئی

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفروا وتفریقا بین المومنین۔

"اور وہ لوگ بھی منافق ہیں جنہوں نے نقصان پہنچانے کفر کرنے اور مومنوں میں پھوٹ ڈلوانے کی غرض سے مسجد کی بنا ڈالی ہے"۔

آنحضرتؐ نے مالک ابن دخشم اور معن ابن عدی کو حکم دیا کہ وہ فوراً اس نو تعمیر مسجد کو گرا کر نذر آتش کر دیں جو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے تعمیر کی گئی ہے چنانچہ اس مسجد کو جلا دیا گیا۔

یہ مہم مسلمانوں کے لئے ایک سخت آزمائش تھی۔ جھلسا دینے والی گرمی میں باغوں کے رسیدہ پھلوں اور لہلہاتے کھیتوں کی پیداوار کو چھوڑ کر ریگزاروں اور تپتے صحراؤں میں راہ پیما ہونا آسان مرحلہ نہ تھا۔ اس مرحلہ میں وہی لوگ ثابت قدم رہ سکتے تھے جو آخرت کی سرخروئی پر دنیا کی ہر نعمت اور راحت کو قربان کر سکتے ہوں اور وہ لوگ جو دنیوی مفاد کی خاطر یا اسلام کی سطوت و شوکت سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے تھے ان سے یہ توقع ہی بے سود تھی کہ وہ اسلام کی سربلندی

کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالیں گے۔ چنانچہ اس موقع پر منافقوں نے
اپنے باطنی عناد کا ثبوت دیا۔ حیلے بہانے کر کے گھروں میں پڑے رہے اور دوسروں
کی ہمت شکنی کرتے رہے اب تک تو وہ اپنے کفر کو نفاق کی دبیز تہوں میں چھپاتے
آرہے تھے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے تھے مگر اس موقع پر ان کی
دلی حالت اور اندرونی کیفیت بے نقاب ہو گئی۔ اسی بناء پر اس مہم کو غزوۂ فاضحہ
بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی قلعی کھل گئی اور انہیں فضیحت و رسوائی کا سامنا کرنا
پڑا۔ وہ اس موقع پر اپنے نفاق کو مخفی بھی رکھنا چاہتے تو مخفی نہ رکھ سکتے تھے کیونکہ
نفاق اسی صورت میں چھپا رہ سکتا تھا جب گھروں کو خیر باد کہہ کر نکل کھڑے ہوتے
اور دشمن کی کثرت و قوت سے آنکھ بند کر کے چل پڑتے۔ مگر یہ ان کے بس کی بات
نہ تھی کیونکہ ایمان نہ ہو تو دین کی خاطر اس قسم کے خطرات کی طرف قدم بڑھا نہیں کرتا
اگرچہ وہ بعض مصالح کے پیش نظر جنگوں میں شریک ہوتے رہے تھے۔ مگر جان
کا خطرہ نظر آتا تھا تو بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور یہاں وطن سے کوسوں دور
جانے کی وجہ سے روبفرار ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور پھر اس لئے بھی انہیں اپنے
اصلی روپ میں سامنے آنا پڑا کہ وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ مسلمان ہزیمت اٹھائے بغیر
نہیں رہیں گے۔ کیونکہ اب مقابلہ یہاں کے منتشر و پراگندہ لوگوں سے نہیں ہے بلکہ
روم ایسی عظیم سلطنت سے ہے جس کے سامنے بڑی بڑی طاقتیں ہتھیار ڈال
چکی ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کے لئے جن کی شکست آنکھوں کے سامنے اپنے آپ
کو کیوں خطرہ میں ڈالا جائے اس لئے کہ انسان خطرہ مول لینے کے لئے اسی
صورت میں تیار ہوتا ہے جب اسے دنیوی فوائد نظر آ رہے ہوں یا اسے ایمان
کا سہارا ہو اور جب کوئی فائدہ بھی نظر نہ آتا ہو اور ایمان سے بھی تہی داماں ہو تو مخلص
مسلمین میں شمار ہونے کی خاطر جان کا خطرہ کیوں مول لے۔ یہ لوگ اگرچہ رسول اللہ

کی مصاحبت میں رہے مگر دل میں نفاق لے کے رسول اللہ کے پہلو میں بیٹھ جانا مفید نہیں ہو سکتا۔ جب تک زبان سے نکلی ہوئی صدا دل کی آواز سے ہم آہنگ نہ ہو اور دل کی آواز کا اثر عمل و کردار سے ظاہر نہ ہو۔

اکبر الہ آبادی نے سچ کہا ہے۔

آمنوا میں تو سب سے ہیں آگے　　　　اعملوا الصالحات مشکل ہے

غزوۂ تبوک ہی ایسا غزوہ ہے جس میں فاتح بدر و حنین علی مرتضیٰ شریک نہیں ہوئے۔ مگر یہ عدم شرکت جنگ سے جی چرانے اور جہاد سے پہلو تہی کرنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حکم رسولؐ ہی یہ تھا کہ آپ مدینہ میں قیام فرما رہیں ریاست کا نظم و نسق سنبھالیں اور ان تمام فرائض کو انجام دیں۔ جو آنحضرتؐ کی موجودگی میں خود ان پر عائد ہوتے تھے۔ یہ بھی جہاد کی طرح کا ایک فریضہ تھا جسے آپ نے پوری فرض شناسی کے ساتھ انجام دیا اور اپنی انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نظم و ضبط برقرار رکھا۔

پیغمبر اکرمؐ جب کسی غزوہ یا مہم پر تشریف لے جاتے تھے تو کسی نہ کسی کو مدینہ کا نگران مقرر کر جاتے تھے۔ اور اسے ایک عام والی و عامل کی حیثیت دی جاتی تھی مگر اس تقرری کی نوعیت عام حکام و ولاۃ کی تقرری سے جداگانہ تھی۔ چنانچہ اسی جداگانہ حیثیت کو واضح کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علی تمہاری منزلت میرے نزدیک وہ ہے جو ہارون کی موسیٰ کے نزدیک تھی اور ہارون کی منزلت یہ تھی کہ وہ موسیٰؑ کے وزیر قوت بازو نبوت میں شریک کار اور خلیفہ و جانشین تھے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کی دعا کے سلسلہ میں ارشاد ہے۔

واجعل لی وزیرا من اھلی ھٰرون اخی اشدد بہ ازری و

واشرکہ فی امری۔

میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے اور اس کے ذریعہ میری پشت قوی کر اور اسے میرے کاموں میں میرا شریک بنا۔“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی

”موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین ہو“

پیغمبر اکرم نے حضرت علی کو مثیل ہارون قرار دے کر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح حضرت ہارون موسیٰ کے وزیر اور خلیفہ تھے اسی طرح علی میرے وزیر اور خلیفہ ہیں اور ان تمام مدارج پر فائز ہیں جن مدارج پر ہارون فائز تھے۔ اور چونکہ حضرت ہارون نبی بھی تھے اس لئے لا نبی بعدی کہہ کر نبوت کا استثنار کر دیا جب باستثنائے نبوت تمام مدارج و خصائص میں حضرت کو مثیلِ ہارون قرار دیا گیا ہے تو پھر ان کے علاوہ کسی اور کو مثیلِ موسیٰ کا وارث و جانشین تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہنا کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو طور پر جاتے وقت اپنا نائب بنایا تھا جو ایک محدود عرصہ کے لئے وقتی و ہنگامی نیابت تھی اسی طرح حضرت علی کی نیابت بھی وقتی تھی۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کسی اور کو نائب کیوں نہ بنا گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ انتخاب حضرت ہارون کی اہلیت اور امت پر برتری کی بنا پر تھا۔ اور انہی سے اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اگر وہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں انتقال نہ کر جاتے تو وہی ان کے خلیفہ و جانشین ہوتے اس لئے کہ جو زندگی میں اپنے کو نیابت و قائم مقامی کا اہل ثابت کر چکا ہو اگر وہ زندہ رہتا تو کسی کو اس کی نیابت کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہوتا۔ اسی طرح حضرت علی کی نیابت پیغمبرؐ کی زندگی ہی سے وابستہ نہ تھی کہ

اسے وقتی وعارضی کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ نیابت وقتی وہنگامی ہوتی تو لا نبی بعدی کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ انہیں اپنی زندگی کے بعد کے لئے بھی نامزد کر رہے تھے۔

تبلیغ سورۂ برأۃ

سنہ ۹ ہجری!

عرب کے کفار و مشرکین خانہ کعبہ کا حج کیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد بھی وہ حج کے لئے آتے اور اپنے طریقہ پر حج بجا لاتے رہے۔ ان کے مراسم حج میں عریاں طواف کی بھی ایک اخلاق سوز رسم تھی جس کا انسداد ضروری تھا۔

پیغمبر اکرمؐ نے اب تک انہیں طواف اور دوسرے ارکانِ حج کی بجا آوری سے منع کیا تھا مگر جب سورۂ براۃ کی ابتدائی آیتیں کفار و مشرکین سے اظہار بیزاری کے سلسلہ میں نازل ہوئیں تو حکم خداوندی کے پیش نظر انہیں روکنا ضروری ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے وہ آیتیں دے کر پہلے حضرت ابو بکر کو مکہ بھیجا اور پھر ان کے عقب میں حضرت علیؑ کو اپنے ناقہ عضباء پر سوار کر کے روانہ کیا۔ تاکہ وہ کفار و مشرکین کو یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ حضرت علی تیزی سے ناقہ کو ہنکاتے ہوئے ان تک پہنچ گئے اور کہا کہ مجھے پیغمبرؐ نے حکم دیا ہے کہ میں تم سے آیتیں لے لوں اگر تم چاہو تو میرے ساتھ مکہ چلو ورنہ یہیں سے مدینہ واپس چلے جاؤ۔

ابن اثیر نے تحریر کیا ہے:۔

بعث النبی ببرأة مع ابی بکر ثم دعاه فقال لا ینبغی لاحد ان یبلغ هذه الا رجل من اھلی فدعا علیا و اعطاھا ایاھا۔

"پیغمبر اکرمؐ نے حضرت ابوبکر کو سورہ برأة دے کر بھیجا پھر انہیں واپس بلالیا اور فرمایا کہ اس کی تبلیغ کے لئے وہ شخص مناسب ہے جو میرے گھروالوں میں سے ہو۔ چنانچہ حضرت علی کو بلایا اور وہ آیتیں ان کے حوالے کیں"۔

(جامع الاصول۔ ج ۹ ص ۴۷۵)

علّامہ طبری نے اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے وہ تحریر کرتے ہیں۔

بعث بھن رسول اللہؐ مع ابی بکر وامرہ علی الحج فلما سار فبلغ الشجرة من ذی الحلیفة اتبعه بعلی فاخذھا منه فرجع ابو بکر الی النبی فقال یا رسول اللہ بابی انت وامی انزل فی شانی شئی قال لا ولکن لا یبلغ عنی غیر او رجل منی۔

"رسول اللہ نے حضرت ابوبکر کو سورة برأة کی آیتیں دے کر بھیجا اور انہیں امیر حج مقرر کیا۔ جب وہ وادی ذی الحلیفہ میں مسجد شجرہ تک پہنچے تو ان کے پیچھے علی کو روانہ کیا جنھوں نے آیتیں ان سے لے لیں۔ حضرت ابوبکر پیغمبر کے پاس واپس چلے آئے۔ اور کہا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے فرمایا نہیں لیکن ان آیتوں کی تبلیغ مجھ سے متعلق ہے یا اس سے جو مجھ سے ہو"۔

(تاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۳۸۳)

امیرالمومنین نے مکہ پہنچ کر عرفات مشعر الحرام اور منیٰ میں کھڑے ہو کر ان

آیتوں کی تلاوت کی اور اعلان فرمایا کہ جن مشرکین نے بدعہدی کی ہے ان سے کئے ہوئے معاہدے چار ماہ کے بعد ختم ہو جائیں گے۔ اور کوئی کافر و مشرک ایمان لائے بغیر خانہ کعبہ کے حدود میں آنے والے طواف کرنے اور حج بجالانے کا مجاز نہ ہوگا لہذا سال آئندہ کوئی کافر و مشرک یہاں نہ آئے۔ اس اعلان سے کفار و مشرکین کی پیشانیوں پر بل پڑے مگر کسی کو روکنے ٹوکنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ بلکہ اسلام کے تسلط و اقتدار کے آگے بے بس ہو کر اسلام کی آڑ لینے پر مجبور ہو گئے۔

علامہ طبری نے لکھا ہے:۔

فرجع المشرکون فلام بعضهم بعضا وقالوا ما تصنعون قریش فاسلموا۔

مشرکین ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہوئے واپس ہوئے اور کہنے لگے کہ اب جب قریش مسلمان ہو چکے ہیں تمہارے لئے چارہ کار ہی کیا ہے۔ چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۳)

یہ کام اتنا آسان نہ تھا جتنا آسان نظر آتا ہے۔ مشرکین سے معاہدے ختم کئے جا رہے تھے۔ حج اور مسجد الحرام میں داخلہ سے انہیں روکا جا رہا تھا اس صورت میں ممکن تھا کہ وہ بغاوت و سرکشی پر اتر آئے یا درپردہ سازش کر کے درپے ایذا ہوتے۔ انہی خطرات کے پیش نظر آنحضرتؐ حضرت علی کی طرف سے متفکر اور ان کی واپسی کے بڑی بے چینی سے منتظر تھے۔ جب حضرت ابوذر نے آپ کی آمد کی اطلاع دی تو فکر و پریشانی دور ہوئی۔ چہرہ مسرت سے کھل اٹھا خوش خوش اٹھ کھڑے ہوئے اور شہر سے باہر نکل کر صحابہ کے مجمع کے ساتھ استقبال

کیا اور انہیں ساتھ لے کر مدینہ میں داخل ہوئے۔

اس موقع پر ایک کا عزل اور دوسرے کا نصب پیغمبر کی ذاتی رائے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وحی الٰہی کے تابع تھا اور قدرت کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں بھی یہ مصلحت کار فرما ہی ہوگی کہ کام اور کام انجام دینے والے کی اہمیت کو نمایاں کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر شروع ہی میں حضرت علیؑ کو بھیج دیا جاتا تو کام کی اہمیت دب کر رہ جاتی اور کہنے والے یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کام کے سر انجام دینے کی اہلیت حضرت علی میں بھی تھی اور دوسروں میں بھی اور ان میں کسی ایک ہی کو منتخب ہونا تھا اور وہ کسی وجہ سے علی ہو گئے مگر ایک کے عزل کے بعد دوسرے کے تقرر سے اور وہ بھی اس اعلان کے ساتھ کہ یہ کام نبی کے کرنے کا ہے جو نبی سے ہو اس کام کی اہمیت عیاں ہو گئی اور کام کی اہمیت ہی سے کام انجام دینے والے کی اہمیت کا اندازہ ہوا کرتا ہے اس سلسلہ میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ جو ایک جزوی امر کی تبلیغ کے لئے سزاوار ثابت نہ ہو سکا ہو وہ پیغمبرؐ کے بعد ان کی نیابت و جانشینی کا کیونکر اہل ہو سکتا ہے۔

حیرت ہے کہ رہبر عالم کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد رائے عامہ کا سہارا لے کر نیابت و خلافتِ رسول کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے۔ اور جو کار نبوت کی انجام دہی میں پیش پیش رہا ہو وہ دنیا والوں کی بے توجہی و سرد مہری کا شکار ہو کر کنج عزلت اختیار کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ تقرر ان کے سب سے بڑھ کر سزاوار خلافت ہونے کا ثبوت تھا۔ مفسر قرآن ابن عباس بھی اس واقعہ سے آپ کے حقدار خلافت ہونے پر استدلال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیعت سقیفہ کی تکمیل کے بعد جب حضرت عمر نے ان سے کہا کہ اے عباس لوگوں نے حضرت علی کو

اس کا اہل نہ سمجھا کہ انہیں ولی امر بنائیں تو ابن عباس نے کہا۔

واللہ ما استصغرہ رسول اللہ اذ اختارہ بسورۃ براۃ یقرأھا علی اھل مکۃ۔

خدا کی قسم رسول اللہؐ نے تو صرف انہی کو اس کا اہل سمجھا تھا کہ وہ اہلِ مکہ کو سورۃ براۃ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

(کنز الاعمال ج ۶ ص ۳۹۱)

ابن عباس کا استحقاقِ خلافت کے سلسلہ میں سورۃ براۃ کی تبلیغ سے استدلال کرنا یہ بتاتا ہے کہ وہ اسے علیؑ کی خلافت کا ثبوت اور نیابت و جانشینی کا عملاً اظہار سمجھتے تھے اور خود امیر المومنین نے بھی مجلس شوریٰ کے موقع پر اسے استحقاقِ خلافت کے ثبوت میں پیش کیا اور ارکانِ شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

افیکم من اؤتمن علی سورۃ براۃ وقال لہ الرسول صلی اللہ علیہ والہ انہ لایودی عنی الا انا اورجل منی غیری۔

کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ہے جسے سورۃ براۃ کی تبلیغ کے لئے امین منتخب کیا گیا ہو اور اس سے رسول اللہ نے فرمایا ہو کہ اسے میرے اور اس کے علاوہ جو مجھ سے ہو کوئی دوسرا نہیں پہنچا سکتا۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۶۱)

اگر حضرت ابوبکر کی خلافت پر نماز کی امامت سے استدلال کیا جاتا ہے تو کیا سورۃ براۃ کی تبلیغ ان سے متعلق رہتی تو اسے ان کی خلافت کے اثبات کے لئے ایک قوی دلیل کی صورت میں پیش نہ کیا جاتا؟ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جواب ہاں ہو۔ تو پھر حضرت علیؑ کی خلافت کے ثبوت میں اسے کیوں دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دعوتِ مباہلہ

۲۴ ذی الحجہ سنہ ہجری

نجران یمن کے شمالی کوہستان میں صنعاء سے دس منزل کے فاصلہ پر ایک زرخیز مقام تھا جہاں چھوٹی بڑی تہتر بستیوں میں کم وبیش چالیس ہزار عیسائی بستے تھے جو پہلے تو اہلِ عرب کی طرح بت پرست تھے مگر فیمیون نامی ایک مسیحی راہب تھا معماری کے پیشہ سے گزر بسر کرتا تھا اپنا وطن روم چھوڑ کر یہاں آبا تو اس نے یہاں کے باشندوں کو دین عیسوی کی تعلیم دی اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کی بے لوث تبلیغ کے نتیجہ میں تمام آبادی نے عیسائیت قبول کر لی اور نجران عیسائیوں کا ایک اہم مرکز بن گیا۔

انہوں نے مذہبی مراسم بجالانے کے لئے ایک کلیسا بھی تعمیر کر لیا جو اونٹ کی کھالوں سے منڈھی ہوئی ایک بلند و بالا عمارت تھی۔ اور اسے کعبۂ نجران کے نام سے موسوم کیا۔ وہ عبادت کے اوقات میں وہاں جمع ہوتے اور نذریں پیش کرتے۔ ان نذروں اور چڑھاووں سے علاوہ کلیسا کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ دینار سالانہ تھی جس سے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی پرورش ہوتی تھی۔

جب فتح مکہ کے بعد اسلام کو عروج حاصل ہوا اور متحارب گروہ سرنگوں ہوگئے تو آنحضرتؐ نے ان قبائل کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں پیغامات بھیجے۔ سنہ ہجری میں نصاریٰ نجران کو بھی ایک

نامہ تحریر فرمایا۔ اور انہیں اسلام قبول کرنے یا جزیہ دے کر مملکت اسلامی کی
رعایا بننے کی دعوت دی۔ جب نجران کے اسقف اعظم (بشپ) نے آنحضرتؐ
کا مکتوب پڑھا تو اس نے فوراً علاقہ کے تمام سربرآوردہ لوگوں کو جمع کر کے صورت
حال سے مطلع کیا اور کہا کہ ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیئے اور غور و فکر سے کوئی حل
تجویز کرنا چاہیئے اس خبر سے اگرچہ پوری آبادی میں ہل چل مچ گئی تھی مگر کچھ منچلے
بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے لگے۔ اسقف اعظم نے انہیں روکا اور کہا کہ ہمیں جوش
کے بجائے ہوش سے کام لینا چاہیئے اور مشتعل ہو کر اپنی تباہی و بربادی کا سامان
نہ کرنا چاہیئے۔ جب لوگوں سے رائے لی گئی تو انہوں نے مختلف رائیں دیں اور
آخر بڑی رد و کد کے بعد یہ طے پایا کہ ایک وفد مدینہ جائے اور پیغمبر اسلام سے گفتگو
کرے۔ اگر بات چیت سے کوئی حل نکل آئے تو بہتر ورنہ کوئی اور تدبیر سوچی
جائے۔ چنانچہ چودہ آدمیوں کا ایک وفد عاقب سید اور ابو حارثہ کی زیر قیادت
مدینہ روانہ ہوا۔ ان میں ابو حارثہ دنیائے عیسائیت کا اسقف اعظم اور مشہور
عالم تھا اور سید اور عاقب تدبر و فراست اور معاملہ فہمی میں ممتاز سمجھے جاتے تھے
جب یہ وفد مدینہ میں وارد ہوا تو اہلِ مدینہ ان کے زرق برق لباس، ریشمیں عبائیں
اور سج دھج دیکھ کر حیرت میں کھو گئے۔ کیونکہ اس سے پیشتر کوئی وفد اس طنطنہ
اور طمطراق کے ساتھ یہاں نہیں آیا تھا۔ جب وہ بنے ٹھنے مسجد نبوی کے قریب
پہنچ کر سواریوں سے اترے اور اینٹھتے اور اکڑتے مسجد میں داخل ہوئے تو آنحضرتؐ
نے ان کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور جسموں پر دیبا و حریر کے لباس
فاخرہ دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا۔ اس دوران میں ان کی نماز کا وقت شروع
ہو گیا اور انہوں نے مشرق کی سمت رخ کر کے نماز شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے
انہیں روکنا چاہا آنحضرتؐ نے فرمایا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اپنے

طریقہ پر نماز پڑھنے دو۔ نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے کچھ دیر توقف کیا۔ جب
پیغمبرؐ نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی تو تیوریوں پر بل ڈالے اور باہر نکل آئے۔
مسجد کے باہر حضرت عثمان اور عبدالرحمن کو دیکھا تو حضرت عثمان سے شکوہ
آمیز لہجہ میں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں پیغام بھیجا اور جب ہم
حاضر ہوئے تو منہ پھیر لیا اور جواب سلام تک نہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں
معلوم کہ ایسا برتاؤ کیوں روا رکھا گیا ہے۔ حضرت علی کے پاس جائیے وہ اس کا
مطلب بتا سکیں گے۔

چنانچہ وہ دونوں اس وفد کو لے کر حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور ان سے پیغمبرؐ کی بے التفاتی کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ تم یہ ریشمیں عبائیں اور
سونے کی انگوٹھیاں اتار کر اور سیدھے سادھے کپڑے پہن کر جاؤ۔ آنحضرتؐ تمہیں
باریاب ہونے کا موقع دیں گے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور پیغمبرؐ نے نماز
عصر سے فارغ ہو کر مختلف مسائل پر ان سے گفتگو کی اور جب انہیں اسلام
کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی مسلمان ہیں۔ فرمایا تم مسلمان کیونکر
ہو سکتے ہو جب کہ خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔ صلیب کی پرستش کرتے ہو اور
مسیح کو ابن اللہ سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ بے شک مسیح ابن اللہ ہیں۔ اگر وہ ابن اللہ
نہیں ہیں تو آپ فرمائیے کہ ان کا باپ کون تھا۔ اور کیا کوئی بغیر باپ کے بھی
پیدا ہو سکتا ہے؟

آنحضرتؐ نے قرآن مجید کی اس آیت سے جواب دیا۔

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم
قال لہ کن فیکون۔

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے جسے مٹی سے پیدا کیا، پھر

کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

مطلب یہ تھا کہ عیسیٰ کا تو فقط باپ نہ تھا اور آدم کا نہ باپ تھا اور نہ ماں تھی پھر انہیں خدا کا بیٹا کیوں نہیں کہتے ان کے پاس اس کا تو کوئی جواب نہ تھا کٹھ حجتیوں اور کج بحثیوں پر اتر آئے۔ جب وہ دلیل و حجت سے قائل ہوتے نظر نہ آئے تو اللہ کی طرف سے وحی ہوئی۔

فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءكم و نساءنا و نساءكم و انفسنا و انفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين۔

جب تمہارے پاس علم آ چکا اس کے بعد بھی یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے حجت کریں تو ان سے کہو کہ آؤ اس طرح فیصلہ کریں کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو پھر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

آنحضرتؐ نے نصاریٰ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ دعوتِ مباہلہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اگر صرف گفت و شنید اور افہام و تفہیم پر معاملہ ختم کر دیا جاتا تو وہ پلٹ کر یہ دعویٰ کرتے کہ ہم نے پیغمبرِ اسلام سے بحث و مناظرہ کیا مگر ان کی باتوں سے نہ ہماری تشفی ہوا اور نہ وہ دلیل و برہان سے ہمیں قائل کر سکے۔ اب ان کی زبان بندی کا یہی ایک طریقہ تھا کہ انہیں مباہلہ کی دعوت دی جاتی کیونکہ مباہلہ سے گریز یا اس کے نتیجہ میں شکست تو چھپنے والی بات ہی نہ تھی کہ باتوں کے ذریعہ اس پر پردہ ڈالا جا سکتا۔ اور فتح کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا۔ نصاریٰ پہلے تو اثباتِ حق کے اس طریق کار سے گھبرائے اور پھر کہا کہ ہمیں

آج کے دن کی مہلت دیجئے کل ہم اس کے لئے تیار ہیں یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مقام پر پہنچ کر آپس میں تبادلۂ خیالات کیا۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ ابو حارثہ نے کہا کہ اگر کل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب و اتباع اور لاؤ لشکر کے ساتھ سطوت و شکوہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے آئیں تو بے کھٹکے مباہلہ کرنا اور اگر اپنے بچوں اور کنبہ والوں کو لے کر عجز و انکسار کے ساتھ آئیں تو پھر مباہلہ نہ کرنا۔

مباہلہ کی قرارداد طے ہونے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ کی آبادی سے متصل ایک جگہ مباہلہ کے لئے منتخب کی جسے سلمان فارسی نے خس و خاشاک سے پاک و صاف کیا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی نصاریٰ مقام مباہلہ پر پہنچ گئے۔ مہاجرین و انصار بھی گھروں سے نکل آئے اور میدان میں جمع ہو گئے، جب پیغمبر اکرمؐ کو نصاریٰ کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا اور حسن و حسین کو مباہلہ میں شرکت کے لئے طلب کیا۔

سعد ابن ابی وقاص کہتے ہیں۔

لما نزلت هذه الآیه ندع ابناءنا و ابناءکم دعا رسول الله علیا و فاطمة و حسنا و حسینا فقال اللّٰهم هٰولاء اهلی۔

جب آیہ مباہلہ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو طلب کیا اور کہا اے میرے اللہ یہی میرے اہلبیت ہیں۔

(صحیح مسلم۔ ج ۲ ص ۲۸۷)

ابن واضح یعقوبی نے تحریر کیا ہے۔

غدا رسول الله آخذ بید الحسن و الحسین علیهما السلام

تبتعه فاطمه وعلی ابن ابی طالب یدیه۔ (تاریخ یعقوبی ج۲ ص۶۶)

رسولِ خدا صبح صبح اس طرح نکلے کہ حسن وحسین علیہما السلام کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور پیچھے پیچھے جناب فاطمہؑ اور آگے آگے حضرت علیؑ تھے۔

جب پیغمبرؐ میدان مباہلہ میں پہنچے تو ایک درخت کے نیچے دو زانو بیٹھ گئے اور علی کو آگے فاطمہؑ کو عقب میں اور حسن وحسین کو داہنے بائیں بٹھالیا۔ اور ان سے کہا جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نصاریٰ نے جب پیغمبر کے ہمراہ ایک مرد ایک خاتون اور دو بچوں کو دیکھا تو پہلے تو حیرت زدہ ہوئے اور پھر ایک مبہم سا خوف ان پر طاری ہوگیا۔

ابو حارثہ نے کہا۔

یا معشر النصاری انی لاری وجوھا لو شاء اللہ ان یزیل جبلا من مکانه لازاله بها فلا تباهلوا فتھلکوا۔

اے گروہِ نصاریٰ میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ چاہے کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے سرکا دے۔ ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ تباہ وہلاک ہوجاؤ گے۔

(تفسیر کشاف ۔ پارہ ۳)

جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کے ہمراہ آنے والے ان کے داماد وابن عم علی مرتضیٰ اور بیٹی فاطمہ زہرا اور نواسے حسن وحسین ہیں تو صداقت وخود اعتمادی کے ان حسین پیکروں کو دیکھ کر ان پر برق خاطف گری اور چرخ نبوت کے نیر اعظم اور فلک ہدایت کے درخشندہ ستاروں کی تابانیوں سے ان کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور مباہلہ سے پیچھا چھڑاتے نظر آنے لگے اور اس تصور نے انہیں اور پست ہمت بنا دیا کہ اگر پیغمبرؐ کو اپنی صداقت پر مکمل وثوق واعتماد نہ ہوتا تو وہ اس پُرخطر منزل میں غیروں کو لے کر آتے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو

ساتھ نہ لاتے کیونکہ یہی وہ افراد تھے جن سے بقائے نسلِ رسولؐ وابستہ تھی اگر یہی بد دعا کے نتیجہ میں ہلاک ہو جاتے تو نسلِ رسولؐ ہی ختم ہو جاتی ظاہر ہے کہ اس طرح کا اقدام وہی کر سکتا ہے جسے اپنی صداقت پر مکمل یقین اور اپنی حقانیت پر پورا بھروسہ ہو۔ ابھی نصاریٰ تذبذب کے عالم میں تھے کہ ابو حارثہ کے بھائی کرز ابن علقمہ نے جو اسلام کی صداقت سے متاثر ہو چکا تھا کہا کہ اے گروہ نصاریٰ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ محمدؐ ہی وہ نبی خاتم ہیں جن کا تذکرہ ہمارے مقدس صحیفوں میں ہے ہمیں ان سے مباہلہ نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے جو نبیوں سے مباہلہ کرتا ہے وہ ہلاکتِ ابدی کے گڑھے میں گرے بغیر نہیں رہتا۔ ذرا آنکھیں کھول کر گرد و پیش کا جائزہ لو کیا تمہیں فطرت کی جوشش غضب میں ابلی ہوئی نگاہیں عذاب کی آمد کا پتہ نہیں دے رہیں۔ اب جو نظریں اٹھیں تو دیکھا کہ سورج کی چمک دمک پھیکی پڑ چکی ہے۔ فضا میں دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے ہیں شاخوں سے پتے جھڑ رہے ہیں اور پرندے آشیانوں سے بے آشیاں ہو کر زمین پر دبکے پڑے ہیں۔ کائنات کے اس خشمگیں تیوروں کو دیکھ کر نصاریٰ کے دل دہل گئے۔ مباہلہ سے دست بردار ہو کر صلح کی درخواست کی آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت علیؑ کو شرائط صلح طے کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ حضرت نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ سال میں دو مرتبہ ماہ صفر اور ماہ رجب میں ایک ہزار پارچے بطور جزیہ دیا کریں گے اور ہر پارچہ چالیس درہم کا ہوگا اور اگر یمن میں کبھی جنگ چھڑی تو وہ جنگی امداد کے سلسلہ میں تیس زرہیں تیس نیزے اور تیس گھوڑے عاریۃً دیں گے اور اس کے صلہ میں وہ اپنی زمینوں پر بدستور آباد رہیں گے اور ان کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔

یہ فتح و سرفرازی تاریخ اسلام میں کیا تاریخ عالم میں اپنی نوعیت کے لحاظ

سے منفرد ہے کہ ایک طرف گنے چنے پانچ افراد ہیں۔ جن میں ایک خاتون اور دو کمسن بچے بھی شامل ہیں جن کے جلو میں نہ مادی قوت وطاقت کے عساکر ہیں نہ ان کے سروں پر خود نہ جسموں پر زرہیں اور نہ ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ وہ صرف یقین کی قوت اور اعتماد کی طاقت سے نجران کے نمائندہ وفد کو بے دست وپا کر کے اپنی صداقت کا لوہا منوا لیتے اور ان کے تمرد وشکوہ کو کچل کر ان کی گردنوں میں باجگزاری کا جوا ڈال دیتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ عیسائیوں نے مباہلہ سے انکار کر کے اپنی شکست اور اسلام کی فتح کا عملاً اعتراف کر لیا اور الوہیت مسیح کے سلسلہ میں اپنے عقیدہ ویقین کا پردہ چاک کر دیا۔ اگر انہیں اپنے مسلک کی صحت اور اپنے عقیدہ کی صداقت پر اعتماد ہوتا تو کبھی مباہلہ سے گریز نہ کرتے اور جزیہ قبول کر کے اپنے عقائد کی ناپختگی کا ثبوت نہ دیتے۔

اس موقع پر انصار ومہاجرین عشرۂ مبشرہ واصحاب بدریین اور ان کی اولادیں موجود تھیں اور الفاظ قرآن میں بلحاظ جمع سب کے لئے گنجائش بھی تھی اور صحابہ اور ان کی اولاد وازواج کو مباہلہ میں شریک کیا جا سکتا تھا مگر وسعت وگنجائش کے باوجود صرف حسن وحسین فاطمہ زہرا اور علی مرتضیٰ منتخب ہوئے۔ اگر آیت کا مفہوم یہ ہوتا کہ دو بیٹوں ایک خاتون اور ایک اپنے دل وجان کو لے کر مباہلہ کے لئے نکلو تو پیغمبرؐ دوسروں کو یہ کہہ سکتے تھے کہ میں تمہیں بھی اس قابل سمجھتا تھا کہ مباہلہ میں شریک کرتا مگر حکم قرآن کے پیش نظر چار افراد سے زیادہ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا اور دوسرے بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر چار سے زائد افراد کو لے جانے کی گنجائش ہوتی تو وہ بھی شریک مباہلہ کئے جاتے مگر الفاظ میں انتہائی وسعت کے ہوتے ہوئے کسی کو شرکت کی دعوت نہ دینا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مباہلہ میں شمولیت سے مانع الفاظ کی تنگ دامنی اور تعداد کی قید نہ تھی بلکہ اس کے لئے جن اوصاف

کی ضرورت تھی وہ ان منتخب ہستیوں کے علاوہ کسی اور میں نہ تھے ورنہ پیغمبرؐ بلاوجہ کسی کو نظر انداز نہ کرتے۔

مباہلہ کی منزل میں قدم رکھنے کے لئے دو صفتیں از بس ضروری تھیں ایک یقین اور دوسرے صدق یقین اس لئے کہ حسبِ ظاہر مباہلہ میں ہلاکت کا خطرہ تھا اور جب تک اپنے موقف کی صداقت پر یقین کامل اور اپنے دعویٰ کی صداقت پر وثوق تام نہ ہو کوئی عاقل معرض ہلاکت میں آکھڑا نہیں ہوتا ایسے پرخطر موقع پر وہی ثابت قدم رہ سکتا جس کا یقین غیر متزلزل ہو۔ ورنہ بے یقینی کے نتیجہ میں قدم لرز جاتے اور دل دہل جاتے۔ اسی ضرورت یقین کے پیشِ نظر آنحضرتؐ نے ان افراد کو منتخب کیا۔ جن کے یقین میں نہ کبھی کمزوری رونما ہوئی اور نہ تشکوک و ابہام کے غبار سے دھندلا ہوا اگر کوئی اور بھی یقین کی اس منزل پر فائز ہوتا تو نظر انتخاب اس پر پڑتی مگر کسی اور کا نظر انتخاب میں نہ آنا اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبرؐ انہی کو یقین کے بلند ترین مرتبہ کا حامل سمجھتے تھے۔ دوسری صفت صدق ہے۔ یہ اس لئے ناگزیر تھی کہ کذب سے ٹکراؤ تھا اور کاذبین کے مقابلہ میں صادقین ہی کو لایا جا سکتا ہے کیونکہ جھوٹی قوتوں سے وہی افراد برسرپیکار ہو سکتے ہیں۔ جو ہمیشہ سچائی کی راہ پر گامزن رہے ہوں۔ اور نصاریٰ نجران بنصِ قرآن کاذب تھے کیونکہ ان کے عقیدوں میں کذب کارفرما تھا۔ اس طرح کہ وہ تین خداؤں کے قائل تھے اور باپ بیٹا اور روح القدس کو الوہیت میں شریک سمجھتے تھے مگر عقیدۂ توحید اتنا فطری ہے کہ تین کہنے کے ساتھ ایک بھی کہتے تھے اس فطری اور اعتقادی تصادم کے نتیجہ میں تین ایک اور ایک تین کا پیچیدہ اور ناقابلِ فہم مزعومہ عقیدہ بن کر ان کے ذہنوں میں رچ بس گیا تھا۔ یہ عقیدہ تثلیث چند لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہے جو انتہائی کوششوں اور کاوشوں کے باوجود ابھی تک لاینحل ہے اس لئے کہ کوئی انسان عقل و شعور کی

روشنی میں یہ مسئلہ حل نہیں کر سکتا کہ ایک تین کیسے ہو سکتا ہے اور تین ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ چونکہ واقع کے خلاف ہے کیونکہ واقع میں نہ تین خدا ہیں اور نہ ایک تین اور تین ایک کا کوئی مصداق اور جو چیز واقع کے خلاف ہو اسی کا نام کذب ہے بلکہ اگر کوئی نظریہ واقع کے مطابق بھی ہو مگر زبان اس سے ہمنوا نہ ہو تو وہ بھی کذب ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يشهد ان المنافقون لكاذبون۔

جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دل زبان سے الگ ہو اس طرح کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ ہو تو وہ بھی جھوٹ ہے اگرچہ زبان پر آنے والے کلمات واقع کے مطابق کیوں نہ ہوں۔ اور صدق یہ ہے کہ دل زبان کی صدا سے ہم آہنگ ہو اور جو زبان پر ہو وہ واقع کے مطابق بھی ہو۔ اب صادق وہ ہو گا جس کی زبان کا ہر لفظ دل کا ہر ارادہ اور عمل کی ہر جنبش واقع کے عین مطابق ہو اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جن ذواتِ مقدسہ کو مباہلہ کے لئے منتخب کیا تھا ان کا ہر قول ہر عمل اور ہر ارادہ صداقت کا آئینہ دار تھا۔ وہ اعتقاداً قولاً اور عملاً ہر لحاظ سے سچے تھے نہ ان کے قول و عمل میں کبھی کوئی غلطی دیکھی گئی اور نہ کبھی ان کے عقیدہ میں کوئی لغزش نظر آئی۔

حضرت علیؑ خود فرماتے ہیں :۔

ماوجد لی کذبۃ فی قول ولا خطلۃ فی فعل۔

پیغمبرؐ نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا اور میرے کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔" (نہج البلاغہ)

اس انتخاب سے جہاں اہلبیت اطہار کی عصمت و صداقت اور پھر دوسروں پر فوقیت و برتری کا اظہار ہوتا ہے وہاں اسلام میں ان کی بنیادی و اساسی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس طرح قدرت نے مباہلہ میں ان کی شرکت کو ضروری قرار دیا اور پیغمبرؐ نے اپنی دعا کا تکملہ ان کی صدائے آمین کو قرار دیا۔ اور انہی کے امتیازی کردار کی بدولت اسلام کو یہ فتح مبین حاصل ہوئی۔ حیرت ہے کہ جو کار نبوت کے سرانجام دینے میں پیغمبرؐ کے شریک کار ہوں اور جن کی شرکت کے بغیر مباہلہ کی تکمیل نہ ہو سکتی ہو وہ نیابت پیغمبرؐ کے سلسلہ میں اس طرح نظر انداز کر دیئے جائیں۔ کہ ادھر نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے اور مشورہ تک میں ان کی شمولیت کو غیر ضروری سمجھا جائے۔

"دریں دیار مگر رسم باز دیدن نیست"

سریۂ بنی زبید

سنہ ۱۰ ہجری!

پیغمبر اکرمؐ تبوک سے پلٹ کر جب مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو بنی مذحج کی ایک شاخ بنی زبید کا سردار عمرو ابن معدیکرب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اور اس کے قبیلہ کے آدمیوں نے جو اس کے ہمراہ تھے اسلام قبول کر لیا۔ عمرو کا باپ معدیکرب دورِ جاہلیت میں مارا گیا تھا۔ اس نے پیغمبر اکرم سے کہا کہ میں اپنے باپ کے قاتل سے قصاص لینا چاہتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جاہلیت کے خون کا قصاص ختم کر دیا گیا ہے۔ اس وقت تو وہ خاموش ہو گیا مگر وہاں سے پلٹ کر وہ بغاوت و سرکشی پر اتر آیا اور بنی حارث ابن کعب پر حملہ کر کے انہیں قتل و غارت کیا اور اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گیا۔

پیغمبر اکرمؐ کو اس کے شر و فساد کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت علیؑ کو تین سو کے لشکر کے ساتھ یمن جانے کا حکم دیا تاکہ ان شورشوں کو دبائیں اور نصاریٰ نجران سے بھی جزیہ وصول کریں۔ جب حضرت علیؑ روانہ ہونے لگے تو پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھوں سے علم سج کر آپ کو دیا اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پہ عمامہ باندھا جس کا ایک سرا سینہ پر تھا اور ایک سرا پشت پر اور فرمایا کہ اگر وہ لوگ لڑائی چھیڑیں تو ان سے لڑنا ورنہ از خود ابتداء نہ کرنا۔ اس لشکر کے ساتھ ایک اور لشکر خالد ابن ولید کی ماتحتی میں قبیلہ بنی جعفی کی طرف روانہ کیا اور خالد کو یہ ہدایت کی کہ اگر کسی مقام پر دونوں لشکر یکجا ہو

ہو جائیں اور دشمن سے جنگ چھڑ جائے تو دونوں لشکروں کے سردار علی ہوں گے۔ حضرت علیؑ نے فوج کے اگلے حصّے کا سردار خالد ابن سعید کو اور خالد ابن ولید نے ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کیا اور دونوں اپنے اپنے لشکروں کی قیادت کرتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔
جب خالد ابن ولید بنی جعفی کی طرف بڑھے اور انہیں لشکرِ اسلام کی آمد کا پتہ چلا تو وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ یمن چلا گیا اور ایک گروہ بنی زبید سے جا ملا۔ امیرالمومنین کو بنی جعفی کے تقسیم ہو جانے کی اطلاع ہوئی تو خالد کو کہلا بھیجا کہ جس مقام پر میرا قاصد تمہیں ملے وہیں پر رک جاؤ مگر خالد نے اس خیال سے کہ اگر دونوں لشکر ایک ہو گئے تو افسری جاتی رہے گی۔ رُکنے سے انکار کر دیا۔
حضرت نے خالد ابن سعید سے کہا کہ فوج کا ایک دستہ لے کر جاؤ اور خالد کو جہاں پاؤ روک لو۔ خالد ابن سعید نے آگے بڑھ کر انہیں روک لیا۔ امیرالمومنین وہاں پر پہنچے تو خالد ابن ولید کو حکم عدولی پر سرزنش کی اور دونوں لشکروں کو ایک کر کے آگے چل دیئے۔ جب مقام کشر میں پہنچے تو بنی زبید سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ عمرو ابن معدیکرب مقابلہ پر اتر آیا خالد ابن سعید نے چاہا کہ ان سے جنگ آزما ہوں مگر حضرت نے انہیں روک لیا اور شمشیر بکف میدان میں اتر آئے۔ عمرو ابن معدیکرب اگرچہ عرب کا مشہور جنگ آزما اور تیغ زن تھا مگر حضرت کو اپنے مقابلہ میں آتے دیکھ کر اس کے قدم لڑکھڑا گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا ایک بھائی اور ایک بھتیجا مارا گیا اور اس کی بیوی رکانہ بنت سلامہ اور بچے اسیر کر لیے گئے۔ ان کے علاوہ اور عورتیں بھی قید کی گئیں اور بہت سا مالِ غنیمت

ہاتھ لگا۔ دشمن کو مغلوب واسیر کرنے کے بعد حضرت حجۃ الوداع میں شریک ہونے کے لیے مکہ روانہ ہوگئے اور خالد ابن سعید کو وہاں چھوڑ گئے تاکہ بنی زبید سے صدقات جمع کریں اور ان میں سے کوئی مسلمان ہوکر امان طلب کرے تو اسے امان دیں۔ جب عمرو ابن معدیکرب کو معلوم ہوا کہ اس کے بیوی بچّے اسیر کر لیے گئے ہیں تو وہ خالد ابن سعید کے پاس آیا اور دوبارہ اسلام قبول کرکے اپنے بیوی بچوں کو واپس لے لیا اور اس کے صلہ میں اپنی مشہور تلوار صمصامہ خالد ابن سعید کو نذر کردی۔

امیر المومنین نے مالِ غنیمت کے خمس میں سے ایک کنیز لے لی تھی خالد ابن ولید نے براء ابن عازب کے ہاتھ ایک خط پیغمبر کی خدمت میں بھیجا جس میں حضرت علیؑ کے اس اقدام کی سخت لب و لہجہ میں شکایت کی۔ جب آنحضرتؐ نے وہ تحریر پڑھی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور براء سے مخاطب ہوکر فرمایا:۔

ماتری فی رجل یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ۔

تم اس شخص کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں"۔

(صحیح ترمذی۔ صد ۲۱۵)

براء نے پیغمبرؐ اکرم کے چہرے پر آثارِ غضب دیکھ کر کہا کہ یا رسولؐ اللہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں میں تو صرف ایک پیغامبر کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر پیغمبر اکرمؐ خاموش ہوگئے۔

امیر المومنین کو اس مال میں ہر طرح کا حق تصرف حاصل تھا اور ان کا حصہ بھی ایک خادمہ سے کہیں زیادہ تھا مگر وہ لوگ جو اپنے دلوں میں عناد لیے ہوئے تھے وہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگے جس سے پیغمبرؐ کو ان کے خلاف کیا جا سکے چنانچہ اس موقع پر بھی پیغمبرؐ کے جذبات کو ان کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی گئی مگر علی کو مورد طعن بنانے والے خود پیغمبر کے غیض وغضب کا ہدف بن گئے اور پیغمبرؐ نے یہ کہہ کر ان کی زبانوں کو بند کر دیا کہ علیؑ خدا اور رسولؐ کے دوست ہیں اور خدا اور رسولؐ ان کے دوست ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اگر یہ ناسزا و ناروا عمل ہوتا تو پھر نہ خدا ان کا دوست رہتا اور نہ اس کا رسولؐ اور نہ وہ خدا اور رسولؐ کے دوست رہتے۔

حجۃ الوداع

۲۵ ذیقعد ۱۰ھ ہجری!

۶ھ میں پیغمبرؐ اسلام عمرہ کے ارادے سے نکلے مگر قریش سدراہ ہوئے اور آپ حدیبیہ سے واپس پلٹ آئے اور مکہ پہنچ کر عمرہ بجا نہ لا سکے۔ ۷ھ میں پھر عمرہ کے لیے تشریف لے گئے مگر قریش سے معاہدہ کی بناء پر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کر سکے۔ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور بتوں سے خانہ کعبہ کی تطہیر عمل میں آئی۔ ۹ھ میں حضرت علیؑ کو سورہ براۃ کی آیتیں دے کر رسوم حج کو شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے مشرکین سے بیزاری ولاتعلقی کا اعلان کر کے انہیں حرم

کعبہ میں آئندہ قدم رکھنے سے منع کیا۔ ۱۰ھ میں ادائے فریضہ حج کا قصد فرمایا اور دعوت حج کی صدا تمام اکنافِ عالم میں گونج اٹھی۔

اذن فی الناس بالحج یاتوك رجالا وعلیٰ کل ضامر
من کل فج عمیق لیشهدوا منافع لهم

لوگوں میں حج کے لیے پکارو۔ تمہارے پاس دور دراز کی راہوں سے پیادہ اور سفر سے تھکی ماندی سواریوں پر چڑھ کر آئیں گے تاکہ وہ (دین و دنیا کے) فائدے حاصل کریں۔

پیغمبر اکرمؐ کی آواز پر ہر سمت سے مسلمان کثیر تعداد میں مدینہ پہنچ گئے تاکہ پیغمبرؐ کے ساتھ فریضۂ حج بجا لائیں اور آداب و احکام حج سیکھیں آنحضرتؐ ۲۶ ذیقعد کو ہزاروں مسلمانوں کے جلو میں مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے جناب فاطمہ زہراؑ اور ازواجِ رسولؐ بھی اس سفر میں شریک تھیں جب ظہر کے قریب وادی ذی الحلیفہ میں پہنچے تو غسل احرام کے بعد احرام باندھا۔ صحابہ نے احرام باندھ لیے اور سب نے مل کر تلبیہ کیا تو لبیک اللھم لبیک کی آوازوں سے دشت و صحرا گونج اٹھے۔

حضرت علی یمن ہی میں تھے کہ آنحضرتؐ نے انہیں تحریر فرمایا کہ وہ مکہ پہنچ کر حج میں شریک ہوں۔ آپ اپنے دستۂ سپاہ کے ساتھ وہاں سے چل دیئے۔ راستے میں لشکر کی امارت ایک شخص کے سپرد کر کے آگے بڑھے اور وادی یلیلم سے احرام باندھ کر آنحضرتؐ کے وارد مکہ ہونے سے پہلے ان کی خدمت میں پہنچ گئے۔

پیغمبرؐ نے آپ کو دیکھا تو چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ پوچھا کہ اے علی تم نے کس نیت سے احرام باندھا ہے۔ عرض کیا کہ آپ نے اس کے

متعلق تحریر نہیں فرمایا تھا اس لیے میں نے اپنی نیت کو آپ کی نیت سے وابستہ کر دیا تھا کہ جو آپ کی نیت ہوگی وہی میری نیت ہوگی میں اپنے پیچھے ۳۴ اونٹ قربانی کے چھوڑ آیا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہمراہ قربانی کے ۶۶ اونٹ ہیں۔ اور تم مناسک حج اور قربانی کے اونٹوں میں میرے شریک ہو، اس کے بعد حضرت علیؑ نے یمن کی تمام روداد اور جزیہ اور غنائم وصدقات کی تفصیل بیان کی اور عرض کیا کہ میں اموالِ غنیمت و جزیہ لشکر کے سپرد کر کے شوق زیارت میں پہلے چلا آیا ہوں۔

فرمایا کہ تم اپنے ہمراہیوں کے پاس جاؤ اور انہیں لے کر جلد مکہ پہنچ جاؤ۔ حضرت علیؑ پیغمبرؐ سے رخصت ہو کر واپس پلٹے۔ ابھی تھوڑا سا راستہ طے کیا ہوگا کہ لشکر کو آتے دیکھا۔ جب وہ لوگ قریب پہنچے تو دیکھا کہ سب نے باندھی ہوئی گٹھڑیوں میں سے نئے جامے نکال کر احرام باندھ رکھے ہیں آپ نے نگران لشکر سے پوچھا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر یہ پارچے کیوں تقسیم کیے ہیں کہا کہ ان لوگوں نے اصرار کیا تھا کہ یہ پارچے انہیں دے دیئے جائیں اور بعد میں واپس لے لیے جائیں۔

فرمایا کہ انہیں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا۔ پھر حکم دیا کہ یہ پارچے اتار دیئے جائیں اور انہیں بحفاظت رکھ دیا جائے۔ لوگوں نے پارچے اتار تو دیئے مگر انہیں یہ بات بہت ناگوار گزری۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت علیؑ کا گلہ شکوہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا:

یا ایھا الناس لاتشکوا علیاً فو اللہ انہ لاخشن فی ذات اللہ او فی سبیل اللہ

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۴۰۲)

"اے لوگو علیؑ کا گلہ نہ کرو وہ اللہ کے معاملے میں سخت گیر ہیں۔"

حجۃ الوداع سے پیشتر دو قسم کے حج ہوتے تھے ایک حج افراد اور ایک حج قرآن۔ ان دونوں میں عمرہ ایک جداگانہ اور مستقل عمل کی حیثیت رکھتا ہے جو اعمالِ حج بجا لانے کے بعد بجا لایا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حج قرآن میں قربانی کے جانور ساتھ ہوتے ہیں اور حج افراد میں قربانی کے جانور ساتھ نہیں ہوتے۔ اس موقع پر آیۃ واتموالحج والعمرۃ للہ، "اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو" نازل ہوا تو حج میں ایک تیسری قسم کا اضافہ ہوگیا جسے حج تمتع کہا جاتا ہے۔ حج تمتع میں عمرہ حج ہی کا ایک جزو ہوتا ہے جو ایامِ حج میں حج سے پہلے بجا لایا جاتا ہے چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے عمرہ بجا لا کر احرام کھول دیا جائے اور آٹھ ذی الحجہ یوم ترویہ کو حج کا احرام باندھا جائے اور اعمال حج بجا لائے جائیں اسے حج تمتع اس لیے کہا جاتا ہے کہ عمرہ و حج کے درمیانی وقفہ میں احرام کے قیود اٹھ جاتے ہیں اور جو چیزیں احرام کی حالت میں جائز نہیں ہیں ان سے متمتع ہوا جا سکتا ہے۔ یہ حج ان لوگوں کے لیے ہے جو مکہ سے اڑتالیس میل سے زیادہ فاصلہ کے رہنے والے ہوں اور حج افراد و حج قرآن مکہ سے اڑتالیس یا اس سے کم مسافت کے رہنے والوں کے لیے ہے۔

اس سفرِ حج میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے۔ آنحضرتؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ حج کی نیت کو عمرہ کی نیت سے بدل لیں اور عمرے کے بعد احرام اتار دیں اور حج تمتع بجا لائیں اور جن لوگوں کے ہمراہ قربانی کے جانور ہیں وہ احرام باندھے رکھیں۔ آنحضرتؐ کے ہمراہ چونکہ قربانی کے اونٹ تھے اس لیے آپ کا حج قران تھا اور حضرت علیؑ کی نیت بھی پیغمبرؐ کی نیت حج کے تابع تھی اس لیے دونوں نے احرام نہ کھولے۔

جب لوگوں نے پیغمبرؐ کو احرام باندھے دیکھا تو احرام کھولنے میں پس وپیش کرنے لگے اور سابقہ طریقہ حج سے مانوس طبیعتوں پر یہ عمل انتہائی شاق گزرا اور وہ بدستور احرام باندھے رہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے انہیں تعمیل حکم سے پہلو تہی کرتے دیکھا تو سخت رنجیدہ ہو گئے اور غیض و غضب کی شکنیں ماتھے پر ابھر آئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

قدم رسول اللہ لاربع مضین من ذی الحجۃ او خمس فدخل علی وھو غضبان فقلت من اغضبک یا رسول اللہ ادخلہ اللہ النار قال اوما شعرت انی امرت الناس بامر فاذا ھم یترددون لو انی استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الھدی معی حتی اشتریہ ثم احل کما حلوا (صحیح مسلم۔ ج ا ص ۳۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو وارد ہوئے اور غیض وغضب کی حالت میں میرے ہاں آئے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کس نے آپ کو غضب ناک کیا ہے خدا اسے جہنم واصل

کرے فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ تردّد و تذبذب میں پڑ گئے ہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ صورت حال یہ پیش آنے والی ہے تو میں قربانی کے جانور اپنے ساتھ لانے کے بجائے یہاں سے خرید لیتا اور ان لوگوں کی طرح احرام کھول دیتا۔"

جس طرح آنحضرتؐ کی زندگی میں کچھ لوگوں نے حج تمتع کی مخالفت کی اسی طرح پیغمبرؐ کے بعد بھی اس کی مخالفت کرتے رہے اور حکم شرعی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دیتے رہے چنانچہ عمران ابن حصین کہتے ہیں:۔

نزلت اية المتعة فی كتاب الله و امرنا بها رسول الله ثم لم تنزل اية تنسخ اية متعة الحج ولم ينه عنها رسول الله حتىٰ مات قال رجل برايه بعد ماشاء۔

"حج تمتع کی آیت قرآن مجید میں نازل ہوئی ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں اس کا حکم دیا تھا اور بعد میں کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو حج تمتع کی آیت کو منسوخ کرتی اور نہ رسول اللہؐ نے مرتے دم تک اس سے منع کیا۔ البتہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔"

(صحیح مسلم، ج:۱۔ ص۴۰۳)

شارح مسلم نواوی نے تحریر کیا ہے۔

يعنی عمر ابن الخطاب رضی الله لانه اول من نهی عن المتعة فكان من بعده من عثمان وغيره تابعاله فی ذلك

(حاشیہ مسلم۔ ج ۱۔ ص۴۰۲)

"اس سے مراد عمرؓ ابن خطاب ہیں اس لیے کہ سب سے پہلے انہی نے حج تمتع سے منع کیا تھا۔ باقی رہے حضرت عثمانؓ تو وہ اس مسئلہ میں انہی کے تابع تھے۔"

بہر حال آٹھ ذی الحجہ روز پنجشنبہ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جنہوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول دیئے تھے وہ احرام حج باندھ لیں۔ خود پیغمبر اکرمؐ پہلے سے احرام باندھے ہوئے تھے اور حضرت علیؑ بھی آپ کے حسب ہدایت حالتِ احرام پر باقی تھے۔ جب احرام باندھے جا چکے تو مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور منیٰ میں تشریف لے آئے دوسرے دن نمازِ صبح کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہو گئے۔ قبل اسلام قریش نے یہ دستور بنا رکھا تھا کہ وہ مشعر الحرام پہنچ کر رک جاتے اور کہتے کہ ہم اہلِ حرم ہیں حرم سے باہر نہیں نکلیں گے۔ البتہ دوسرے لوگ عرفات میں چلے جاتے۔ قریش کا خیال تھا کہ پیغمبرؐ بھی منیٰ سے نکل کر مشعر الحرام میں رک جائیں گے اور آگے نہیں بڑھیں گے مگر حکم قرآن ثم افیضوا من حیث افاض الناس "جہاں سے دوسرے لوگ چل کھڑے ہوں تم بھی وہیں سے چل کھڑے ہو" کی بناء پر پیغمبرؐ مشعر الحرام سے آگے عرفات کی طرف چل دیئے اور وہاں پہنچ کر نمرہ میں خیمہ زن ہوئے۔ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی غروب آفتاب تک وقوف فرمایا اور بعد غروب وہاں سے چل کر مشعر الحرام میں تشریف فرما ہوئے اور مغرب و عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی۔ مشعر الحرام میں رات گزارنے کے بعد روز عید صبح کے وقت منیٰ میں آئے اور جمرۂ عقبیٰ پر رمی کرنے کے بعد تیس اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور بقیہ اونٹوں کے نحر کرنے پر حضرت علیؑ کو مامور فرمایا۔ جب اونٹ نحر ہو چکے تو ہر اونٹ میں

سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لے کر ایک دیگ میں پکوایا اور حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر اس میں سے کچھ کھایا اور باقی تقسیم کر دیا۔ قربانی سے فارغ ہو کر سر منڈوایا اور احرام کھول دیا۔ اور اسی دوران مکہ معظمہ میں پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی بجا لائے اور منیٰ میں واپس آگئے جہاں ۱۳ ذی الحجہ تک قیام فرمایا اور رمی جمعرات کا فریضہ ادا کیا۔ جب اعمالِ حج سے فارغ ہو گئے تو ۱۴ ذی الحجہ کو مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے۔

غدیرِ خُم

۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری!

پیغمبر اسلامؐ فریضہ حج سے فارغ ہونے کے بعد جب مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو کم و بیش ایک لاکھ کا مجمع آپ کے ہمرکاب تھا جو مختلف شہروں اور بستیوں سے سمٹ کر جمع ہو گیا تھا اور اب فرض سے سبکبار ہو کر خوش خوش اپنے گھروں کو پلٹ رہا تھا۔ کچھ لوگ مدینہ پہنچ کر الگ ہونے والے تھے اور کچھ لوگوں کو راستے ہی سے علیحدہ ہو جانا تھا۔ جوں جوں ان کی بستیاں قریب آتی جا رہی تھیں ان کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی کچھ لوگ شاداں و فرحاں آگے بڑھ گئے تھے اور کچھ افتاں و خیزاں چلے آ رہے تھے۔ غرض قافلہ رواں دواں تھا کہ مقام جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک پُرخار وادی میں جو خم غدیر کہلاتی تھی انہیں ٹھہر جانے کا حکم دیا گیا۔ یہ حکم اتنا اچانک اور ناگہانی تھا کہ لوگ حیرت سے ایک دوسرے

کا منہ تکنے لگے کہ یہاں منزل کیسی کیونکہ یہ جگہ نہ تو قافلوں کے اترنے کے لیے موزوں تھی نہ گرمی سے بچنے کا کوئی سامان تھا نہ دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ اور نہ اُدھر سے گزرتے ہوئے عربوں کے کسی کارواں کو یہاں منزل کرتے دیکھا گیا تھا۔

اس کارواں کو روکنے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبر اکرمؐ مسلمانوں کو اللہ کے ایک اہم فیصلہ سے آگاہ کرنا چاہتے تھے اور اس کے عمومی اعلان کے لیے مناسب موقع و محل کے منتظر تھے اور اس سے مناسب تر کوئی اور موقع نہ ہو سکتا تھا کیونکہ چند لمحوں کے بعد یہ مجمع متفرق و پراگندہ ہو جانے والا تھا اور پھر اتنی عظیم جمعیت کے یکجا ہونے کی بظاہر حال کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

عالم اسلام کے ہر کونے اور ہر خطے کے لوگ جمع تھے اور ان کے منتشر ہونے سے پہلے یہ حکم ان کے گوش گزار کر دینا ضروری تھا۔ پھر اس صحرائے بے آب و گیاہ میں کارواں کو روک لینے میں یہ مصلحت بھی کارفرما ہو سکتی ہے کہ اگر معمولاً اس مقام پر قافلے ٹھہرا کرتے تو یہ سمجھا جاتا کہ آرام اور سفر کی تکان دور کرنے کے لیے منزل کی گئی ہے اور ضمناً ایک اعلان بھی کر دیا گیا ہے جس سے اس اعلان کی اہمیت کم ہو جاتی۔ آنحضرتؐ نے اس کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لیے ایسی جگہ منتخب کی جو کبھی قافلوں کی فرودگاہ نہ رہی تھی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہاں ٹھہرنے کا مقصد آرام و استراحت نہیں ہے بلکہ معاملہ کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ کتنی زحمت و تکلیف کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے اس جلتے ہوئے میدان میں چلتے ہوئے کارواں کو روک لیا جائے اور سب کو فیصلہ خداوندی سے آگاہ کر دیا جائے

اور وہ فیصلہ آنحضرتؐ کی نیابت و جانشینی کے متعلق تھا۔

اس سے پیشتر دعوت عشیرہ کے ایک محدود دائرہ میں اور غزوۂ تبوک و تبلیغ سورہ برأۃ کے مواقع پر پیغمبرؐ کی زبان سے مختلف پیراؤں اور اشاروں کنایوں میں ایسے کلمات سنے جا چکے تھے جن سے ایک انصاف پسند اور غیر جانبدار انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور تھا کہ ہو نہ ہو پیغمبرؐ علیؑ کو اپنا نائب و جانشین مقرر کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی دیکھنے میں آتا تھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں خواہ مخواہ علیؑ کے خلاف شکوہ ریز رہتی ہیں اور ان کے معمولی منصب پر بھی ان کی دلی کدورتیں چہروں پر کھل جاتی ہیں وہ بھلا اسے کیونکر ٹھنڈے دل سے گوارا کریں گے اور اسے عملی جامہ پہننے دیں گے۔ پیغمبر اکرمؐ بھی ان چیزوں سے خالی الذہن نہ تھے وہ بعض چہروں کے آثار چڑھاؤ سے ان کی دلی کیفیتوں کو بھانپ رہے تھے اور ان کی حرکات و سکنات سے ان کے ارادوں کو سمجھ رہے تھے کہ یہ مخالفت کیے بغیر نہیں رہیں گے اور ہر ممکن طریقہ سے روڑے اٹکائیں گے۔ اس لیے مزاج شناس قدرت یہ چاہتا تھا کہ قدرت کی طرف سے ان لوگوں کے شر سے تحفظ کا ذمہ لے لیا جائے تو پھر اس کا عمومی اعلان کیا جائے۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے تحفظ کی ذمہ داری کے ساتھ اس مقام پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔

"اے رسولؐ تمہارے پروردگار کی طرف سے جو حکم تم پر اتارا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں

اور اللہ (ہر حال میں) تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا۔"

علامہ قاضی شوکانی تحریر فرماتے ہیں:۔

عن ابی سعید الخدری قال نزلت ھذہ الأیة یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک علی رسول اللہ یوم غدیر خم فی علی ابن ابی طالب۔ (فتح القدیر۔ ج ۳۔ ص۵۷)

"ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ آیۂ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک غدیر علی ابن ابی طالب کے بارے میں رسول اللہؐ پر نازل ہوا۔"

اس تہدید آمیز حکم کے بعد تاخیر کی گنجائش نہیں تھی۔ پیغمبر اکرمؐ سواری پر سے اُترے ساتھ والے بھی اُتر پڑے حی علی خیر العمل کی آواز پر آگے بڑھ جانے والے پلٹے اور پیچھے رہ جانے والے تیزی سے بڑھے اور تمام مجمع سمٹ کر یکجا ہو گیا۔ دوپہر کا وقت بادِ سموم کے جھلسا دینے والے جھونکے جلتا ہوا ریگستان آفتاب کی تمازت اور گرمی کی شدت چند ببول کے درختوں کے علاوہ نہ کہیں سبزہ نہ کہیں سایہ۔ صحابہ نے عبائیں کندھوں سے اتار کر پیروں کے گرد لپیٹ لیں اور اس جلتی ہوئی زمین پر سمہ تن گوش بن کر بیٹھ گئے۔ آنحضرتؐ نے اونٹوں کے کجاوے جمع کر کے ببول کے دو درختوں کے درمیان ایک منبر تیار کروایا اور زیب دہ عرشۂ منبر ہوئے۔ زید بن ارقم کہتے ہیں:۔

قام رسول اللہ یوم فینا خطیبا بماء یدعی خما بین مکة و المدینة فحمد للہ علیه ووعظ وذکر ثم قال اما بعد الا یا ایھا الناس فانما انا بشر یوشك ان یاتی رسول ربی فاجیب و انا تارك فیکم الثقلین اولھما کتاب

کتاب اللہ فیہ الھدی والنور فخذو ابکتاب اللہ

واستمسکوا فحث علی کتاب اللہ ورغب فیہ ثم قال واھل

بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی

اذکرکم اللہ فی اھل بیتی۔

(صحیح مسلم ج ۲۔ ص ۲۷۹)

پیغمبر اکرمؐ مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا تھا خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا اور پند وتذکیر کے بعد فرمایا" اے لوگو! میں ایک بشر ہی تو ہوں وہ وقت دور نہیں ہے کہ میرے پروردگار کی طرف سے پیغامبر آئے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں۔ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب جس میں نور وہدایت ہے لہٰذا کتابِ خدا کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے وابستہ رہو۔ آپ نے کتابِ خدا سے تمسک پر زور دیا اور اس کی طرف رغبت دلائی پھر فرمایا اور دوسرے میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اہلِ بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اہلِ بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔"

ان تمہیدی کلمات کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا الست اولی بکم منکم با نفسکم "کیا میں تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا" سب نے ہم آواز ہو کر کہا اللھم بلیٰ " بیشک ایسا ہی ہے" اپنی اولویت وحاکمیت کا اقرار لینے کے بعد حضرت علی کو بغلوں میں ہاتھ دے کر اوپر اٹھایا اور فرمایا:

یا ایھا الناس ان اللّٰہ مولای و انا مولی المومنین وانا اولی بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھٰذا مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔

”اے لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں تمام مومنوں کا مولا ہوں اور میں ان کے نفسوں سے زیادہ ان پر حاکم و متصرف ہوں۔ یاد رکھو کہ جس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ بھی مولا ہیں خدایا اسے دوست رکھ جو انہیں دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو انہیں دشمن رکھے۔

ابن عبدالبر نے تحریر کیا ہے :۔

قال یوم غدیر خم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔

(۔ ج ۲ ۔ ص ۴۲)

” پیغمبرؐ نے غدیر خم کے دن فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں۔ اے اللہ جو انہیں دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو انہیں دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ۔“

اس اعلان کے بعد آنحضرتؐ فراز منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز ظہر با جماعت ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ گروہ در گروہ علی کے خیمہ میں جائیں انہیں اس منصبِ رفیع پر مبارکباد دیں۔ چنانچہ صحابہ نے تبریک و تہنیت کے کلمات کہے۔ امہات المومنین اور دوسری خواتین نے بھی اظہار مسرت کرتے ہوئے مبارک باد دی اور حضرت عمر کے الفاظ تہنیت تو اب تک کتب تاریخ و حدیث میں موجود ہیں اور وہ یہ ہیں :۔

هنیالك یا ابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولیٰ کل مومن و مومنۃ ۔

(مسند احمد حنبل ۔ ج ۴ ۔ ص ۲۸۱)

"مبارک ہو اے فرزند ابو طالب آپ تو ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے ۔"

ادھر مبارکبادیوں کا سلسلہ جاری تھا ادھر جبرائیل امین نے اتر کر تکمیل دین و اتمام نعمت کا روح پرور مژدہ سنایا :-

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۔

"آج میں نے تمہارے دین کو ہر لحاظ سے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ۔"

جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں :-

عن ابی سعید الخدری قال لما نصب رسول اللہ علیا یوم غدیر خم فنادی لہ بالولایۃ هبط جبرئیل علیہ بھذہ الآیۃ الیوم اکملت لکم دینکم ۔

"ابو سعید خدری کہتے ہیں جب رسول اللہؐ نے غدیر خم کے دن علیؑ کو اپنی جگہ پر نصب کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبرئیل امین آیہ الیوم اکملت لکم دینکم لے کر آنحضرتؐ پر نازل ہوئے ۔"

(تفسیر در منثور ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۵۹)

واقعہ غدیر خم متواتر و مسلم اور شکوک و شبہات سے بالاتر ہے اس میں تاویلات سے تو کام لیا جاتا رہا لیکن اصل واقعہ کو جھٹلایا نہ جا سکا

اور نہ الفاظ حدیث کی صحت سے انکار کیا جا سکا کیونکہ اس حدیث کے کثرت طرق پر نظر کرنے کے بعد وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو مشاہدات اور بدیہات کے انکار کا عادی ہو۔ علم الہدیٰ سید مرتضیٰ نے فرمایا کہ واقعہ غدیر کا انکار چاند سورج اور ستاروں کے انکار کے برابر ہے علامہ مقبلی نے کہا ہے کہ اگر واقعہ غدیر یقینی نہیں ہے تو پھر دین کی کوئی بات یقینی نہیں ہے۔" فریقین کے علماء و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک عظیم اجتماع کے اندر اپنی حاکمیت و اولویت کا اقرار لینے کے بعد فرمایا کہ جو مجھے اپنا مولا سمجھتا ہے وہ علی کو بھی اپنا مولیٰ سمجھے مگر لفظ مولیٰ کو حسبِ پسند معنی پہنا کر نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جاتا کہ اس حدیث کی رو سے جو حیثیت رسولؐ کی امت سے ہے وہی حیثیت علی کی ہے تو سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کا کوئی جواز نہ رہتا چنانچہ کبھی یہ کہا گیا کہ اس کے معنی دوست کے ہیں اور کبھی یہ کہا گیا کہ اس کے معنی ناصر و مددگار کے ہیں۔ لیکن سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک جلتے ہوئے صحرا میں ہزاروں کے مجمع کو جو اپنے گھروں میں پہنچنے کے لیے بے چین تھا سمیٹنا جبکہ کارواں کا ایک حصہ عقب میں رہ گیا تھا اور اگلا ریلا تین میل آگے جحفہ کے حدود تک پہنچ چکا تھا کانٹوں کو سمیٹ کر جلتی زمین پر بیٹھنے کی جگہ بنانا پالانوں کو جمع کر کے منبر نصب کرنا اور پیغمبرؐ کا اپنے حاکم و اولی بالتصرف ہونے کا اقرار لینا کیا صرف یہ بتانے کے لیے تھا کہ جس کا میں دوست ہوں اس کے علیؑ بھی دوست ہیں یا جس کا میں مددگار ہوں، علی بھی اس کے مددگار ہیں۔ کوئی بھی صاحبِ

عقل و دانش یہ باور نہیں کرے گا کہ یہ اہتمام و انصرام محض اتنی سی بات کے لیے تھا کیا ان لوگوں سے علی کی رسولؐ اللہ سے دوستی و وابستگی مخفی تھی یا اوائل عمر سے اسلام و اہلِ اسلام کی نصرت میں علی کے کارنامے ڈھکے چھپے ہوئے اور کسی تعارف کے محتاج تھے۔ یا اللہ کا ارشاد۔

المومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض۔

"مومنین کیا مرد کیا عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

اس دوستی کے اظہار کے لیے کافی نہیں تھا اور کیا پیغمبر اپنی حاکمانہ حیثیت منوائے بغیر اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ بلاشبہ دوست و ناصر کے معنی مراد لینے سے یہ تمام چیزیں بے معنی و بے مدعا ہو کر رہ جائیں گی اور پھر اس پر بھی نظر ڈالیے کہ پیغمبرؐ کو نصرت و دوستی کے اعلان سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا کہ قدرت کو یہ کہنا پڑا واللہ یعصمک من الناس "اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے رکھے گا" اور یہ خطرہ بیرونی خطرہ بھی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ تمام بیرونی خطروں کا انسداد کیا جا چکا تھا۔ اب اگر تھا تو اندرونی خطرہ تھا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب پیغمبر کا اعلان ایک طبقہ کے سیاسی مصالح سے متصادم ہوتا اور ظاہر ہے کہ دوستی و نصرت کا اعلان تو خطرہ کو دعوت نہ دے سکتا تھا۔

یہ تمام قرائن و شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس مقام پر مولا کے معنی حاکم و متصرف کے ہیں اور جس طرح آنحضرتؐ کی ولایت و حاکمیت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح علی کی ولایت و حاکمیت کا اقرار بھی لازمی ہے

اور اسی معنی کی توضیح و تعیین کے لیے پیغمبرؐ نے اپنی حاکمانہ و متصرفانہ حیثیت کا اقرار لیا تھا ورنہ اس کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی اور حضرت عمرؓ نے مبارکباد پیش کی تو کچھ سمجھ کر ہی پیش کی ہوگی۔ اگر اس میں کسی نمایاں اعزاز کا اعلان نہ ہوتا تو تبریک کا محل ہی کیا تھا۔ اگر جنبہ داری سے ہٹ کر انصاف اور حق پسندی سے کام لیا جائے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ اعلان اسی اعلان کی صدائے بازگشت تھا جو واقعہ غدیر سے بیس برس قبل دعوتِ عشیرہ کے ایک محدود حلقہ میں کیا گیا تھا کہ:

ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا۔

"یہ میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین ہے اس کی سنو اور مانو" (تاریخ کامل۔ ج ۲۔ ص ۴۲)

بہرحال اس اعلان سے نہ صرف مسئلہ خلافت واضح ہو جاتا ہے بلکہ پیغمبرؐ کی تمام تبلیغات و تعلیمات میں اس مسئلہ کی اہمیت اور بنیادی حیثیت بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اگرچہ پیغمبر اکرمؐ نے بعثت سے ہجرت تک اور ہجرت سے حجۃ الوداع تک ان تمام احکام کی تبلیغ کی جو وقتاً فوقتاً آپ پر نازل ہوتے رہے اور مسلمان ہر ہر حکم پر عمل بھی کرتے رہے چنانچہ وہ نمازیں پڑھتے روزے رکھتے، زکوٰۃ دیتے اور جہاد میں شریک ہوتے تھے اور حج کے موقع پر جوق در جوق ادائے حج کے لیے بھی جمع ہو گئے تھے مگر آیۂ قرآنی وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ "اگر تم نے یہ نہ کیا تو گویا تم نے کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں" سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آخری تبلیغ کے بغیر تمام احکام کی تبلیغ ناتمام بلکہ کالعدم تھی حالانکہ اللہ نے کسی حکم کی

تبلیغ کو دوسرے حکم کی تبلیغ پر موقوف نہیں رکھا گر یہاں پیغمبرؐ کی تئیس سالہ تبلیغ کو صرف اس تبلیغ پر منحصر کیا گیا ہے اس طرح کہ اگر یہ تبلیغ نہ ہوتی تو دین ناتمام رہ جاتا اور کارِ رسالت پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ اس سے دو چیزوں کا ثبوت ملتا ہے ایک تو یہ کہ اس حکم کی حیثیت اسلام میں اصل و اساس کی ہے اور دوسرے اعمال و احکام کی حیثیت فروع کی ہے اور جس طرح بنیاد کے بغیر دیواروں میں استحکام نہیں آتا اور جڑ کے بغیر شاخیں پھلتی پھولتی نہیں اسی طرح اس آخری تبلیغ کے بغیر رسالت ناتمام رہتی اور دین اتمام و اکمال کو نہ پہنچتا۔ لہٰذا رسالت کو اگر اصول میں شمار کیا جاتا ہے تو جسے تکملۂ تبلیغ رسالت قرار دیا گیا ہے۔ اسے بھی اصول میں داخل ہونا چاہیئے اور دوسرے یہ کہ جب اس امر کے نہ ماننے کی صورت میں ان تمام احکام کا سیکھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا کیا بے نتیجہ نہ ثابت ہوگا۔

جیش اسامہ

۱۱ھ ھجری۔

پیغمبر اکرمؐ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں حارث ابن عمیر ازدی کو اپنا سفیر بنا کر حاکم بصری کے پاس بھیجا تھا۔ مگر راستے میں حاکم بلقاء شرجیل ابن عمرو غسانی نے انہیں گرفتار کر کے قتل کروا دیا۔ آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے تین ہزار کا ایک لشکر زید ابن حارثہ، جعفر ابن ابی طالب اور عبد اللہ ابن رواحہ کی زیرِ سرکردگی ترتیب دیا۔ اور فرمایا کہ اگر زید کام آجائیں

تو جعفر ابن ابی طالب سردارِ لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ ابن رواحہ سپہ سالار ہوں گے۔

جب یہ لشکر معان میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہرقل، روم، روم و شام کی فوجوں کے ساتھ بلقاء میں چھاؤنی ڈالے پڑا ہے۔ مسلمانوں کو دشمن کی کثرت و قوت کا پتا چلا تو ہراساں ہو کر معان میں رُک گئے اور کہنے لگے کہ ہمیں مدینہ سے مزید کمک طلب کرنا چاہیئے مگر عبد اللہ ابن رواحہ نے لشکر کا حوصلہ بڑھایا اور کہا کہ ہمیں دشمن کی ٹڈی دل فوجوں کو خاطر میں نہ لانا چاہیئے۔

مسلمانوں کی ہمت بندھی اور انہوں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ جب بلقار کے قریوں میں سے ایک قریہ مشارف میں پہنچے تو دشمن کی نقل و حرکت کو دیکھ کر موتہ کی طرف مڑ گئے تاکہ کسی مناسب جگہ پر پڑاؤ ڈال کر دشمن سے نمٹیں۔ جب موتہ میں پہنچے تو ایک میدان میں صف بندی کی اور میمنہ و میسرہ ترتیب دیا۔ دشمن نے بھی وہاں پہنچ کر صفیں جما دیں۔ زید بن حارثہ ہاتھوں میں علم لے کر نکلے اور شہید ہو گئے۔ ابن جعفر ابن ابی طالب نے علم لے لیا اور میدان میں اُتر آئے۔ دشمن سے لڑتے ہوئے کسی کی تلوار پڑی اور آپ کا داہنا ہاتھ قلم ہو گیا۔ آپ نے بائیں ہاتھ سے علم سنبھالا اور جب بایاں ہاتھ بھی قطع ہو گیا تو علم کو سینہ سے لگا لیا اور اسیؓ سے زیادہ تیر و تلوار کے زخم کھا کر شرفِ شہادت سے ہمکنار ہوئے اور پیغمبرؐ نے انہیں ذوالجناحین (دو پروں والا) اور الطیار فی الجنۃ (جنت میں پرواز کرنے والا) کے لقب سے یاد کیا پھر عبد اللہ ابن رواحہ نے علم سنبھالا اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان جلیل القدر علمبرداروں کے بعد کوئی نامزد علمبردار نہ رہا تھا۔ ایک انصاری
ثابت ابن ارقم نے علم اٹھا لیا اور کہا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب
کرلو۔ لوگوں نے کہا کہ اب تم ہی علم لیے رہو، کہا کہ میں اس کے لیے تیار نہیں
ہوں کسی اور کو منتخب کرو۔ چنانچہ خالد ابن ولید نے علم لے کر سپہ سالاری
کا منصب سنبھال لیا۔ انہوں نے کچھ دیر لڑائی کو جاری رکھا تھا کہ رات
کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ اندھیرے کی وجہ سے لڑائی رک گئی۔ خالد نے اسے
غنیمت سمجھا اور راتوں رات لشکر کو لے کر میدان سے ہٹ گئے اور
مدینہ کا رُخ کر لیا۔ جب یہ شکست خوردہ لشکر مدینہ میں پہنچا اور لوگوں کو
لشکریوں کے روبفرار ہونے کا پتہ چلا تو مٹی اٹھا اٹھا کر ان کے چہروں پر
پھینکنا شروع کی اور انہیں بھگوڑوں کے نام سے یاد کیا۔ یہ لوگ شرمندگی
سے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور سلمہ ابن ہشام نے جو اس لشکر میں شریک
تھے نماز جماعت میں آنا چھوڑ دیا اس لیے کہ جب مسجد میں آتے تھے تو لوگ
یہ کہنے لگتے تھے:۔

افررتم فی سبیل اللہ۔

"کیا تم وہی ہو جو اللہ کی راہ سے بھاگ نکلے تھے"

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۲۴۲)

یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں رونما ہوا تھا مگر ابھی تک شہداء
موتہ کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ
کسی مصلحت کی بناء پر اسے اپنی زندگی کے آخری دنوں کے لیے اٹھا رکھنا
چاہتے تھے چنانچہ اپنی بیماری کے ایام میں ایک اٹھارہ انیس سالہ نوجوان
اسامہ ابن زید کی زیر سرکردگی ایک لشکر ترتیب دیا اور مہاجرین وانصار

کو ان کی ماتحتی میں جانے پر مامور کیا۔ ابن سعید نے تحریر کیا ہے۔

فلم یبق من وجوه المهاجرین الاولین و الانصار الا انتدب فی تلک الغزوة فیهم ابوبکر الصدیق و عمر ابن الخطاب و ابوعبیدہ ابن الجراح و سعد ابن ابی وقاص و سعید ابن زید و قتادہ ابن النعمان و سلمة ابن اسلم ابن حریش۔

"انصار و مہاجرین اول میں سے کوئی نمایاں فرد ایسی نہ تھی جسے اس غزوہ میں شرکت کے لیے نہ کہا گیا ہو۔ ان لوگوں میں ابوبکر صدیقؓ، عمر ابن خطاب، عبیدہ ابن الجراح، سعد ابن ابی وقاص، سعید ابن زید، قتادہ ابن نعمان اور سلمہ ابن اسلم ابن حریش بھی شامل تھے۔"

(طبقات۔ ج ۲ ص ۱۹۰)

جب پیغمبرؐ نے علالت کے باوجود اپنے ہاتھ سے علم سج کر اسامہ کو دیا تو مسلمانوں نے ان کے پرچم کے نیچے جانے کے بجائے ان کی افسری پر لے دے شروع کر دی اور کھلے خزانوں اعتراضات کرنے لگے۔ کبھی یہ کہا کہ یہ نوعمر اور ناتجربہ کار ہے اور کبھی یہ کہا کہ یہ ایک آزاد کردہ غلام کا بیٹا ہی تو ہے۔ پیغمبرؐ اکرم کے کانوں میں یہ نکتہ چینی کی آوازیں پہنچیں تو بخار کی حالت میں پلٹے لپٹائے سر پر پٹی باندھے باہر تشریف لائے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

ان تطعنوا فی امرته فقد کنتم تطعنون فی امرة ابیه من قبل وایم الله انه کان لخلیقا للامرة وانه کان لمن احب الناس الی وان هذا احب الناس الی وان هذا احب الناس الی بعده۔

"اگر تم اس کی امارت پر معترض ہو تو اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی طعنہ زنی کر چکے ہو خدا کی قسم وہ امارت کا سزاوار تھا اور میری نظروں میں دوسروں سے زیادہ پسندیدہ تھا اور اس کے بعد یہ بھی مجھے دوسروں سے زیادہ عزیز ہے۔"

(صحیح مسلم۔ ج ۲۔ ص ۲۸۳)

اس کے بعد آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور مرض نے شدت اختیار کر لی مگر اس حالت میں بھی بار بار یہی فرماتے رہے:۔

"جهزوا جيش اسامه انفذوا جيش اسامه ارسلوا جيش اسامة"

"لشکر اسامہ کو جلدی بھیجو، لشکر اسامہ کو جلدی بھیجو، لشکر اسامہ کو فوراً روانہ کر دو۔"

اسامہ پیغمبرؐ کو دیکھنے کے لیے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! یہ بہتر ہو گا کہ آپ کے صحت یاب ہونے کے بعد لشکر کی روانگی ہو۔ فرمایا: نہیں تم لشکر کو لے کر فوراً چلے جاؤ اور اس میں ذرا تاخیر نہ کرو۔ اسامہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جانے کی تیاری میں لگ گئے۔ ادھر پیغمبرؐ پر مرض کا دباؤ بڑھ گیا اور غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب ذرا سنبھالا لیا تو دریافت فرمایا کیا لشکر روانہ ہو گیا ہے۔ بتایا گیا کہ ابھی جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آنحضرتؐ کی تیوریوں پر بل آئے اور فرمایا:۔

جهزوا جيش اسامة لعن الله من تخلف عنها۔

"اسامہ کے لشکر کو فوراً روانہ کر دو، خدا کی لعنت ہو اس پر جو لشکر میں شریک نہ ہو۔" (کتاب الملل والنحل ص ۸)

آنحضرتؐ کے بار بار کہنے اور زور دینے سے نکل تو کھڑے ہوئے مگر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر وادی جرف میں جا کر رُک گئے۔ اتنے میں کسی نے خبر بھجوائی کہ پیغمبرؐ کا دم واپسیں ہے یہ سُن کر اسامہ، ابوعبیدہ اور حضرت عمرؓ مدینہ چلے آئے۔ یہ دن رسول اللہؐ کی زندگی کا آخری دن تھا جب آپ جوارِ حق میں پہنچ گئے تو دوسرے لوگ بھی واپس پلٹ آئے۔

اہلِ اسلام کے نزدیک پیغمبر اکرمؐ کا ہر حکم، حکمِ الٰہی کا آئینہ دار اور وحی الٰہی کا ترجمان ہوتا ہے اور اس کی مخالفت حکمِ خدا کی مخالفت ہے مگر اس کے باوجود پیغمبرؐ کا یہ تاکیدی فرمان ٹالم ٹول کی نذر ہو جاتا ہے اور مامورین میں سے کوئی اس پر عمل پیرا ہوتا نظر نہیں آتا۔ کاغذ و قلم طلب کرنے پر تو ہذیان کی آڑ میں خلاف ورزی کا جواز پیدا کر لیا گیا تھا مگر خدا جانے کہ اس حکم کی خلاف ورزی کے لیے کیا جواز ڈھونڈا جائے گا۔

اس تجہیز جیش کی مصلحت اور اس کی خلاف ورزی کے دواعی و اسباب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس واقعہ کے پس منظر کا جائزہ لیا جائے اور ان حالات پر نظر کی جائے جن حالات کے ماتحت رسولؐ خدا نے مہاجرین و انصار کو اسامہ کی زیر قیادت لشکر کشی کا حکم دیا تھا تاریخ بتاتی ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد سے پیغمبرؐ کی طبیعت پژمردہ رہنے لگی تھی اس طبیعت کے اضمحلال نے بیماری کی صورت اختیار کر لی اور یہی بیماری موت کا پیش خیمہ بن گئی۔

آنحضرتؐ حجۃ الوداع اور غدیر خم کے خطبوں میں یہ خبر دے چکے تھے کہ میری موت کی ساعت قریب ہے اور میں جلد اس جہان فانی سے رخصت ہو جانے والا ہوں اور حجۃ الوداع سے پلٹنے کے بعد بھی آپ کی زبان سے

ایسے کلمات سنے گئے جو ایک طرح سے موت کا واضح اعلان تھے اور صحابہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ رحمت و رافت کا آسمان جو تئیس برس سے ان کے سروں پر سایہ فگن تھا پیوندِ زمین ہونے والا ہے۔ عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں:۔

نعی الینا نبینا وحبیبنا نفسه قبل موت بشھر۔

"ہمارے پیغمبرؐ نے رحلت سے ایک مہینہ پہلے اپنی موت کی خبر دے دی تھی۔"

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۴۳۵)

پیغمبرؐ ایک طرف سفرِ آخرت کے قرب کی خبر دے رہے تھے اور دوسری طرف ایسے فتنوں کے اُبھرنے کی پیشین گوئیاں بھی فرما رہے تھے جن کے مہیب سائے افقِ عالم پر چھائے جا رہے تھے اور شبِ تاریک کے مانند فضا کو تیرہ و تار بنانے کے لیے امنڈ آئے تھے۔ چنانچہ آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک رات لڑکھڑاتے سنبھلتے جنۃ البقیع میں تشریف لے گئے اور اہلِ قبور کے حق میں دعائے مغفرت اور ان پر سلام کرنے کے بعد فرمایا:۔

لیھن لکم ما اصبحتم فیه مما اصبح الناس فیه قد اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم یتبع آخرھا اولھا والآخرة شر من الاولی۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۳۲)

"جس حال میں زندہ لوگ ہیں اسے دیکھتے ہوئے یہ حال تمہیں گوارا اور مبارک ہو۔ اب تو کالی راتوں کی طرح کے فتنے پے درپے بڑھتے چلے آ رہے ہیں اور جو فتنہ اٹھے گا وہ پہلے فتنہ سے بدتر ہوگا۔"

ان حالات میں کہ ایک طرف دم واپسیں اور دوسری طرف تباہ کن
فتنے سر اٹھاتے نظر آرہے ہیں کیا ان فتنوں کا انسداد زیادہ ضروری تھا
یا موتہ کے ان شہیدوں کا قصاص زیادہ لازمی تھا جنہیں شہید ہوئے
دو ڈھائی سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس عرصہ میں نہ ادھر کوئی توجہ
کی گئی اور نہ کوئی عملی اقدام کیا گیا۔ اگر دشمن کی طرف سے چڑھائی کا اندیشہ
ہوتا یا غنیم حملہ آور ہوتا تو اس صورت میں فوج کشی بہر حال لازمی تھی مگر
ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ تھی۔ نہ دشمن چڑھ آیا تھا نہ غنیم حملہ آور
تھا اور نہ ہوس ملک گیری کا سوال پیدا ہوتا ہے پھر اچانک اس کی
اہمیت کا اتنا احساس کیوں کہ جب غشی سے آنکھیں کھلتی ہیں بار بار
یہی فرماتے ہیں کہ جس طرح بن پڑے لشکر کو بھیج دو اور میں اپنی زندگی
میں سن لوں کہ لشکر جا چکا ہے اور پھر اس تاکید نے تہدید کی صورت
اختیار کر لی اور فرمایا کہ جو لشکر میں شریک ہو کر جانے سے گریز کرے وہ اللہ
کی لعنت کا سزاوار ہے۔ اس سے پہلے کبھی پیغمبرؐ نے یہ تہدیدی لہجہ اختیار
نہیں کیا تھا بلکہ جنگ و جہاد میں جانے سے کسی نے عذر کیا تو اس کا عذر
منظور کر لیا کسی نے مجبوری ظاہر کی تو اسے رخصت دے دی مگر یہاں نہ
کوئی عذر مسموع ہوتا ہے اور نہ جھوٹی سچی مجبوری کو مجبوری سمجھا جاتا ہے
بس ایک ہی اٹل فیصلہ ہے کہ یہاں سے چل دو۔ جس میں نہ ردوبدل کی
گنجائش ہے اور نہ ترمیم کی حالانکہ زندگی کے آخری لمحات میں انسان کی
یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے یار و انصار اس کے گرد و پیش جمع رہیں۔ تجہیز و
تکفین میں حصہ لیں۔ نماز جنازہ میں شریک ہوں اور اس کے قریبیوں اور
عزیزوں کا غم بٹائیں اور انہیں تسلّی و تسکین دیں اور پھر ان لوگوں کے لیے

تو اس میں اور زیادہ الجھاؤ ہے اور جس کا نظریہ یہ ہے کہ پیغمبر نے اپنی نیابت و جانشینی کا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ اسے امت کے ارباب حل و عقد پر چھوڑ دیا تھا اور اب جبکہ مستقبل قریب میں ان کے سر جوڑ کر بیٹھنے کا وقت آ رہا تھا انہیں مدینہ سے کوسوں دور چلے جانے کا حکم کیا معنی رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر خلافت کا مسئلہ اہل شوریٰ و رائے کی صوابدید سے وابستہ ہوتا تو انہیں جانے کا حکم قطعاً نہ دیا جاتا تاکہ وہ آپ کی وفات کے بعد خلافت کا مسئلہ طے کریں اور امت کو فتنہ و انتشار سے بچا سکیں۔ پھر کیا وجہ تھی کہ پیغمبرؐ ان کے جانے پر زور دیتے رہے کیا وہ مرکز میں رہ کر ان فتنوں کا سدِّ باب نہ کرتے جن فتنوں کے سر اٹھانے کی پیشین گوئی فرما رہے تھے۔ یا یہ کہ خود انہی سے کسی فتنہ کا اندیشہ تھا جس کے انسداد کے لیے ان سے مدینہ خالی کرایا جا رہا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ اپنے گرد و پیش والوں سے مطمئن نہ تھے چنانچہ کچھ لوگ تو آپ کی خبر علالت سن کر اسلام سے منحرف ہو رہے تھے اور کچھ لوگوں کے طور طریقے یہ بتا رہے تھے کہ وہ اقتدار کی راہیں ہموار کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس کے معیار گھڑے جائیں گے، اصول بنائے جائیں گے اور ان خود ساختہ اصولوں کے نتیجہ میں مسلمان بٹ جائیں گے اور اسلام پارہ پارہ ہو جائے گا۔

اسلام کے تحفظ کی واحد ضمانت پیغمبرؐ کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے میں مضمر تھی۔ آنحضرتؐ مختلف مواقع پر اور خصوصاً غدیر خم کے موقع پر ہدایت فرما چکے تھے کہ ان کے بعد علی خلیفہ و ولی امر ہوں گے مگر اس کے ساتھ کچھ مشکلات بھی نظر آ رہی تھیں آپ دیکھ چکے تھے کہ بعض لوگوں

کی نظروں میں علیؑ کا معمولی سے معمولی امتیاز بھی کھٹکتا ہے اور وہ بات بات پر شکایات کا طومار باندھنے لگتے ہیں۔ وہ یقیناً دعوتِ عشیرہ کے عہدو پیمان اور غدیر خم کے اعلان کو عملی جامہ پہنائے جانے میں مزاحم ہوں گے اور جنہوں نے آپ کے جیتے جی اسامہ کی امارت کو تسلیم نہ کیا ہو اور ان کی نوعمری کی وجہ سے انہیں قیادت کا اہل نہ سمجھا ہو، وہ علیؑ کو بلا چون وچرا کس طرح نمائندہ اسلام اور خلیفہ رسولؐ تسلیم کرلیں گے۔ اور کیا ان کی کم عمری پر بھی اعتراض نہ ہوگا۔

اگرچہ پیغمبرؐ نے ایک نوجوان کو امارت دے کر اس اعتراف کو اعتراض نہیں رہنے دیا تھا پھر بھی حضرت علیؑ اس اعتراض سے نہ بچ سکے۔ اور یہ کہا گیا کہ وہ ابھی جوان ہیں اور خلافت و امارت کے لیے کوئی عمر رسیدہ آدمی ہی موزوں ہوسکتا ہے۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ اس تجہیز جیش میں جہاں یہ مقصد کار فرما تھا کہ شہداء موتہ کا قصاص لیا جائے وہاں یہ اہم مقصد بھی اس میں مضمر تھا کہ جن جن سے یہ اندیشہ ہوسکتا تھا کہ وہ حضرت علیؑ کی خلافت کی عملی تکمیل میں مزاحم ہوں گے، انہیں اتنے عرصہ کے لیے مدینہ سے باہر بھیج دیا جائے کہ جب وہ پلٹ کر آئیں تو خلافت اپنے مرکز پر قائم ہو چکی ہو اور رخنہ اندازیوں کا سدباب ہو چکا ہو۔

اگرچہ پیغمبرؐ اکرم یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ جانے والے نہیں ہیں مگر پیغمبرؐ کا پیغمبرؐ ہونے کی حیثیت سے بہرحال یہ فرض تھا کہ وہ خاموش بیٹھنے کی بجائے پیہم جدوجہد کرتے رہیں اور لوگوں کی نافرمانی و خلاف ورزی سے گھبرا کر سپر انداختہ نہ ہوں۔ اس لیے کہ پیغمبرؐ کا کام ادائے فرائض ہے خواہ ان

کی آواز پر کان دھرا جائے یا نہ دھرا جائے۔ اور پھر یہ اصرار رائیگاں بھی تو نہیں گیا اس سے کوئی اور مقصد حاصل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر اتنا تو ہوا کہ جنہوں نے پیغمبرؐ کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں اقتدار حاصل کیا ان کے دلوں کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی ہوسِ اقتدار بے نقاب ہو کر سامنے آگئی اور ان کے اقتدار کی شرعی حیثیت بھی واضح ہوگئی۔

بہرحال اس خلاف ورزی کا مقصد ہی یہ تھا کہ اگر چلے جانے کی صورت میں یہ بیل منڈھے چڑھ گئی اور اقتدار کا رُخ دوسری سمت مڑ گیا تو اپنی طرف موڑنے میں کامیابی نہ ہو سکے گی اس طرح یہ ایک اعصابی جنگ تھی جو اندر ہی اندر لڑی جا رہی تھی۔ اُدھر پیغمبرؐ جانے کے لیے کہتے ادھر جاتے اور پھر پلٹ آتے کبھی مزاج پرسی کے حیلہ سے اور کبھی سامان کی فراہمی کے بہانہ سے، کچھ کن سوئیاں لینے کے لیے یہیں رہ جاتے اور کچھ لشکر گاہ کی طرف پلٹ جاتے۔ غرض پیغمبرؐ نے لاکھ لاکھ کہا سنا مگر نہ جانا تھا نہ گئے یہاں تک کہ پیغمبرؐ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں تو ان کا حکم ہوس حکمرانی کے بوجھ کے نیچے دب کر رہ جاتا ہے اور پیغمبرؐ کے بار بار کہنے کے باوجود بوجھل قدموں میں جنبش پیدا نہیں ہوتی مگر جب خلافت قائم کر لی جاتی ہے تو سب سے پہلے لشکرِ اسامہ کی روانگی کا بندوبست کیا جاتا ہے تاکہ اس طرح حکمِ رسولؐ کی نافرمانی کا دھبا بھی دُھل جائے اور یہ تاثر بھی دیا جا سکے کہ اللہ اللہ حکم رسولؐ کا کتنا پاس و لحاظ تھا کہ اقتدار کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی فوراً لشکر روانہ کر دیا۔ اگرچہ ایک کثیر تعداد نے اس کی مخالفت کی تھی مگر حضرت ابوبکرؓ کو اصرار تھا کہ اسامہ کی زیرِ نگرانی لشکر کی روانگی ضرور

عمل میں لائی جائے اور جسے چند دن پیشتر امارت کا اہل تصور نہ کیا گیا تھا اب اسے اہل سمجھ لیا گیا۔ انصار کی رائے یہ تھی کہ لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے اور اگر ملتوی نہ کی جائے تو اسامہ کی بجائے کسی معمر و سن رسیدہ شخص کو لشکر کی امارت سپرد کی جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انصار کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اسامہ کو امارت سے برطرف کر دیا جائے۔ جس پر حضرت ابوبکرؓ بہت بگڑے۔ اور کہا۔

ثکلتك امك وعدمتك یا ابن الخطاب استعمله رسول الله وتامرنی ان انزعه۔

"تم مر جاؤ اور تمہاری ماں تمہارے سوگ میں بیٹھے اے خطاب کے بیٹے اسے رسول اللہؐ نے امیر مقرر کیا تھا اور تم مجھے یہ کہتے ہو کہ میں اسے علیحدہ کر دوں۔"

(تاریخ طبری۔ ج۔۲۔ ص ۴۶۲)

اگر لشکر کی روانگی میں حکم رسولؐ کا احترام ملحوظ تھا تو اس احترام کا تقاضا یہ بھی تھا کہ اسامہ کی معزولی کا مطالبہ نہ کیا جاتا اس لیے کہ وہ رسولؐ کے منتخب کردہ تھے اور رسول نے ان لوگوں سے خفگی کا بھی اظہار کیا تھا جنہوں نے ان کی امارت پر نکتہ چینی کی تھی اگرچہ حضرت عمر انصار کے پیغامبر تھے مگر اس معزولی میں ان کے ہمنوا تھے۔ اگر وہ انصار کے ہمنوا نہ ہوتے تو وہ ان کی طرف سے پیغامبر بن کر آنے کی بجائے انہیں کہہ دیتے کہ اسامہ رسولؐ کے مقرر کردہ ہیں تم ان کی معزولی کا مطالبہ کرنے والے کون ہوتے ہو یا یہ کہتے کہ تم خود ہی حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلے جاؤ اور انہیں

کہو کہ وہ اسامہ کو برطرف کردیں، اور حضرت ابوبکرؓ بھی حضرت عمرؓ پر بگڑنے کے بجائے انصار پر بگڑتے۔

ظاہر ہے کہ یہ خفگی اسی بناء پر ہوگی کہ انہیں انصار کا ہمنوا پایا ہوگا بہرحال حضرت ابوبکرؓ کے کہنے سننے سے اسامہ کی امارت تو قبول کرلی گئی مگر پھر بھی کچھ لوگوں نے عملاً ان کی امارت کو تسلیم نہ کیا اور لشکر میں شریک ہونے سے کنارہ کش رہے۔ حضرت ابوبکرؓ تو حکومت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے نہ گئے ہوں گے حضرت عمرؓ بھی اسامہ سے اجازت لے کر رہ گئے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسامہ کو یہ حق پہنچتا تھا کہ جنہیں رسولؐ اللہ نے نام لے لے کر مامور فرمایا ہو وہ انہیں اجازت دے کر رخصت کردیں؟ ظاہر ہے ان کی حیثیت ایک سپہ سالار کی تھی اور وہ قطعاً اس کے مجاز نہ تھے کہ جسے چاہیں ساتھ رکھیں اور جسے چاہیں چھوڑ جائیں۔ پھر اس اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے کے معنی ہی کیا؟ اور وہ اگر مجاز بھی فرض کرلیے جائیں تو حکومت کی سطوت و ہیبت کے سامنے اجازت دینے سے انکار بھی کیسے کرسکتے تھے۔

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ھیں۔

منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان